

انتخابِ محکمات
سریہ شہابی اور اقبال

انتخاب مکاتیب

مسنید - شبلی اور قبال

مسنید
شیخ عطاء اللہ علیہ السلام
پرنسپل
اسلامیہ کالج چنیوٹ

قومی کتب خانہ - ریلوے روڈ - لاہور

اشاعت اول - - - ۱۹۵۸

تعداد - - - ایک ہزار

قیمت - - - چھ روپے

ناشر

شیخ محمد نصیر الدین حمایوں

قومی کتب خانہ

ریلوے روڈ - لاہور

مذرجات

صفحات

—

دباجه

۱ تا ۳۳

تعارف و تبصره

۳۵ تا ۱۵۳

انتخاب خطوط سر سید

مکاتیب شبلی

۱۵۳ تا ۱۶۰

تعارف

۱۶۱ تا ۲۲۲

انتخاب مکاتیب شبلی

۲۲۳ تا ۲۴۳

تبصره

مکاتیب اقبال

۲۴۳ تا ۳۲۳

انتخاب اقبال نامه

دیباچہ

زندگی ایک سہمی بہیم اور ایک جہد مسلسل کا نام ہے۔ افراد کی طرح اقوام کو بھی ہر لحظہ نئے حالات و حوادث پیش آتے رہتے ہیں جن پر قابو پالینے اور جنہیں اپنے مفید مطلب بنا لینے کے لئے ایک ہوشمندانہ کوشش اور ایک سرفروشانہ محنت درکار ہوتی ہے۔ حالات کا تغیر کبھی کبھی انقلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے میں قوم کی زندگی کا ثبوت اور اس کی بقا کی امید کسی مرد میدان کے ظہور سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ہر وقت کوئی دستگیر - دانا - مخلص اور ایثار پیشہ رہنما میسر آگیا جس کی بصیرت آنے والی ہولناکیوں کو بھانپ لیتی اور جس کی جرات اُسے اُن کے انسداد پر کمر بستہ اور سر بکف پاتی ہے اور اگر ان حالات میں قوم اس کی ہکار پر لبیک کہتی ہے تو بیچ نکلتی ہے اور :-

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں -

ادھر لوہے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے -

کا نقشہ پیش کر دیتی ہے - مصطفیٰ کمال اتاترک ترکی میں قائد اعظم محمد علی جناح ہندوستان میں ایسے ہی لیڈر تھے - وگرنہ ترکی اور ہندوستان میں مسلمانوں کا وہی حال ہوتا جو ہسپانیہ میں سات سو سال کی فرمانروائی کے بعد مسلمانوں کا ہوا - لیکن یہ حقیقت کبھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ حوادث

روزگار کا کاسرائی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے پوری قوم کی تربیت صحیح انداز پر ہوئی چاہئے وگرنہ ۔

ڈھیلے ہیں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

ہم قوم کی تربیت میں یہ اصول ملحوظ رکھنا چاہئے کہ تار و مضراب دونوں ہر وقت درست ہوں یعنی ایک طرف تو صاحب ہوش و فکر اور دل گردے کے انتشار پیشہ رہنا پیدا ہوتے رہیں اور دوسری طرف عوام ملک و ملت کی ہر ہکار پر راہ و رسم منزلہا سے با خبر رہنماؤں کا ساتھ دینے پر آمادہ رہیں ۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی نے جسے غدر کا نام دیا جاتا ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت و شوکت ۔ حشمت و صولت اور دہدہ و سلطنت کا چراغ جو ڈیڑھ سو سال سے ٹٹٹا رہا تھا ۔ یکتلم کل کر دبا اور آن پر وہ پیتا پڑی کہ ملک اپنی پوری وسعتوں کے باوجود آن پر تنگ ہو گیا ۔ آن کے لئے نہ جانے ماندن نہ ہائے رفتن ۔ کی صورت پیدا ہو گئی ۔ اگر وہ صورت حال قائم رہتی تو آن کا حشر نہایت عبرت ناک ہوتا ۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ نے سر سید احمد خان ہائے اہم ۔ اے ۔ او کالج علی گڑھ کو ضروری بصیرت دلسوزی ۔ عشق ملت شیفنگی اسلام اور بے پناہ قوت عمل سے آراستہ کر کے مسلمانان ہند کی رہنمائی پر مامور فرمایا ۔ سر سید نے ملت اسلامیہ ہندو کی بیداری کے لئے ایسی ہمہ گیر اور گوناگون خدمات انجام دیں کہ سر سید کی سی محنت و مشقت ۔ ثابت رہی ۔ ہمہ گیری اور دیرپا منصوبہ بندی میں آن کا کوئی حریف نہیں اور اگر آج مسلمانوں کو پاکستان ایسی وسیع سلطنت مل گئی ہے تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زوال سلطنت مغلیہ کے

بعد اس کی بنیاد انہی کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی - سرسید کے مکاتیب پر جو تبصرہ مہر قلم کیا گیا ہے اُس میں اس امر کی شہادت موجود ہے - سچ تو یہ ہے کہ حکومت کے مٹ جانے کے بعد مسلمانانِ ہند کی ہر قسم کی ترقی اور بہتری اُسی محسنِ ملت کی مرہونِ منت ہے -

مولانا شبلی مرحوم کے جوہرِ ہائے ذاتی، جذبہِ ملت دوستی، مقابلہِ انقلاب اور ولولہِ اصلاح حال نے علی گڑھ میں سرسید ہی کے دامنِ تربیت میں نشو و نما پائی - مولانا نے مرحوم نے اپنی زندگی اُن مختلف میدانوں میں جو اُن کی طبیعت و صلاحیت کے جولانگہ تھے خدمتِ ملت کے لئے وقف کر دی اور تنہا تعلیمی علمی - مذہبی ادبی اور تاریخی شعبوں میں اتنا کام کر گئے کہ بڑی بڑی انجمنیں مدتوں انجام نہیں دے سکتیں - وہ اپنے زمانہ میں عالمِ اسلام کے چند ممتاز علماء میں سے تھے - ان کا ایک کارنامہ اربابِ علم و بصیرت کی وہ جماعت ہے جو اسی نوعیت کی خدمات 'دارالمصنفین'، 'اعظم گڑھ' کے نام سے انجام دے رہی ہے اور جس کے ہائیکہ کی کوئی دوسری جماعت کسی اسلامی ملک میں موجود نہیں - تقسیمِ ہند کے بعد اس جماعت ہے پاکستان کا تعلق گویا ختم ہو چکا ہے اور خود پاکستان میں اس قسم کے ایک ادارہ کی تشکیل کی اشد ضرورت ہے -

اس کاروانِ علم و فضل اور عشاقِ ملت میں تیسرا نام اقبال کا ہے جو اپنے مشہور مصرع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا -

کے مصداق تھے - اُن کی صداغ ہوتا ہے جادہ پیمہ پھر کاروانِ ہمارا -

ایک وقت ایک بشارت بھی تھی اور ایک پیغام بھی۔ انہوں نے اسلامی زندگی کے اسرار و رموز بیان فرمائے اور ہندوستان ہی نہیں عالم اشرق سے نکل کر عالم اسلام کی بیداری کا اہتمام کیا۔ ان کے نغموں سے عرب و عجم وجد میں آ گئے اور عالم اسلام میں اتحاد و اخوت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ دانائے راز تھے اور سچ کہہ گئے ہیں۔ ذکر دانائے راز آئید کہ ناید۔

انہوں نے نہایت تکلیف دہ زمانہ پایا لیکن اپنا کام کر گئے

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت
سخن نازک تر از برگ سخن گفت
ولے باسن بگو آن نکته ور کیست
کہ خارے دید و احوال چمن گفت

مسلمانان ہند اور پاکستان کی زندگی کے ہر شعبہ پر ان تینوں بزرگوں کے انقلاب آفریں اثرات موجود ہیں وہ ملت کے خادم بھی تھے اور رحمتا بھی۔ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے ان کی خدمات سے واقفیت حاصل کرنا اور ان سے سبق اندوز ہونا ملت کے شاندار مستقبل کے لئے لازم ہے۔ ان کی خدمات کا احاطہ نہایت تفصیل کا طالب ہے۔ ان اوراق میں ان کے مکاتیب سے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی ہمہ گیر تاریخ کے درخشاں ابواب ہیں انتخابات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ بڑھنے والوں کو اس زمانے کے حالات اور ان بزرگوں کی خود فروشانہ خدمات ملت کا عالم ہو اور اس طرح خود ان کے دلوں میں پاکستان کی محبت و خدمت کا جذبہ بیدار ہو اور وہ اپنی تمام تر قوتیں خلوص و انہماک

ہے اس سلطنت خدا داد کے استحکام کے لئے وقف کر دیں تاکہ مستقبل قریب میں یہ ملک خدمت ملت اور عظمت اسلام کا علمبردار ثابت ہو۔ ان بزرگوں نے اپنی اپنی بصیرت استعداد اور مواقع کے مطابق ملت کو جن مشکلات میں گھرا پایا ان سے ملت کو نجات دلانے کی تدابیر اختیار کیں۔ آج کل نوجوان جس فرو مائید ادب پر بل رہے ہیں وہ کسی صورت زہر قاتل سے کم نہیں۔ اگر پاکستان کو زندہ رہنا اور ترقی کرنا ہے تو اس کے نوجوانوں میں اسلام دوستی جوش عمل اور جذبہ خدمت ملت پیدا کرنے والی کٹھنیں مہیا کرنی چاہئیں۔ اس پر اس ناچیز کوشش سے بڑھنے والوں کے دلوں میں خدمت ملت کا ولولہ ضرور پیدا ہوگا اور اپنے لئے مناسب راہیں تلاش کریں گے۔ ان بزرگان ملت کے حسن نیت اور ان کی خدمات کا یہ ایک ادنیٰ اعتراف ہوگا۔ اگر بعض صورتوں میں یہ ولولہ عمل سے ہمکنار نہ ہو سکے تو بھی ان مکاتیب کے مطالعہ میں جو وقت گزریگا وہ بھلائی اور نیکی۔ ادب دوستی اور علم پروری میں صرف ہوگا اور قوم کی قلبی۔ ذہنی اور دینی تربیت و آراستگی میں اس سے مدد ملے گی۔

اس انتخاب کی اشاعت کا خیال علی گڑھ سے پاکستان پہنچنے کے بعد لاہور میں پیدا ہوا لیکن وقت گزرتا چلا گیا اور یہ خیال شرمندہ عمل نہ ہوا تاآنکہ میں ہیلی کالچ لاہور چھوڑ کر چنیوٹ چلا آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب سعد اللہ خان مرحوم کے علم و فضل اور روحانی تصرف کا تقاضا تھا کہ یہ خواہش چنیوٹ پہنچ کر تکمیل پذیر ہو جہاں اہل دل ارباب ثروت کی زمانہ شناسی اور خدمت ملت کی بدولت اسلامیہ کالج کی صورت میں

ایک نیا علی گڑھ جنم لے رہا ہے۔ میں نے سر سید اور شبلی کے خطوط پر ایک ایک مختصر تبصرہ بھی تحریر کر دیا ہے اور بعض صورتوں میں سر سید اور شبلی مرحوم نے جن لوگوں کے نام خطوط لکھے ہیں ان کے حسب ضرورت تعارف کی خدمت بھی انجام دی ہے۔

عطا اللہ۔

اسلامیہ کالج چنہوٹ۔

۳۱ دسمبر ۱۹۵۸ء

مجھ کو کہاں تک بچاؤ کے
میں تو ہدف تیرا ہے ملامت
ہو گیا ہوں اور روز بروز
ہوتا جاتا ہوں - شائد بعد
میرے کوئی زمانہ آوے جب
لوگ میری دلسوزی کی قدر
کریں

(سر سید احمد خان)

تعارف اور تبصرہ

آن لالہ سحر کہ خزاں دید و بینسرد

سید دگر اورا نسے از اشک سحر داد

اقبال

سر سید احمد خان

ان طور سے مقصود صاحب مکاتیب سے سرسری تعارف اور مکاتیب پر بحیثیت مجموعی ایک تبصرہ ہے۔ سر سید احمد خان مرحوم و مغفور کے سوانح حیات اور ان کے کارناموں کا احاطہ چند صفحات میں نا ممکن ہے۔ حالی مرحوم کی ”حیات جاوید“ سر سید کی زندگی کی ایک مبسوط داستان ہے۔ ویسے بھی چھوٹے بڑے متعدد پمفلٹ اور رسالے موجود ہیں مگر سب سے بڑی دقت یہی ہے کہ سر سید کے کارناموں کے مختصر تذکرے کے لئے بھی ایک دفتر چاہیے۔ لہذا میں نے سر سید ہی کی ایک تقریر کے اقتباس پر اکتفا کیا ہے جس میں خود انہوں نے اپنی زندگی میں انقلاب کی وجہ اور اسے خدمت ملت کے لئے وقف کر دینے کے اسباب سے بحث کی ہے۔ مجھے امید ہے ”خطوط سر سید“ کے اس انتخاب کے مطالعہ سے نوجوانوں میں سر سید کے سوانح عمری، مکاتیب، خدمات اور کمالات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا اور یقین واثق ہے کہ اس مطالعہ کے بعد خود ان میں سات دوستی کا عملی جذبہ ترقی پائیگا۔

مصیبت میں قوم کی دستگیری

”ایک عبرت خیز واقعہ کو، جس نے ایک شخص کے دل کو دین و دنیا دونوں سے مستغنی کر کے قوم کی محبت و ہمدردی میں محو کر لیا اور درحقیقت وہی اس کالج کے فونڈیشن کا پہلا ہتھوڑا ہے۔ میں اپنے دل سے بہلا نہیں سکتا اور گو میں اس کو کبھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب ظاہر کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ کہ بخت زمانہ صدر ۱۸۵۷ء کا ابھی لوگوں کی یاد سے بھولا نہیں ہے۔ اس زمانے میں میں بجنور میں تھا۔

صدر کے بعد مجھ کو نہ اپنا گھر لٹنے کا رنج تھا نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا، جو کچھ رنج نہا اپنی قوم کی بربادی کا، اور ہندوستانیوں کے ساتھ سے جو کچھ انگریزوں پر گزرا اس کا رنج تھا۔ جب ہمارے دوست مرحوم مسٹر شکسپیر نے جن کی مصیبتوں میں بھی ہم اور ہماری مصیبتوں میں وہ شریک تھے بعض اس وفاداری کے تعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نہایت نامی خاندان کی ملکیت تھا اور لاکھ روپے سے زیادہ مالیت کا تھا مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائقی دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائیداد لے کر تعلقہ دار بنوں۔ میں نے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں، اور درحقیقت یہ بات بالکل سچی تھی۔ میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم بھر ہائے کی اور کچھ عزت ہائیکہ اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

چند روز میں اسی خیال اور اسی غم میں رہا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڑھا کر دبا اور میرے بال سفید کر دیئے۔ جب میں مراد آباد میں آیا جو ایک بڑا غم کدہ بریادی ہماری قوم کے رئیسوں کا تھا، اس غم کو قدرتی قوتی ہوئی۔ مگر اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشۂ عاقبت میں جا بیٹھوں۔ نہیں اس کے ساتھ مصیبت میں رہنا چاہئے اور جو مصیبت بڑی ہے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ میں نے ارادہ ہجرت موکوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔ میں نے پسند نہیں کیا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ کس نے پسند اور کس نے آباد کیا۔

ہنوز سیاست ہائے اہام غمر جاری تھیں کہ میں نے ایک رسالہ قوم کی بے گناہی کا لکھا جو ”کالز آف انڈین ریولوشن“ کے نام سے موسوم ہے۔ میں بیان کرنا نہیں چاہتا کہ وہ کیا وقت تھا اور میرے دوست کیا یقین کرتے تھے کہ اس جوش ہمدردی سے جس کو میں خود دیوانہ بن کہہ سکتا ہوں مجھ پر کیا گزرنے والا تھا۔ یہ میرا پہلا سبق قومی ہمدردی کا تھا۔ میرے غمخوار مجھ کو اس سے مانع آنے تھے اور میرا دل ان سے یہ کہنا تھا :

حریف کاوشی مڑگی خون ریزم نہ ناصح

ہدست آور رگ جانے و اشتر را تماشا کن

اسی زمانے میں میں نے چند رسالے لکھے اور مشہور کئے جو ”لائل محمدنژ آف انڈیا“ کے نام سے مشہور ہیں۔

مگر میں نے غور کیا کہ یہ سب فروعی باتیں ہیں۔ اصلی سبب سوچنا چاہئے کہ قوم پر یہ مصیبت کیوں بڑی اور کیونکر

دور ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ جواب ملا کہ قوم میں تعلیم و تربیت نہیں تھی اور انگریزوں سے جن کو خدا نے ہم پر مسلط کیا میل جول اور اتحاد نہ تھا اور باہم ان دونوں میں مذہبی اور رسمی منافرت بلکہ مثل آب زیر کاء عداوت کا ہونا تھا۔ میں نے یقین کیا کہ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو غدر واقع نہ ہوتا اور اگر ہوتا تو جو سخت مصیبت گورنمنٹ پر، ملک پر، ہماری قوم پر واقع ہوتی ہے اس قدر نہ ہوتی۔

”پھر میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ قوم کو اس زمانے کی ضرورت کے موافق تعلیم دینا اور یورپ کے علوم کا ان میں جاری کرنا آیا درحقیقت اسلام کے برخلاف ہے۔ مجھے جواب ملا کہ نہیں۔ پھر میں نے۔ وچا کہ انگریزوں سے جو ہمارے حاکم ہیں اور عموماً عیسائیوں سے سچی دوستی اور بے ریا اتحاد اور دل کھول کر دوستانہ میل جول اور دوستانہ معاشرت اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کیا اسلام کے برخلاف ہے۔ جواب ملا کہ نہیں۔ پس انہی دونوں اصولوں پر جن کو میں کبھی نہیں چھوڑنے کا قومی بھلائی پر کمر باندھی۔ میں نے قومی بہتری کے دو اصول مستحکم قائم کر لئے۔ ایک تعلیم دوسرا انگریزوں سے اصلی اتحاد اور دوستی۔“

کاش آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں مسلمان ایسے ہی ولولہ اور تہیہ کے ساتھ خدمتِ ملت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ آئیں دیکھیں خطوط کی روشنی میں سر سید نے اس ارادے کو کیسے کیسے عملی جامہ پہنایا۔

عشق محمد صل اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے عشق ملت میں اپنی زندگیاں قربان کر دیں ان میں اس کی محرک حضور سرور کائنات سے والہانہ محبت تھی۔ یہ سلسلہ عہد مغلیہ کے بعد سرسید سے شروع ہوا، شبلی بھی اس جام سے سرشار تھے اور ”خاک پائے ملت بیضا ستم“ کہنے والے اقبال کا سرمایہ سعادت بھی عشق رسول ہی تھا۔

سرسید انگلستان سے ایک خط میں محسن الملک سے الدوس کرتے ہیں کہ وہ میوز کی کتاب کا جواب لکھنے کا پورا پورا سامان ہندوستان سے کر کے روانہ نہ ہونے۔ دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

”ان دنوں ذرا میرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم میوز صاحب نے جو کتاب آن حضرت کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا ہے اور آن کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا ہے۔ قیامت میں یہ کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا پند صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ ما را ہمیں تمغہ شہنشاہی پس است۔ میں نے فرانس اور جرمنی سے اور مصر سے کتب سیر سنگانی شروع کر دی ہیں۔“

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”میں شب و روز تحریر کتاب میرے مصطفویٰ معلم میں مصروف ہوں۔ سب کام چھوڑ دیا ہے۔ لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے۔ ادھر فکر ترتیب مضامین کتاب، ادھر فکر جواب اعتراضات، ادھر فکر تشبیح و تصحیح روایات صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص کے مددگار نہ ہونے سے کام اور بھی سخت ہو گیا ہے اور جب حساب دیکھتا ہوں تو جان نکلی جاتی ہے کہ ابھی لکھوانا اور چھپوانا تو شروع کر دیا رویہ کہاں ہے آئیکا۔ مسلمان البتہ آستینی چڑھا کر اس باب میں تو لڑنے کو تیار ہونگے کہ انگریزوں کے ساتھ کھانا مت کھاؤ مگر جب کہو کہ مذہبی تائید میں کچھ رویہ خرچ کرو تو جان بچاویں گے۔“

حضور سرور کائنات کی ذات اور مشن پر جو رنجہ اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تشفی بخشی جاویدہی کی اہمیت کا اس سے اندازہ فرمائیے کہ لکھتے ہیں :- ”اگر میری کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا۔ خدا قبول کرے!“ کتاب تیار ہو رہی ہے اور سر سید کا دل باغ باغ ہو رہا ہے۔ ایک دوسرے ملک کے مسلمان عالم کو مسودہ سناتے ہیں۔ وہ فرط عقیدت سے ہاتھ چوم لیتا ہے، لیکن روپے کی نکر دانسگیر ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :

”آپ اس خط کے پہنچنے کے بعد میرے ظہور حسین کے پاس جائیے اور میری یہ درخواست ہے کہ دونوں صاحب مل کر کسی مساجد سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔ سود اور رویہ میں ادا کروں گا۔ چونکہ میں یہاں ہوں اس لئے کچھ بندوبست نہیں کر سکتا۔ ہزار روپے بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے اور میں نے

لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف
سسی تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو۔ اگر ہزار روپیہ
آپ دونوں کے ذریعہ وصول ہو جاوے تو کتاب بخوبی چھپ
جائیگی۔

مسلمانوں کے لئے دلسوزی

وہی تو سر سید نے اپنی زندگی ہی مسلمانوں کی فلاح و ترقی
کے لئے وقف کر دی تھی لیکن اس کے چند شواہد صرف مکاتیب
سے پیش کئے جاتے ہیں۔ انگلستان سے نواب محسن الملک کو
لکھتے ہیں: ”دو ہندو واسطے امتحان سول سروس کے بھیجے
آئے ہیں انسوس ہے کہ مسلمان بھیجے رہنے جاتے ہیں۔ چار
بنگال ابکی دفعہ سول سروس میں پاس ہوئے۔“ ایک دوسرے خط
میں نواب صاحب ہی کو لکھتے ہیں: ”بھائی مہدی تم اخبار
پانہر میں سے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو۔ وہ لکھتا ہے کہ آج
ہندوستان میں خاندان مسلمانوں کے روز بروز گھٹتے جاتے ہیں۔
چنانچہ صرف بنگالہ میں تمام سلطنت کے ملازمین میں چند مسلمان
ہیں، وہ بھی ضعیف ہیں جلد پنشن لینے اور ان کی جگہ پھٹا
کوئی مسلمان نہیں ہونے کا اور آئندہ بجز چھڑاسی اور فٹری کے
کوئی مسلمان معزز عہدے پر نہیں ہوگا۔ دیکھو جو میں کہتا
تھا، جی کا غم کرتا تھا، اب سب لوگ وہی کہتے ہیں۔ یہ
آرٹیکل بہت بڑا ہے کہیں سے دستیاب ہو تو منگوا کر سنو۔“

انگلستان سے ایک تیسرے خط میں نواب محسن الملک ہی
کو لکھتے ہیں: ”انسوس کہ مسلمان ہندوستان کے ڈوبے جاتے
ہیں اور کوئی ان کو نکالنے والا نہیں۔“ انسوس اس پر تھوکتے

اور زہر نگلنے ہیں۔ ہائے افسوس ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور مگر کے منہ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اے بھائی سہی کچھ نہ کرو اور پتین جانو کہ مسلمانوں کے ہونٹوں تک ہانی آ گیا ہے، اب ٹوٹنے میں بہت کم فاصلہ باقی ہے۔ اگر تم یہاں آئے تو دیکھتے کہ تربیت کس طرح ہوتی ہے اور تعلیم اولاد کا کیا قاعدہ ہے اور علم کیونکر آتا ہے اور کس طرح ہر کوئی قوم عزت حاصل کرتی ہے۔“

مسلمانوں کی عزت افزائی سے مسرت

مسلمانوں کی عزت افزائی سے خواہ کسی میدان میں ہو انہیں خوشی ہوتی تھی۔ مولوی امداد العلی صاحب کو کہ ان کے اشد مخالفین میں سے تھے عطاؔ خطاب کی تجویز کا حال معلوم ہوا تو ولایت سے لکھتے ہیں۔ ”مولوی امداد العلی صاحب کی نسبت ’اسٹار آف انڈیا‘ تجویز ہونے سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ میں آرزو مسلمانوں کی ترقی اور عزت کی ہے خواہ اس کو کوئی میری ضد سے حاصل کرے، خواہ میرے حسد سے، خواہ میرے ذلیل کرنے کو۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ ان کا یہ فرمانا کہ سید احمد نے انگریزوں کا جھوٹا کہا کر ”اسٹار آف انڈیا“ لیا اور انہوں نے سوجھوں پر ٹاؤ دے کر۔ نہیں، نہیں بھول گیا۔ ان کی سوجھیں نہیں ہیں۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر، میرے سر اور آنکھوں پر۔ خدا کرے ایک ان کو اور ہزار مسلمانوں کو یہ دن نصیب ہو،“

۱۸۹۶ء میں کسی شخص نے ”چودھویں صدی“ اخبار میں یہ شبہ ظاہر کیا کہ سرکار انگریزی کی ملازمت جس میں غیر اسلامی قانون کے مطابق احکام دیئے جاتے ہیں مسلمانوں کے لئے جائز

نہیں۔ اس کے جواب میں تحصیلداری کے جملہ فرائض پر نظر ڈالی اور بتایا کہ ان میں ”معذور شرعی“ نہیں۔ نتیجتاً اس خط میں لکھتے ہیں۔ ”اگر معذور شرعی ہے تو رشوت لینا ہے۔ اگر نیک آدمی جو متدین ہے اور نہایت ایمانداری سے اپنے عہدہ کا کام کرتا ہے اس کے لئے کوئی اس شرعی عہدہ تحصیلداری کے اختیار کرنے کے لئے مانع نہیں ہے۔“

اصلاح حال میں غفلت معصیت ہے

نواب انتصار جنگ حیدرآباد میں حالات سے مایوس ہو کر کنارہ کشی کرنا چاہتے ہیں۔ استعفیٰ دے دیا ہے۔ انہیں لکھتے ہیں۔ ”ہم وجہ ترک درحقیقت عدم اصلاح یا توقع عدم اصلاح ہے۔ ایک مسلمانی ریاست جس کی نسبت ایک مسلمان کو یا وصف مایوسی اصلاح کے اس کی اصلاح کی کوشش سے باز نہ آنا چاہئے آپ اس سے باز آئے ہیں اور فی الحقیقت یہ ایک قومی اور اسلامی گناہ ہے۔ نہ وہ جس کو غلطی سے تم نے سمجھا تھا اور اس غلط فہمی سے درحقیقت قومی گناہ میں پڑے تھے۔“

”میں قسمہ آپ کو یقین دلانا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کی بہتری، ترقی اور دینی اخلاق کی جس پر کوشش کر رہا ہوں مطلق توقع نہیں، مایوسی محض ہے۔ مگر میں اس خیال سے کہ ہمارا فرض کوشش کئے جانا ہے، کرتا ہوں۔ ہم جس چیز کے حصول سے مایوسی ہو اس مایوسی کے سبب سے اپنا فرض کوشش ترک نہیں ہو سکتا۔ ہم آپ نے جو اصلاح سے مایوس ہو کر اپنی کوشش بند کرنا چاہی ہے نہایت معصیت کی ہے۔۔۔۔“

”تمام مسلمانوں پر اس وقت جس قدر تمام دنیا میں ہیں خدا کی خلقی ہے۔“ بڑے بڑے اسلامی ممالک اور هندوستان کی اسلامی ریاستوں کے متعلق فرماتے ہیں ”سب کے سب بدبختی اور بد انتظامی اور وبال کی حالت میں ہیں۔“ پھر اس کے اسباب بیان فرماتے ہیں :

”اراکین سلطنت میں نفاق، حسد اور عداوت، ادنیٰ اس خلاف خواہش پر، اختلاف رائے پر، عداوت و دشمنی، دوسروں کے منصب اور کام میں مداخلت و خلل اندازی، ایک کو ذلیل کر کر اپنی نام آوری اور خوشی۔ یہ تمام امور اراکین سلطنت ہائے اسلامی کے اس طبعی ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ اس کسی اسلامی سلطنت میں اصلاح کامل کی یا نوم کامل کی توقع رکھنا خام خیالی ہے لیکن جو لوگ ان کے کارکن ہیں ان کو اس مایوسی کے سبب سے دست کش ہونا میں تو گناہ عظیم سمجھتا ہوں۔“

منافقت سے بیزارى

ایک دوست کو دوسرے سے رنجش پیدا ہو جانے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

”آپ کو میری طبیعت کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ میں رشتے ناتے کی سچی محبت اور دوستی کے آگے کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ مولوی س۔ خ کو میں اپنے حقیقی بھائی سے کم نہیں سمجھتا تھا اور اب بھی یہ لحاظ ان کی صحت و تندرستی و خوشی و آرام و دینی و دنیوی عیشی کے ایسا ہی سمجھتا ہوں اور ایسا ہی جانتا ہوں۔ آپ یقین جانتے کہ جس قدر مجھ کو اپنے بھائی

کے سرنے کا رنج ہوا تھا اسی قدر یا اس کے قریب مولوی س۔ خ صاحب کی طرف سے جو میرے دل میں رنج و ملال آیا ہے اس کا مجھ کو رنج ہوا ہے۔ وہ مجھے ہیں انہوں نے دنیا نہیں دیکھی میں تو اس شخص کو کالرو پر ایمان سمجھتا ہوں جو دوست کی نسبت یہ خیال کرے کہ اس نے خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات کی یا کہی۔ میں تو دوست کے کال دینے اور برا کہنے کو بھی دوستی پر چہل کرتا ہوں اور درحقیقت دوستی ہی کے سبب ہے وہ بات ہوتی ہے مولوی س۔ خ کو بھی میں اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھتا مگر جو ملال کہ میرے دل میں ہوا وہ اب تک کم نہیں ہوا۔ بھوٹ جائے وہ آنکھ جو کسی کو دیکھے اس نگاہ سے جو اس کے دل میں نہیں۔ کل جائے وہ زبان جو وہ کہے جو اس کے دل میں نہیں۔“

کالج کے انتظامات میں سر سید نے دوستوں کے یقین دلانے سے کہ ان کا جانشین سید محمود ہونا چاہئے منظور کر لیا تو بعض دوست خفا ہو کر علیحدہ ہو گئے۔ سر سید کو اس سے بے حد رنج پہنچا۔ اس سلسلہ میں نواب انتصار جنگ کو لکھتے ہیں :

”میں کسی شخص سے جس نے مخالف رائے دی رنجیدہ نہیں ہوں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے مخالفت کا طریقہ اختیار کیا میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ مثل ایسے شخصوں کے جن سے کوئی خاص دوستی یا راہ و رسم نہ ہو میں آپ سے ملونگا۔ آپ کا ادب و تعظیم بجا لاونگا مگر مجھ سے اور آپ سے دوستی کی راہ و رسم نہیں ہے۔ میری عادت کسی سے مذاقاندہ ملنے کی نہیں۔“ دوسروں کو چھوڑ خود مکتوب الیہ کو لکھتے ہیں : ”میں عرض کیجئے کہ

ایک طرف تو میری خود غرضی سید محمود کے مقرر کرنے کی تھی اور ایک طرف مدرسہ کی نفس برہادی تھی۔ جو شخص نہایت ایمانداری سے قوم کا بھی خواہ تھا۔ ان دونوں بلاؤں میں سے کس بلا کو اختیار کرنا قوم کے حق میں بہتر سمجھتا۔ میں کامل یقین کرتا ہوں اور پورے ایمان سے کہتا ہوں کہ تم نے غلطی کی، قیامت میں خدا کے سامنے، رسول کے سامنے کہو نکا کہ اے میرے دادا رسول خدا میں نے بغیر کسی غرض دینی و دنیوی کے تیری امت کی پہلائی کی کوشش میں کوئی درجہ ہائی نہ رکھا تھا۔ جن لوگوں نے اس کو برہاد کرنا چاہا منجملہ ان کے ایک یہ نواب انتصار جنگ ہیں۔ آپ کشمیر میں نے نہایت نیک نیتی سے کیا تھا۔ خدا یقینی آپکو معاف کرے گا۔ گو میری اور میرے دادا کی تشفی نہ ہوگی۔۔۔۔۔ یہ میری رائے ہے آپ کی نسبت“

سر سید کی عظمت اور ملت دوستی کا ایک ثبوت اس سلسلہ میں آج کل یہ ملا ہے کہ جب سید محمود کی دماغی کیفیت سے سر سید کو اندیشہ پیدا ہوا تو انہوں نے مالی معاملات میں ان کے اختیارات محدود و محدود کر دینے کے لئے خود گورنمنٹ کو لکھوا یا۔ نواب انتصار جنگ ہی کو ایک خط میں اس مسئلہ کے بعد لکھتے ہیں۔ ”جب تک میرے دل میں کسی کی طرف سے رنج رہتا ہے تو میں اپنے دل کو کفر میں ڈوبا ہوا سمجھتا ہوں اور اس کا دور کرنا جلد یا دیر میں اپنے اختیار میں نہیں پاتا اور ہمیشہ اس کے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

انگلستان میں گردن مروڑی مرغی کھانے پر دوست خفا ہیں۔ مہدی علی کو لکھتے ہیں ”جن لفظوں میں میں نے غیر ذبح کی

ہوئی مرغی کھانے کا ذکر لکھا اور جس سے آپ کو الوسوس ہوا
 اُس کا عذر کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں ہاتھ جوڑ کر ہندوستانی نہ
 شرعی طور پر توبہ کرتا ہوں۔ الوسوس کے مجھے ایسے لفظ نہ لکھنے
 آئے جن سے آپ کو الوسوس نہ ہوتا۔ برائے خدا معاف کیجئے۔ جب
 میں وہ لفظ لکھ رہا تھا تم میرے دل میں اور میری آنکھوں کے
 سامنے تھے میں جانتا تھا تم ناپسند کرو گے۔ بھائی کیا تم یہ بات
 پسند کرتے ہو کہ میں برا کروں اور اُس کو اس لئے چھپاؤں کے
 لوگ برا نہ کہیں۔ ہم کو اپنے خدا سے معاملہ ہے جس کے
 ہاتھوں سے ایسے تنگ آئے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ جو
 کام کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے، جو بات کہتے ہیں سن لیتا ہے جو
 دل میں لاتے ہیں جان لیتا ہے، ایسا بیچھے پڑا ہے کہ نہ جہاز میں
 چھوڑے، نہ زمین پر چھوڑے، نہ رات کو الگ ہو، نہ دن کو الگ
 ہو، نہ غیر ذبح مرغی کھاتے وقت بیچھا چھوڑے۔ پس جب میں
 نے نہایت سچے دل اور درست اعتقاد سے ایسے دوست اور سچے رفیق
 خدا سے شرم نہ کی تو پھر بھائی مہدی سے کیا ڈر کرتا۔ میں اس
 کو قرآن مجید سے جائز سمجھتا ہوں نہ روایات شاذہ سے۔ بہر حال
 میں اس میں گفتگو نہیں کرتا، شاید میں غلطی پر ہوں، صرف
 معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔ والی مصر کے ساتھ بعض علماء مصر بھی
 تھے انگریزوں کے ساتھ بغیر ذبح کئے ہوئے جانور چٹ کرتے
 تھے۔“۔

ذاتی مخالفت

سرسید کی مخالفت کو ان کے بعض معاصروں نے سب سے
 بڑی نیکی اور گراں قدر توشہ آخرت سمجھا اور باقاعدہ انجمنیں بنا

ہذا کر اپنی تمام صلاحیتیں اُن کی مخالفت کے لئے وقف کر ڈالیں ۔
 مذہبی گروہ نے اُن کی تکفیر تک کا اہتمام کیا ۔ ساتھ علماء کے
 دستخط سے مزین ہو کر اُن کی تکفیر کا اہتمام جاری کیا گیا ۔
 لیکن سر سید ذاتی مخالفت سے نہ گھبراتے تھے ۔ سید نصرت علی
 کو ۱۸۷۳ء میں لکھتے ہیں :

” افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں نے مخالفت پر کمر باندھی
 ہے اُن کو میری نسبت مخالفت کرنی نہایت زیبا ہے کیونکہ میں
 اُس سے بھی زیادہ کے لائق ہوں ۔ جو وہ لکھتے ہیں الا قومی فائدے
 کے لئے جو کام اختیار کیا گیا ہے اُس میں ہرج ڈالنے سے اور اُس
 میں مغل ہونے سے کیا فائدہ ہے خود اپنے آپ بربادی کوئی ہے،“
 ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

” دشمنوں ، حاسدوں اور بد طہنتوں کا کچھ علاج نہیں ۔
 اگرچہ ایسی باتوں سے ملال ہوتا ہے جو بدقتضائے بشریت ہے مگر
 فی الفور رفع ہو جاتا ہے اور دل کو صرف دو خیالوں سے تسلی
 ہوتی ہے ۔ اول تو اس خیال سے کہ آج تک کوئی نیکی چاہنے والا
 ایسا نہیں ہوا جس کے مقابل میں کوئی نہ کوئی دشمن مخالف نہ
 کھڑا ہوا ہو ۔۔۔۔ پس میں تو اُن کی جوتیوں کے برابر نہیں ۔
 میری مخالفت پر کمر باندھنی کچھ بات نہیں ۔ دوسرے اس خیال
 سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جوں جوں مخالفوں نے نیکی کا مقابلہ
 کیا ووں ووں نیکی بڑھتی گئی ۔ پس اگر میرا کاروبار میری نیت سچی
 اور نیک ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس میں کچھ نقصان نہیں ہونے کا
 اور اگر وہ نیک نہیں ہے اور میں غلطی سے اُس کو نیکی خیال کرتا
 ہوں تو بلاشبہ ٹوٹ جائے اور مخالف جو ایسی صورت میں ضرور

ہے کہ نیکی پر ہوں گے کامیاب ہوں گے اور ایسی حالت میں مجھ کو آن کی کامیابی پر خوشی کرنی ہوگی نہ اپنی تدابیر کے ٹوٹنے اور اپنے دھوکے میں پڑے ہوئے کا رنج ۔“

برائی پر صبر کرنے میں اور اسے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور فی الواقعہ جب انسان دوستوں اور دشمنوں سے قسم قسم کی برائی دیکھتا اور اس پر صبر کرتا ہے تو خود اس کے نفس کا تزکیہ عمل میں آتا ہے ۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :

”میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر لوگ مجھ کو برا کہتے ہیں اگر خدا مجھے اس پر صبر کامل عطا کرے تو میرے لئے ایک نہایت عمدہ زاد راہ وہاں کے لئے ہاتھ آئے ۔ حج کریں حاجی صاحب ، حدیث پڑھیں مولوی صاحب اور سب کا نتیجہ ہم کو ملے ۔ اس سے زیادہ کیا خوب بات ہوگی ۔“

کلمہ الحق کے اعلان میں پیبائی

کلمہ الحق کے اعلان میں کسی مصلحت اندیشی کو دخل نہیں ہونا چاہیے ۔ وگرنہ رفع شر ممکن نہیں ۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب آروی کو لکھتے ہیں ”جو خیال آپ نے عنایت نامہ کے اسی فقرے میں ظاہر فرماتے ہیں اسی قسم کے خیالات ہیں جن سے بڑے بڑے عالم و واعظ خدا پرست دیندار کلمہ حق کے کہنے سے باز رہے مولانا اسماعیل شہید اگر اسی قسم کے خیالات میں مبتلا رہتے تو ہندوستان میں سے شرک و بدعت کی تاریکی کیسے دور ہوئی میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں ۔ ایک وہابی ۔ دوسرے وہابی اور کربلہ ۔ تیسرے وہابی

کریلہ اور نیم چڑھا ۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں اور بجز حق حق جو میرے نزدیک ہو ذرہ برابر دروغ نہیں کرتا اور سمجھتا ہوں کہ یہ اول سیڑھی اسلام کی ہے ۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قسم کے خیالات ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن کی زبان سے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض نکلتا ۔ اگر ہمارے دادا ہمارے ہادی محمد الرسول اللہ علیہ وسلم کو ایسے خیالات ہوتے تو امکان نہ تھا کہ ہزاروں دشمنوں کے ہوتے لا الہ الا اللہ کا کلمہ زبان پر لاتے ۔ ہمارا دشمن شیطان دینداری کے پردے میں ہم کو سب سے زیادہ دھوکے میں ڈالتا ہے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو نیک راہ بتا رہے ہیں اگر فلاں کلمۃ الحق کہیں تو سب بدک جائینگے اور جو نیکی ہم پھیلا رہے ہیں اُسے نقصان پہنچے گا ۔ یہ دینداری کے پردے میں شیطان کا دھوکہ دینا ہے ۔ حق بات کا چھپانا یا باز رکھنا اور اس سے نیکی پھیلانے کی توقع رکھنا ایسے ہی ہے جیسے جو بونا اور گیہوں ہونے کی امید رکھنا ۔“

یہی جذبہ مذہب میں اجتہاد کی ضرورت اور تقلید کی مذمت کا باعث بنا ۔ ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں :- ” بھائی جان منو . . . میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ چھوڑینگے اور خاص اس روشنی کو جو قرآن و احادیث صحیح سے حاصل ہوتی ہے نہ تلاش کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کریں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائیگا ۔ اسی خیر خواہی نے مجھ کو برانگیختہ کیا ہے جو ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور تقلید کی پروا نہیں کرتا ۔ ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لئے اور بہشت میں داخل ہونے کے

لئے ائمہ کبار تو درکنار مولوی حبو کی تقلید بھی کافی ہے
 لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہہ لینا ہی ایک ایسی طہارت ہے
 کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی ۔، ایک دوسرے خط میں لکھتے
 ہیں ” میں خدا کا ، اس کے رسول کا اور اس کے کلام کا دوست
 ہوں ۔ ملا مولویوں کا دوست نہیں ہوں ۔ جو مثل یہودیوں اور
 عیسائیوں کہ ان کو ارباباً من دون اللہ سمجھوں ۔،“

مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جس قدر نقصان اسلام کو
 تقلید نے پہنچایا ہے اتنا کسی چیز نے نہیں پہنچایا ۔ سچے اسلام
 کے حق میں تقلید سنکھیا ہے بھی زیادہ زہر قاتل ہے ۔ بلاشبہ ہم
 نے علماء کو مثل یہود و نصاریٰ کے ارباباً من دون اللہ سمجھ
 لیا ۔ ہے خدا اس گناہ سے سب مسلمانوں کو بچاوے ۔،“

سیاحت انگلستان کا اثر

نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں ” میں ہر گز
 آپ کو رائے نہیں دیتا کہ قرض ، کر کر آپ یہاں تشریف
 لائیں ۔۔۔۔ چھ مہینے سے زیادہ کے لئے آنا محض لغو اور حماقت
 ہے ۔ میرے حال پر خیال نہ کیجئے ۔ میرا حال جدا تھا اور چند
 خیالات مجھ کو تھے ۔“

یورپ دو آدمیوں کے کام کا ہے اول آن کے جو جوان ، نو عمر
 ہیں اور علوم و فنون جدیدہ کی تربیت چاہتے ہیں اور یورپ کی
 زبان سے واقف ہیں ، دوسرے آن لوگوں کے لئے جو صرف سیر
 کے خواہاں ہیں یا اپنے ملک اور اپنے ملک کے لوگوں کی ترقی
 میں کوشش کرنا چاہتے ہیں، سیاحت ۔ تقویت ایمان کا باعث ہو
 رہی ہے ۔ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں ” اصول ایمانیہ اسلامیہ بہر

جس قدر یقین یورپ کے آنے سے اور یہاں کے حالات اور علوم اور علماء کی رائے دریافت کرنے سے ہوتا ہے بلاشبہ نموداراً و ہسا یقین حج سے نہیں ہوتا،، عوام کی کوشش فلاح و خدمت وطن کو دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں ” دیکھ کر آدمی یقین کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں اگر بہت سے آدمی متوجہ ہوں اور علوم و فنون اور سولیزیشن پر کوشش کریں تو بلا اعانت گورنمنٹ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔،، ولایت میں جو کچھ ان کے مشاغل رہے وہ مکاتیب کے صفحات پر ثبت ہیں۔ کس کس کام کی انہیں وہاں فکر نہیں رہی اور زندگی کے کتنے ہی مراحل خیرہ انہوں نے انگلستان میں طے کئے۔

عملی کوشش کا آغاز

انگلستان سے روانگی سے قبل محسن الملک کو لکھتے ہیں : ” میرے ہندوستان پہنچنے سے پہلے آپ ایک ایسوسی ایشن خاص مسلمانوں کی بہتری و اصلاح کے لئے قائم کر رکھیں۔ اپنی طرف سے ایک التماس واسطے قنصل مجلس مذکور کے چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کریں اور معبر جمع کر کر ایسوسی ایشن بنا لیں۔ تاکہ مجھ بدنام کا نام اس میں نہ آنے پاوے اور کچھ کسی کو احتمال بھی نہ ہو کہ کچھ میری شرکت اس میں ہے۔ ایک مسودہ التماس کا جو آپ کی طرف سے تقسیم ہونا چاہئے سرسری طور پر لکھ کر بھیجتا ہوں اس کے بڑھنے سے میرے خیال آپ کو بخوبی روشن ہو جائینگے۔ آپ اس کو اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں بعد تغیر و تبدل جس طرح پر چاہیں مرتب کر کے چھاپیں۔،، یہ بھی تجویز ہو رہا ہے کہ ایسوسی ایشن اپنا ایک ماہوار رسالہ

نکالیگی۔ اس کے بعد دوسرے خط میں مسلمانوں کے لئے وہ کالج قائم ہو رہا ہے جسے ہائی کی حسن نیت سے دنیا علم اور عالم اسلام میں وہ قبولیت نصیب اور شہرت حاصل ہوئی کہ علی گڑھ کا نام چار دانگ عالم میں بلند ہو گیا۔ لکھتے ہیں:۔ ”اگر بالخصوص مسلمانوں کی تربیت کے لئے جداگانہ مدرسہ مقرر ہو جائے تو وہ ایک رحمت ہمارے لئے ہے۔ کوئی رات نہیں جاتی کہ اس مدرسہ کے فخر کی باتیں اور تجویزیں یہاں نہیں ہوتیں مگر بجز دس لاکھ روپیہ قدر ہوئے ممکن نہیں۔“ کالج قائم ہو چکا ہے۔ علی گڑھ کی چانگسل لو میں دن بھر بیٹھے تعمیرات کی نگرانی کر رہے ہیں۔ طلباء کو نام بنام پکار کر بلاتے ہیں۔ ان کا امتحان لینے اور شاہاش دینے اور غفلت پر ڈانٹتے ہیں۔ وقف علی الاولاد کا قانون بنوانے کے لئے کوشاں ہیں۔ چندہ جمع کر رہے ہیں۔ ایجوکیشنل کانفرانس قائم کی ہے سالانہ جلسوں میں جاتے اور دوستوں کو بلاتے ہیں۔ حکومت طلباء کی فیس بڑھانے کو کہتی ہے تو مسلمانوں کی ناداری کے پیش نظر حکومت سے اس فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کرتے ہیں۔ طلباء کی دینی تعلیم و تربیت کا جو کچھ اہتمام پیش نظر تھا طلباء کی مذہبی نگرانی اور تربیت کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیے۔

اردو ہندی کا جھگڑا

سر سید جو کام کرتے تھے ان کی پوری توجہ و قابلیت اس کی انجام دہی کے لئے وقف ہو جاتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے تمام کام حد جنوں تک پہنچے ہوئے ذاتی کی بدولت انجام پائے۔ انگلستان کا سفر اختیار کیا تو مدن

پہنچنے سے پہلے سب سے پہلا خط نواب محسن الملک کو سائنٹیفک سوسائٹی کے متعلق لکھا ۔

”مجھ کو علاوہ مفاہمت احباب کے یہ رنج بڑا ہے کہ میرے پیچھے لوگ عقل کے دشمن سائنٹیفک سوسائٹی کو باقی نہ رکھینگے ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سوسائٹی کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس کو سنبھالنے اور ممبروں کے بڑھانے میں زیادہ کوشش فرماویں ۔“

دو قوسی نظریہ یا پاکستان کا تصور

اپریل ۱۸۷۰ء کو لندن سے لکھتے ہیں :- ”ایک اور خبر مجھے ملی ہے جس سے مجھ کو کمال رنج اور فکر ہوا ہے کہ بابو شیو پرشاد صاحب کی تحریک سے عموماً ہندو لوگوں کے دل میں جوش آیا ہے کہ زبان اردو خط فارسی کو جو مسلمانوں کی نشانی ہے مٹا دیا جائے ۔۔۔ انہوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کے ہندو ممبروں سے تحریک کی ہے کہ بجائے اخبار اردو کے ہندی میں ہو تو ترجمہ کتب بھی ہندی میں ہو ۔ یہ ایک ایسی تدبیر ہے کہ ہندو مسلمانوں میں کسی طرح اتفاق نہیں رہ سکتا ۔ مسلمان ہرگز ہندی پر متفق نہ ہونگے اور ترجمہ اس کا یہ ہو گا کہ ہندو علیحدہ مسلمان علیحدہ ہو جائینگے یہاں تک تو کچھ اندیشہ نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ہو کر اپنا کاروبار کرینگے تو مسلمانوں کو زیادہ فائدہ ہو گا اور ہندو نقصان میں رہینگے ۔ اس میں صرف دو امر کا خیال ہے ۔ ایک خاص اپنی طبیعت کے سبب کہ میں کل اہل ہند (کیا ہندو کیا مسلمان) کی بھلائی چاہتا ہوں ۔ دوسرے بڑا خوف

اس بات کا ہے کہ مسلمانوں پر نہایت بد اقبالی اور ادھار چھایا ہے وہ جھوٹے اور لغو تعصب میں مبتلا ہیں اور وہ مطلق اپنے نقصان کو نہیں سمجھتے۔ اس پر حسد اور کینہ ان میں بارہا بہ نسبت ہندوؤں کے اور جھوٹی شیعہ زیادہ ہے اور کسی قدر مفلس بھی ہیں ان وجوہات سے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہونے کے جو اپنی بھلائی کے لئے کچھ کر سکیں، کیا اس جذبہ و اعلان میں دو قومی نظریہ تقسیم یا قیام پاکستان کی جھلک نظر نہیں آ رہی۔

اسی سلسلہ میں دوسری واضح تر شہادت سن لیجئے سرسید فرماتے ہیں ”آئیں دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شکسپیر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہیگا وہ دیکھے گا۔ انہوں نے کہا اگر آپ کی پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی نہایت افسوس ہے۔ مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔ یہ خیالات سرسید نے ۱۸۶۷ء میں بنارس میں ظاہر فرمائے جب بنارس کے سربراہوردہ ہندوؤں نے اردو کو اس کے فارسی

رسم الخط کے ساتھ ترک کر دینے اور بھاشا کو دیونا گری میں جاری کرنے کی تحریک کا اعلان کیا ۔

مسلمانوں کی تاریخ کی قالیف کی ضرورت

”انگریزوں نے مسلمانوں بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی تاریخیں نہایت نا انصافی اور تعصب سے لکھی ہیں ۔ اور کوئی برائی نہیں جو مسلمانوں کی طرف منسوب نہ کی ہو ۔ ہماری قوم کے جوان لڑکے انگریزی میں اپنی تاریخوں کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں جس سے بڑا نقص پیدا ہوتا ہے اور جو بات کہ ازراہ نا انصافی اور تعصب کے مسلمانوں کی نسبت لکھی گئی ہے اور اس کو وہ سچ اور واقعی سمجھتے ہیں ۔ اس لئے ایسی قسم کی انگریزی کتابوں کا پیدا ہونا جن میں مسلمانوں کا حال نہایت سچائی اور انصاف سے لکھا گیا ہو نہایت مفید بلکہ نہایت ضروری ہے ۔“ ایک انگریز عالم سے فتح اندلس اور حروب صلیبیہ پر اسی قسم کی بے لاگ کتابیں لکھوانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے خاص الخاص دوستوں سے چندے کے طالب ہیں ۔ ولایت میں ڈیون ہوٹ نے حمایت اسلام میں ایک کتاب لکھی ہے :- ”چونکہ یہ کتاب بالکل انگریزوں کے مخالف تھی اس کا چھاپہ ہونا اور فروخت ہونا مشکل تھا ۔ میں نے کئی لاگت چھاپہ کی دینی قبول کی ہے ۔“

ذوق شعر و ادب

مولوی محمد حسین آزاد کو ۱۸۸۳ء میں لکھتے ہیں :- ”مشوی خواب اس، ملی - بہت دل خوش ہوا - در حقیقت شاعری اور زور سخنوری کی داد دی ہے - اب بھی اس میں خیالی باتیں بہت ہیں - اپنے کلام کو اور زیادہ نیچر کی طرف مائل کرو - جس قدر کلام نیچر کی طرف مائل ہو گا اتنا ہی مزہ دہکا - انگریزی شاعروں کے خیالات لے کر اردو زبان میں ادا کئے جائیں - بعد رمضان انشا اللہ ایک طویل مضمون اس باب میں لکھوں گا“ ایک اچھی چیز کی داد دے رہے ہیں - ایک اچھا راستہ دکھا رہے ہیں لیکن مکتوب الہ کی لغزش پر نظر ہے - حرارت دہنی کے تقاضے سے اسی خط میں لکھ رہے ہیں :- ”اس بات کے کہنے سے مجھے معاف کیجئے کہ یہ خیال آپ کا کہ ”قرآن میں کوئی مضمون علمی نہیں خالص فصاحت اس کا معجزہ ہے“ درست نہیں - قرآن علم و نیچر اور فصاحت سب سے معمور ہے اور مجموع من حیث المجموع معجزہ ہے۔“

سر سید کا ذوق شعر نہایت بلند تھا ایک ہی حوالے پر اکتفا کروں گا - شعر کا ہر محل استعمال ملاحظہ فرمائیے - نواب محسن الملک شکستہ رقم تھے - پڑھنے میں دقت پیش آتی تھی اور متعدد مرتبہ ان کے خط کے مطالعہ کی ضرورت لاحق ہونی تھی - لندن میں ان کا خط ملا تو لکھتے ہیں : ”یہ بے تصنع آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کی شکستہ رقم نے اور بھی زیادہ لطف دیا - دو تین دفعہ پڑھنا پڑا - ایک دفعہ کے پڑھنے میں جو لفظ

وہ گیا تھا دوسری دفعہ میں نکلا اور بہت زیادہ مرزہ دیا - اسی وقت میرے دل میں مرزا مرحوم کا یہ شعر گذرا

زلکنت می تند نبض رگ لعل گہر بارش
شہید انتظار جلوہ خویش است گفتار

مرزا مرحوم کا یہ شعر جس طرح دنیائے شعر میں یقیناً لاثانی ہے اسی طرح اس کا محل استعمال ہلا شہ نادر و لاجواب اور سرسید کے ذوق ادب کا ایک اچھوتا ثبوت ہے -

مسدس حالی تحفہ آخرت ہے

مولانا حالی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (مسدس) بھیجی - فوراً پڑھنا شروع کی اور ختم کر کے آئیے - لکھتے ہیں :-
”نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے - ہرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے آڑایا ہے یا ادا کیا ہے میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں - اگر ہرانی شاعری کی کچھ ہو اس میں ہائی جاتی ہے تو صرف انہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے - بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سمجھتا ہوں کہ جب خدا ہوچھے گا کہ تو کیا لایا - میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں - خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے - مسجودوں کے اماموں کو چاہئے کہ نمازوں اور خطبوں میں اس کے بند پڑھا کریں۔“

خود سرسید نے اپنے بے شمار رسالے لکھے - اخبار اور رسالے نکلے - ”آثار الضادید“ جیسی بے نظیر کتاب لکھی جس کا ترجمہ

فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ہوا۔ تفسیر لکھی۔ خطبات احمدیہ، لکھی۔ ابتدا میں خطوط فارسی میں لکھتے تھے۔ جب ہوش سنبھالا تصنیف کا قلم اٹھایا اور بلاشبہ ہزاروں صفحات پر اپنی اس یادگیری اپنے ہاتھ سے لکھ کر چھوڑ گئے۔ وہ لکھتے رہے۔ جواہر ریزیاں اور گلبارہاں کرتے رہے تا آنکہ موت کے فرشتے نے قلم ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اردو نثر میں وہ اپنی طرز کے خود موجد تھے۔ میں علی گڑھ میں دوستوں سے کہا کرتا تھا کہ سرسید تنہا دوسری اہم اور مسلسل مصروفیات کے باوجود تصنیف کے میدان میں اتنا کام کر گئے ہیں کہ پوری یونیورسٹی آج تک انجام نہیں دے سکی۔

طلباء کی مذہبی نگرانی اور تربیت

طلباء کی مذہبی نگرانی اور تعلیم و تربیت کے لئے ایک عالم کی تلاش ہے۔ اس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ اس سے کیا فرائض متعلق ہوں گے۔ اسے کس طرح اور کیا کیا تعلیم دینی ہوگی۔ سرسید کے مکتوب بنام حافظ احمد سعید صاحب میں ملاحظہ فرمائیے۔

”ان کا اصلی مقصد اور ان کی سچی نیت خالصاً اللہ یہ ہو کہ مدرسۃ العلوم ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں کثرت سے نوجوان مسلمان جمع ہیں۔ ان میں نیکی اور اخلاق بھری اور محبت اسلامی اور پابندی فرائض مذہبی کو پھیلانا اور ان کے دلوں کو نرمی اور اخلاق نہ کہ تشدد اور سختی اور تعصب اور اٹھانے سے نیکی کی طرف مائل کرنا ایک مذہبی اور نواب کا کام ہے۔ ہزاروں جاہلوں کے مجمع میں وعظ کہہ دینے سے ایسے لوگوں میں جواہر

زمانے کے علوم کی تعلیم میں مصروف ہیں ان نوجوان میں نیکی اور اخلاق چھدی کا پھیلاؤ اور فرائض مذہبی کی طرف مائل کرنا ہزار درجہ بہتر ہے اور اسلام اور قوم کے لئے زیادہ مفید ہے۔“ دیکھئے عہد حاضر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دینی تعلیم و تربیت کو سرسید مرحوم قوم اور اسلام کے لئے کسی درجہ ضروری سمجھتے تھے۔

نگران کے فرائض علاوہ انتظام نماز یا جماعت حسب ذیل قرار دئیے :-

” دوسرے یہ کہ کبھی کبھی جمعہ کی یا اور کسی نماز کے بعد بطور وعظ کے طالب علموں کو کسی قدر نصیحت کر دیا کریں۔ کالج کے طالب علم خود تعلیم یافتہ ہیں اور متعدد قسم کے علوم سے واقفیت رکھتے ہیں ان کے لئے زیادہ تر یہ مفید ہو گا کہ اخلاق و عادات محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرام اور دیگر بزرگان دین کی نیکیوں اور اخلاق اور خدا پرستی اور خدا کی محبت اور احکام مذہبی کے خلوص سے ادا کرنے کا۔ والدین اور استاد کے ادب اور آپس میں مسلمانوں کی ہمدردی، عقائد مذہب اسلام کی خوبی اور سادگی، وحدانیت خدا کی عظمت و شان، قرآن مجید کی خوبی اور جناب رسالتناہ کی ہدایات کی خوبی اور برتری سے وقتاً فوقتاً ان کو آگاہ کیا جائے جس سے طالب علموں کے دلوں میں نیکی پیدا ہو اور ان کے دل سچائی اور باہمی محبت اسلامی اور نیکی کی طرف مائل ہوں۔“ سرسید نے اسلامیات کا پورا نصاب اور اس کی لحاظ سے کسی درجہ بلاتحت سے بیان فرما دی ہے۔ معاویہ اس زمانے میں ساٹھ روپے پیش کیا اور سو تک بڑھا دینے کا وعدہ فرمایا۔

سر سید احمد خان کے حالات زندگی

سر سید کے خطوط پر تبصرہ لکھ چکنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ مسلمانان متحدہ ہند کے اس محسن اعظم کے حالات زندگی کم از کم سر سری طور پر بتا دینے سے دریغ نہ کرنا چاہئے چنانچہ - یہ چند سطور اسی جذبہ و ضرورت کے ماتحت لکھی گئی ہیں -

سید احمد خان ۱۸۱۷ء میں دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے دھندھال اور نشیال دونوں دینی عزت اور دینی حرارت سے مالا مال تھے - بچپن میں فارسی عربی پڑھی - ہیئت اور ریاضی میں درک پیدا کیا - دہلی میں معمولی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور وہیں منصفی کا امتحان پاس کیا اور ایک مدت تک دہلی ہی میں اس منصب پر فائز رہے - ۱۸۵۵ء میں بجنور کی سب ججی برکتنے اور سرکاری طور پر ضلع کی تاریخ مرتب کی جو ایام غدر میں تلف ہو گئی - غدر کے بعد مراد آباد میں حاکم عدالت ضلع مقرر ہوئے - وہیں ہی اپنا رسالہ "اسباب بغاوت" مرتب کیا جسے ۱۹۵۷ء میں پاکستان اور ہندوستان میں دوبارہ طبع کیا گیا ہے -

غدر میں سید احمد خان اور ان کے خاندان پر بہت بڑی ہتھ پڑی، جانی و مالی نقصان ہوا - کچھ دیر وہ مسلمانوں کی تباہی پر خون کے آنسوؤں روتے رہے لیکن انہیں نظر آیا کہ انگریز کا انتقام اور تدبیر دونوں مسلمانوں کے مٹانے اور ہندوؤں کے بڑھانے پر تلے ہوئے ہیں - انگریز کو اس کوشش سے روکنا اور مسلمان کو مزید بربادی سے بچانا اشد لازمی ہے - ۱۸۶۰ء میں انہوں نے

ایک کتاب کا مواد جمع کرنا شروع کیا جس میں یہ بتانا تھا کہ مسلمانوں کی قوم کو غدر کا ہانی مہانی قرار دے کر برباد کرنا نہیں چاہئے۔ انہوں نے ایک قوم کی حیثیت سے غدر کی بربادیوں میں حکومت برطانیہ سے وفاداری سے گریز نہیں کہا۔ اس کتاب کے ۲۷۲ صفحات شائع ہوئے لیکن وسائل کی قلت کی بنا پر یہ کام جیسا سید صاحب چاہتے تھے انجام نہ پاسکا۔ لیکن سید صاحب انگریزوں کی مسلمانوں کے خلاف انتقامی کاروائیوں کی آتش غضب کو مختلف طریقوں سے فرو کرنے میں مشغول رہے۔ غازی پور میں ۱۸۶۴ء میں سوسائٹیک سوسائٹی، قائم کی اور مغربی علوم کو اردو میں ڈھالنے کا ڈول ڈالا گیا۔ گویا ۲۵ سال بعد قائم ہونے والی عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ انگریزی کتابوں کے تراجم شروع ہوئے، سید صاحب نے اپنا ذاتی پریس مالتی آٹھ ہزار روپیہ سوسائٹی کی نذر کر دیا۔ سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک اخبار جاری ہوا جس کی گرسی ادارت کو سید صاحب نے زینت بخشی۔ اُن کی زندگی میں یہ اخبار جس کا نام بعد میں "انسٹیٹیوٹ گزٹ" قرار پایا نہیں برس باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور ہر طرح قابل احترام گردانا گیا۔ سید صاحب نے ایک اور انجین "پرنٹس انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی اور انگریزوں کو ہندوستان کی سیاسی اور تعلیمی ترقی کی طرف متوجہ کر رہے۔ یہاں تک کہ ایک ورنیکولر یونیورسٹی کی تجویز بھی پیش کر دی۔

لیکن سید صاحب نے جلد دیکھ لیا کہ انگریز اپنی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر رہا ہے اور انگریزی تعلیم کی اشاعت پر راعب ہے۔ ہندوؤں کو تھکما دے رہا ہے اور مسلمانوں کے دھول

پر دعویٰ جمائے جا رہا ہے اور انہیں ہر لحاظ سے کنگال کر دینے پر تلا بیٹھا ہے۔ سلطنت اس کے ہاتھ سے چھینی نہیں جا سکتی۔ اس لئے مسلمانوں کو زندگی کی دوڑ میں حصہ لینے کے لئے تعلیم جدید سے آراستہ کرنے کے سوا کچھ چارہ نہیں ۱۸۶۷ء میں سید صاحب بنارس میں تعینات ہوئے۔ ۱۸۶۹ء میں حلیہ و محمود کو لے کر انگلستان چلے گئے۔ وہاں جو کچھ دیکھا تعلیمی اعتبار سے اسے مسلمانوں میں ہندوستان واپس آن کر رائج کرنے کا ولولہ تیز تر اور شدید تر ہوتا گیا۔ واپسی پر علوم جدیدہ کی ایک اسلامی درس گاہ کا خاکہ تیار ہوا۔ سرمایہ جمع کرنے کے لئے دوڑ بھاگ شروع ہوئی۔ ۱۸۷۵ء میں ایک مدرسہ بھی علی گڑھ میں قائم ہوا۔ ۱۸۷۶ء میں سید صاحب ہنشن باب ہو کر آئے اور علی گڑھ کے شور زار میں اپنے قدوم ہمت و محنت لزوم سے ایک سدا بہار چمن اسلام کی طرح ڈالی۔ ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن نے کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور علی گڑھ کی جان گداز گرمی اور روح فرسا لوڑں میں سارا سارا دن گزار کر وہ عمارتیں کھڑی کر دیں آج جن کی اینٹ اینٹ سے مسلمانان عالم کو بے پناہ عقیدت ہے۔ سر سید اپنے کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کا ارادہ رکھتے تھے جو ان کے حسن نیت کے صدقہ میں ان کی زندگی کے بعد پورا ہو گیا اور جس سے عالم اسلام کے کتنے ہی فدائی و شہدائی اور جان نثار پیدا ہوئے۔

سر سید ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو فوت ہوئے اور احاطہ کالج ہی میں مسجد کے پاس دفن ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ان کی دلسوزیوں اور سرگرمیوں کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو ایسے ہی بالغ نظر اور جانباز رہنما و خادم عطا

کرتا رہے۔ ہندوستان کا علی گڑھ اپنی تمام محبوسوں کے ساتھ
 زندہ و قائم رہے اور پاکستان کے گوشہ گوشہ سے نئے علی گڑھ
 پوری توانائی و قربانی سے ابھرنے اور اسلام و عالم اسلام کے
 لئے وجہ قوت و افتخار بنتے رہیں۔ اس دعا از من و از جملة جہاں
 آمین باد۔

تصانیف سر سید

(۱) تراجم

(۱) 'کیمیائے سعادت' کا ایک حصہ

(۲) 'تحفہ اثنا عشریہ' کے بعض ابواب

(۳) جر ثقیل پر ایک قدیم رسالہ

(۴) مذہبی رسائل جو ابتدا میں لکھے

(۵) 'لیلقہ' تصور شیخ کے متعلق ایک رسالہ۔

(۶) 'طبیعی سنت اور بدعت'

(۷) 'کلمۃ الحق' پیری مریدی کے رسوم کی اصلاح میں

لکھا گیا

(۸) 'جلال القلوب بہ ذکر المحبوب'۔ میلاد نامہ ہے جس

میں معراج، معجزات اور رسول اکرم کی رحلت سے

متعلق بے اصل اور فرضی تصویروں کی تردید کی گئی ہے اور

روایات جمع کی گئی ہیں

(۹) حرکت زمین

(۱۰) حلت طعام اہل کتاب

(۹) ابطال غلامی

(۱۰) ایک رسالہ 'قول المتین در ابطال حرکت زمین' لکھا بعد میں اپنی رائے بدل لی تو 'تہذیب اخلاق' میں خود اس کی تردید کی ۔

قصایف

(۱۱) 'آثار الصنادید' - سر سید کو ہندوستان میں عہد اسلامیہ کا خاتمہ نظر آ رہا تھا لیکن عہد اسلامی کی عمارات ایسی شاندار یادگاریں تھیں کہ ان کے حالات کو دستبرد زمانہ سے بچا لینا ضروری تھا ۔ ان میں سے کچھ گر گر کر کھنڈر ہو رہی تھیں باقیوں کا کھنڈر بن جانا یقینی تھا ۔ سر سید نے حیرت انگیز محنت ۔ اپنی حیثیت سے بڑا کر لاکھت اور علمی تفتیش و تحقیق کی بدولت پہلوں کے ان آثار کو ہمیشہ کی زندگی بخش دی۔ اس کتاب کے دو ایڈیشن سر سید کی زندگی میں شائع ہوئے ۔ انگریزی اور فرانسیسی میں ان کے تراجم ہوئے۔ اسی کتاب میں دہلی کے مشاہیر کے حالات بھی تحریر ہیں ۔ اول مرتبہ یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی ۔

(۲۱) 'آئین اکبری' - سر سید نے بڑی جانفشانی سے اس کتاب میں جو اغلاط شامل ہو گئی تھیں ان کی تصحیح کی ۔ اصل مصنف کی فروگزاشتوں کو رفع کیا ۔ عہد اکبری کی مصطلحات کا مفہوم واضح کیا ۔ اصل میں غیر زبانوں کے غیر مانوس الفاظ کے معانی بیان

کئے۔ آئین اکبری میں جن وزنوں اور پیمانوں کا ذکر تھا اور جنہیں کوئی نہ سمجھتا تھا اُن کی کیفیت اپنے زمانہ کے مروجہ تقوّد و اوزان میں سمجھا دی۔ عمد اکبری کے سکوں کے دونوں رخوں کی تصاویر اور عبارات شامل کر دیں۔ غرض قسم قسم کے مفید حواشی سے کتاب میں گویا جان ڈال دی۔ 'آئین اکبری' کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا لیکن سرسید کی تصحیح کے ساتھ جو ایڈیشن شائع ہوا اس کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا ایک نیا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔

(۱۲) 'تصحیح تاریخ فیروز شاہی، یہ کتاب بھی 'آئین اکبری' کی سی خصوصیات کے ساتھ تیار ہوئی اور ایشیاٹک سوسائٹی ہنگال نے اسے شائع کیا۔

(۱۳) 'اسباب بغاوت ہند، یہ رسالہ غدر کے اسباب میں اس وقت لکھا جب اس کا لکھنا اور شائع کرنا گویا جان پر کھیل جانا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں یہ رسالہ تحریک آزادی ہند کے سوسالہ جشن پر پاکستان میں دوبارہ شائع ہوا۔

(۱۴) 'تاریخ سرکشی بجنور، مسودہ تیار ہوا، اشاعت کی نوبت نہیں آئی اور مسودہ ضائع ہو چکا ہے۔

(۱۵) 'تفسیر انجیل، یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی لیکن سرسید کی علمی و مذہبی کاوشوں کا ایک نادر مرقع ہے۔

(۱۷) 'خطبات احمدیہ' - معترضین اسلام کے اعتراضات کے معقول و منقول جوابات اس کتاب میں انگلستان میں بیٹھ کر لکھے - دنیا بھر میں اس کتاب کی عزت و عظمت اور سر سید کی خدمت علمی و اسلامی کا اعتراف ہوا - سر ولیم میٹور نے 'لائیف آف محمد' کے اعتراضات کے مدلل جوابات پڑھے تو کہا "میں نے سید احمد کے اسلام پر نہیں بلکہ اس مذہب پر اعتراض کئے تھے جس کو دنیا کے مسلمان مانتے چلے آئے ہیں"۔

(۱۸) 'سفر نامہ انگلستان' اور 'سفر نامہ پنجاب' میں سر سید نے 'اردو' زبان میں سفر نامے لکھنے کی طرح ڈالی۔

(۱۹) 'تفسیر القرآن' یہ تفسیر سولہ پاروں تک ہے - مکمل نہ ہو سکی - یہ بجائے خود ایک عظیم الشان کوشش تھی -

'التحریر فی اصول التفسیر' تفسیر کے موضوع پر ایک قابل قدر رسالہ ہے -

(۲۰) اخبار و رسائل - سر سید نے نہایت چھوٹی عمر میں اپنے ہاں 'سید الاخبار' کی ادارت شروع کی - علی گڑھ میں پہنچ کر انہوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا - بعد میں 'علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ' شروع ہوا اور دونوں کے ہزارہا صفحات سر سید کی قلم کاریوں سے منور ہیں - جن میں سے ہر ایک متعدد کتابوں کی حیثیت رکھتا ہے اور آج جن پر علیحدہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں -

زفدہ دارد سردرا آثار سرد

انتخاب خطوط سر سید،

سر سید احمد خان کے مکاتیب کا مجموعہ خطوط سر سید کے نام سے اُن کی وفات کے ہجیس سال بعد ۱۹۲۲ء میں اُن کے نامور ہوتے سید راس مسعود مرحوم نے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں ۲۴۶ خطوط ہیں جو سر سید نے اپنے رفقا کے نام لکھے اور جن میں مسلمانوں کی ہر قسم کی قومی ضروریات اور اُن کی تکمیل کے طریقوں اور تدبیروں سے بحث کی گئی ہے خطوط سر سید میں مولوی عبداللہ جان صاحب وکیل سہارن پور کے قلم سے ایک مبسوط و مرصع مقدمہ شامل ہے۔

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی کے فام

مکتوب الیہ کا تعارف

باقر علی خان داستان گو کے نامور فرزند دلی میں ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ پدر کے ستائے وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور پورے پھرتے ۱۸۶۳ء میں لاہور پہنچے۔ محکمہ تعلیم پنجاب میں ایک معمولی آسامی پر مقرر ہوئے اور گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری تک کو زینت بخشی۔ شمس العلماء کا خطاب پایا۔ دو مرتبہ ایران کا سفر کیا۔ اردو فارسی سے فطری ذوق و شغف تھا۔ ان کی تصانیف اردو زبان کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ اردو فارسی کی ابتدائی درسی کتابوں کے علاوہ 'آہیات'، 'نیرنگ خیال'، 'سخندان پارس'، 'نقد پارسی'، 'نصیحت کا کرن پھول'، 'سپاک و نماک'، 'جانورستان'، 'قصص ہند' اور 'دربار اکبری'۔ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ آزاد کی زبان سادہ۔ شگفتہ اور حد درجہ دلنشیں ہے۔ جس بیساختگی سے لکھی گئی اسی بیساختگی سے دل میں اتونی اور پردہ ذہن پر نقش ہوتی چلی جاتی ہے۔ اردو کی پہلی دوسری کتابوں کو لکھے ستر سال ہو چکے ہونکے لیکن جن لوگوں نے انہیں بچپن میں پڑھا ہے آج بڑھاپے میں اپنے ذہن میں ان کی عبارتیں محفوظ ہاتھ اور انہیں دوسروں کو سنا سنا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آزاد کی ان بنیادی کتابوں کی بدولت پنجاب نے اردو کے کتنے ہی زبان دان اور قدردان پیدا کئے۔ اگرچہ ان ابتدائی درسی کتابوں کے مضامین اب زائد المعیاد ہو چکے ہیں لیکن ذوق ادب کی تربیت اور صحت و لطافت زبان کے اعتبار سے ان سے بہتر کوئی نسخہ ہاتھ نہیں آسکا۔ مولانا شبلی نے آزاد

کی وفات پر ”آج خدائے اردو مر گیا“ کہہ کر ان کی قضیات کا اعتراف فرمایا۔

مولانا نے بچوں کے لئے اردو میں اچھی اچھی نغمیں بھی لکھیں اور پرانی طرز کی بے سود گل و ہلال کی شاعری کو غیر ہاد کہہ کر اس شاعری کی بنا ڈالی جو زندگی کی حقیقتوں اور مسائل سے فریب تر ہے۔

سرسید سے مولانا آزاد کے خاص مراسم تھے۔ ۱۸۸۹ء میں کچھ محنت دماغی کی شدت سے کچھ خانگی صدمات کی تاب نہ لا کر دماغی توازن کھو بیٹھے، جسے قابل بیٹے نے مجذوبیت کا رنگ قرار دیا۔

تین چار سال گزرے ایک واقف حال نے علی گڑھ کے ایک اخبار میں لکھا تھا کہ ایک مرتبہ اسی عالم از خود رفتگی میں یا پیادہ، پاؤں زخمی۔ کھڑے پھٹے، خستہ حال دوپہر کو سرسید کی کوٹھی پر علی گڑھ پہنچے۔ سرسید دیکھ کر نہایت متاسف اور دل گرفتہ ہوئے۔ ان کی ہر طرح دلجوئی کی۔ لیکن مولانا آزاد دیر تک سرسید کو اپنا مناظرہ فارسی زبان میں سناتے رہے جو انہوں نے عالم خواب میں ابوالفضل سے کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد نے زبان کے اینٹ گروے اور فلم کی کرنی کانڈی سے اردو زبان میں کتنے ہی لا زوال تاج محل کھڑے کر دیئے ہیں جنوری ۱۹۱۰ء میں مولانا محمد حسین آزاد اس جہاں فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

(۱)

مولوی صاحب عزیز و شفیق و مکرّم من سلامت ۔ بعد
سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہونچا
حالات مندرجہ سے اطلاع ہوئی ۔ السوس صد السوس کہ کبھی
مسلمانوں میں باہم اتفاق نہ ہوا شعر و سخن پر رد و قدح دوسری
چیز ہے الا آپس کا نفاق دوسری چیز ہے ۔ میری نہایت قدیم
تعا اس مجلس مشاعرہ سے بر آئی ہے ۔ میں مدت سے چاہتا تھا
کہ ہمارے شعرا نیچر کے حالات کے بیان پر متوجہ ہوں ۔ آپ
کی مثنوی ”جواب امن“ پہونچی بہت دل خوش ہوا ۔ درحقیقت
شاعری اور زور سخنوری کی داد دی ہے ۔ اب بھی اس میں خیالی
باتیں بہت ہیں ۔ اپنے کلام کو اور زیادہ نیچر کی طرف مائل
کرو ۔ جس قدر کلام نیچر کی طرف مائل ہوگا اتنا ہی مزہ
دے گا ۔ اب لوگوں کے طعنوں سے مت ڈرو ۔ ضرور ہے کہ انگریزی
شاعروں کے خیالات لیکر اردو زبان میں ادا کئے جاویں ۔ یہ کام ہی
ایسا مشکل ہے کہ کوئی کر تو دے ۔ ابھی تک ہم میں خیالات
نیچر کے ہیں ہی نہیں ہم بیان کیا کر سکتے ہیں ۔ بعد رمضان
انشاء اللہ تعالیٰ ایک مضمون طویل اس باب میں لکھوں گا ۔ ان دنوں
میں بسبب صوم کچھ کام نہیں ہو سکتا ۔ آپ کی آکر اور کوئی
مثنوی اس کے علاوہ چھپی ہو تو عنایت فرمائیے والسلام ۔

پنجابی اخبار میں جو آپ کے اشعار پر رد و قدح تحریر
ہوتی ہے کون صاحب اس کو لکھتے ہیں ؟ اس بات کے کہنے
سے مجھے معاف ۔ کہنے کہ یہ خیال آپ کا کہ ”قرآن میں کوئی

مضمون علمی نہیں خالص فصاحت اس کا معجزہ ہے، درست نہیں ہے۔ قرآن علم و ہجر اور فصاحت سب سے معمور ہے اور مجموعہ من حیث المجموع معجزہ ہے۔ فقط

خاکسار

سید احمد از بنارس ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء

محسن الملک نواب سہدی علی کے فام

مکتوب الیہ کا تعارف

۱۸۳۷ء میں اثاوتھ میں پیدا ہوئے۔ دس روپہ ماہوار کی منشی گیری پر سرکاری ملازمت شروع کی۔ قابلیت کی بنا پر ترقی کرتے کرتے تحصیلداری تک پہنچے۔ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان مقابلہ میں بیٹھے تو صوبہ بھر میں اول آئے۔ ۱۸۷۳ء میں سالار جنگ اول کی طلبی پر حیدرآباد میں ملاہات کے انسپکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ حیدرآباد میں محکمہ بندوبست میں مفید اصلاحیں نافذ کیں۔ فارسی کے بجائے اردو کو سرکاری زبان قرار دیا۔ ریاست کی طرف سے اہم مشن پر انگلستان گئے اور برطانیہ کے وزیر اعظم کلیڈ اسٹون سے ملاقات کی اور اپنی سیاست اور قابلیت کا لوہا منوا لیا۔ حیدرآباد سے محسن الدولہ محسن الملک، منیر نواز جنگ کا خطاب پایا۔ اختتام ملازمت پر علی گڑھ میں مقیم ہو گئے۔

سر سید کے مخلص اور باوقار دوستوں میں سے تھے۔ حالی مرحوم نے ان کے متعلق لکھا ہے۔ ”یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سر سید کو سمجھا، ان کی سچائی کو پرکھا، ان کے شعریوں کی تہاء دریافت کی اور ان کے مقاصد کی عظمت کا اندازہ

کیا۔ اُن کا اس وقت ساتھ دیا جب کوئی ساتھی نہ تھا اور اس وقت مدد دی جب کسی سے مدد کی امید نہ تھی۔“

سہدی علیؒ ’ تہذیب الاخلاق‘ میں سرسید کی ہر زور قائم کرتے رہے اور اس طرح کفر کے فتوؤں کا رخ جن کا ہدف سرسید ہی تھے اپنی طرف پھیر لیا۔ محسن الملک کو سرسید کا خلیفہ اول کہا جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ سرسید کی وفات پر گونا گوں اسباب کی بنا پر علی گڑھ کی گویا بنیادیں ہی متزلزل ہو گئی تھیں۔ نواب محسن الملک کے تدبیر کی بدولت کالج کے دشمن دوست بن گئے، طلباء کی تعداد بڑھ گئی۔ آمدنی تقریباً دو چند ہو گئی اور یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ تازہ ہی نہ ہوا بلکہ اس کے لئے کئی لاکھ روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ اردو ہندی کے جھگڑے میں محسن الملک نے خوب زور دکھایا اور مسلمانان ہند کے حقوق کی محافظت میں مسلم لیگ کے قیام میں قائدانہ حصہ لیا۔ سرسید سے اُن کے دلی مراسم کا اندازہ اُن محبت ناموں سے ہو سکتا ہے جو سرسید انہیں لکھتے رہے۔ محسن الملک ۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے اور احاطہ کالج میں دفن ہوئے۔ اُن کا شمار سرسید کے بعد علی گڑھ لہذا مسلمانان ہند کے اول درجہ کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

(۲)

جناب مخدوم و مکرم۔ محب من سلامت۔ بعد سلام مستون الاسلام اس کہ آیکا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہنچا۔ جس قدر خوشی مجھ کو آپ کے عنایت نامہ پہنچنے سے ہوئی ہے بیان نہیں کر سکتا۔ یہ مقولہ کہ ”الخط نصف الملاقات“ غلط بلکہ پوری ملاقات کا لطف ہوتا ہے۔ مفارقت میں اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

میں برابر اپنے حالات لکھ کر بھیجتا رہتا ہوں۔ اخبار میں چھپنے دیجئے۔ بعد معاودت انشاء اللہ نظر ثانی کر کر رسالہ سفر مرتب کر کر چھاپوں گا۔ میں حتی المقدور نہایت مفصل حالات لکھتا ہوں۔ اور جو جو مراتب آپ نے لکھے ہیں وہ آخر کو بالتفصیل لکھوں گا۔ بعد آنے کے معلوم ہوا کہ سفر چنداں سخت نہیں ہے۔ نہایت آرام کا سہل ہے اور کوئی چیز مذہبی ایسی نہیں ہے کہ مسلمان اس کو اپنے خاطر خواہ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ایک شیعہ جو مشرک کو نجس حقیقی جانتا ہے وہ بھی اپنے مذہب کے موافق رہ سکتا ہے۔ مگر کسی قدر اہتمام و تردد ہے۔ ذبیحہ مسلمان کا دستیاب ہو سکتا ہے۔ غرض کہ کوئی بات مشکل نہیں ہے۔ بعضے امور ہلا تکلف اور بعض امور بہ تکلف انجام پاتے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ حالات سفر جو اخبار میں چھپتے ہیں آپ ان کو بطور کتاب یک جافل کرواتے جائیں اور جس امر کی نسبت زیادہ تفصیل کی حاجت ہو مجھ کو لکھ کر دریافت فرمائیں اور اس میں اضافہ کر دیں تا کہ آپ کی صلاح سے کتاب بھی درست ہو جائے اور سب چیز کو حاوی بھی ہو۔ اور میرے آنے تک کتاب مرتب تیار ہوگی اور صرف چھپنا شروع ہوگا۔ میں بعض بعض عمدہ مکانات کے نقشے بھی لاؤں گا اور وہ بھی کتاب میں چھپوائے جائیں گے۔ بہر حال بعد نظر ثانی یہ کتاب حاوی تمام چیز کو ہوگی۔ دو ہندو واسطے امتحان سول سروس کے بمبئی سے اور آئے ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان بچھے رہے جاتے ہیں۔ چار ہنگالی ابھی دفعہ سول سروس میں پاس ہوئے ہیں۔ محمود مدرسہ قانونی میں داخل ہو گیا ہے۔ مجھ سے اور یہاں کے اراکین سے روز بروز ملاقات ہوتی جاتی رہے۔ بلکہ اس قدر ملاقات کا موقعہ اور جگہ ہے کہ شاید میں ان سب

ہے نہ مل سکوں گا۔ جس اخلاق سے یہاں کے امراء اور اراکین ملے ہیں اس کا بیان بیان سے باہر ہے۔ کچھ میرے ہی ساتھ یہ اخلاق نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ لوگ بااخلاق اور سادہ مزاج اور بے غرور ہیں میں۔ ہر دم اپنے ملک کی بھلائی کے خیال میں ہوں اور عنقریب کچھ کچھ انشاء اللہ تعالیٰ مشہور کرنا شروع کرتا ہوں۔ وزیر ہند میرے آنے کے دو تین روز بعد باہر چلے گئے ہیں۔ اول ان سے ملاقات خاص ہوئے تب کچھ تحریک بہتری ہندوستان شروع ہوگی۔ قبل اس کے ایک عریضہ مع اشتہار کتاب کے روانہ خدمت عالی کیا ہے۔ ملاحظہ سے گزرا ہوگا۔ اور امید ہے کہ زر مطلوبہ روانہ فرمایا ہوگا۔ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احباب نالائق مثل مولوی ز——ع نے میرا ارادہ دربارہ تحریر جواب کتاب میوڑ صاحب جو نسبت آں حضرت صلعم لکھی ہے سست کر دیا اور بروقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا۔ یہاں اس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً وہ عالم انگریز جس نے وہ کتاب لکھی ہے جس کا پہلے میں نے ذکر کیا ایسا عمدہ شعلص اس کے جواب کے لائق ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ کتب خانہ انڈیا آفس میں نے دیکھا۔ ہوش جاتے رہے۔ کتب خانہ نہیں ہے کتابوں کا شہر ہے مجھے وہاں جانے کی اور پڑھنے کی جو چاہوں اور نقل کی سب کی اجازت ہوگئی۔ ابھی کتب خانہ برٹش میوزیم نہیں دیکھا۔ سنا ہے کہ وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ بہر حال میں کچھ نہ کچھ نسبت جواب کتاب ولیم میوڑ صاحب کے ضرور کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ عنایت نامہ بھیجتے رہیں۔ اس کے پہنچنے سے جس قدر خوشی اور روحانی فرحت ہوتی ہے بیان نہیں

ہو سکتی - حافظ جی صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہنچے - میرے ہمراہی سب بخیریت ہیں - آپ کو تسلیم عرض کرتے ہیں - محمود کہتا ہے کہ میرا سلام مت لکھو - میں خود جدا عریضہ لکھوں گا - دو تصویریں مرسل خدمت ہیں - میں خود حاضر نہیں ہو سکا - اس لئے میری تصویریں آپ کی قدمبوسی کو پہنچتی ہیں - والسلام

خاکسار سید احمد

۴ جون ۱۸۶۹ء روز جمعہ مقام لندن

(۳)

جناب مخدوم مکرم بندہ - آپ کا عنایت نامہ مورخہ ہلا تاریخ پایا " اے وقت تو خوش کہ وقت ماخوش کر دی " جس قدر دل کو مسرت آپ کے خط سے ہوئی ہے بیان نہیں کر سکتا - اگر یوسف زلیخا - کو یا لیلٰی مجنوں کو ملتی تو شاید اسی قدر خوشی ہوتی - جس محبت سے لکھا تھا وہ اثر ان لفظوں میں موجود تھا اور آنکھ سے برابر دل میں پہنچتا تھا - جس محبت سے آپ نے اشعار لکھے تھے ان کو پڑھ کر میں ایسا محو محبت ہوا کہ گویا یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ شعر میں بے آپ کے حق میں لکھے ہیں یا آپ نے میرے حق میں ؟ اور اس کیفیت سے وحدت وجود کے مسئلے کا عقدہ حل ہوتا تھا -

میان احمد و مہدی نہ ہیچ ہست حجاب

تو خود حجاب خودی احمد از میان برخیز

یہ بے تصنع آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کی شکستہ رقم نے
اور بھی زیادہ لطف دیا۔ دو تین دفعہ پڑھنا پڑا۔ ایک دفعہ کے
پڑھنے میں جو لفظ وہ گیا تھا دوسری دفعہ میں نکلا اور بہت زیادہ
مزا دیا۔ کسی وقت میرے دل میں مرزا مرحوم کا یہ شعر گزرا۔

زلکنت می تہد نبض رگ اہل گہر بارش

شہید انتظار جلوۂ خویش است گفتارش

پہلے خط بھیج چکا ہوں۔ انتظار آف انڈیا کی خوش خبری سنا
چکا ہوں۔ میں انڈیا آفس میں صاحب سیکریٹری وزیر ہند کے پاس گیا
تھا۔ انہوں نے مجھ کو کونسل کے کاغذات میں میری کتاب
”اسباب بغاوت“ مع تمام و کمال انگریزی ترجمے کے دکھلائی
آ۔ دیکھ کر بہت دل خوش ہوا۔ جو کچھ رائس آس کی بدولت
قرار پائیں آس کا بیان ہے فائدہ ہے۔ اہل ہند نافدر دان دوست
کش اور اپنے غیر خواہ کے دشمن ہیں۔ مگر میں خوش ہوں کہ
میرے ہم وطنوں کی بھلائی ہوئی۔ اب ایک اور کتاب انتظام
گورنمنٹ آف انڈیا پر لکھ رہا ہوں۔ انڈیا کونسل کے بعض
ممبروں نے فرمایا کہ ہم ایک دن فرصت کا مقرر کر کے
ہندوستان کے باب میں گفتگو کریں گے۔ کچھ تھوڑی سی گفتگو
نسبت انتظام پنجاب اور فائدہ میونسپل کمیٹی پر ہوئی۔ اگر وہ
کتاب میری چھٹی اور مجھ میں اس کے چھاپنے اور انگریزی
عبارت کی اصلاح میں جو خرچ ہوگا آس کے خرچ کا مقدور ہوا تو آپ
دیکھیں گے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور اس کتاب سے کسی
قدر فائدہ ہوگا۔ اور کیسا صاف صاف لکھ رہا ہوں۔ بغیر چھاپہ
ہونے کے آس کی شہرت اور تمام لوگوں کی توجہ اور ہر جگہ اس

پر بحث و گفتگو نہیں ہو سکتی اور پھر اس کے کچھ فائدہ نہیں آپ کے نزدیک جو جو باتیں قابل گفتگو زبانی کی ہوں یا قابل اندراج کتاب ان کو بہت جلد ارقام فرمائیے جس دن کہ جناب ڈچس ارگایل (یعنی اہل خانہ وزیر ہند) نے دعوت میں مجھے بلایا ہے اس رات وہاں مسٹر ہالک صاحب سے ملاقات ہوئی تھی انہوں نے اپنا ہتھ لکھ دیا۔ دوسرے دن میں وہاں گیا وہ گھر پر نہ تھے۔ ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ کرایہ کی بکھی میں کیا خرچ پڑتا ہے۔ دس روپیہ روز۔ میں نے کہا مرے۔ اس لئے دوبارہ نہیں گیا۔ پھر کسی دن جاؤں گا اس وقت میرے پاس تیس چٹھیاں ملاقات کی اور دس ہندو ٹکٹ رکھے ہیں اور یہ سب امراء اور لارڈ اور سر ہیں۔ صرف خرچ سواری کے ڈر کے مارے کہیں نہیں گیا اور نہ خیال کر سکتا ہوں کہ کیونکر سب سے ماوں گا۔ جو لوگ کہ میرے گھر پر آجائے ہیں لاچار ان کے ہاں یا جس کے پاس نہایت ضرور جانا چاہئے وہاں جاتا ہوں۔ سو اب تک سوائے ایک دفعہ کے دوسری دفعہ کی نوبت نہیں پہونچی۔ ایک آدمی ڈیڑھ سو روپیہ مہینے میں یہاں بخوبی بہ آرام گزر سکتا ہے۔ الا جب کہ آنا جانا چاہے اور لوگوں سے ملے اور عزت کے ساتھ جانا آنا چاہے تو صرف سواری کا خرچ چار سو روپیہ ماہواری پڑے گا۔ کبھی ایک گھوڑا اور کبھی دو گھوڑے کی بکھی نصب ہوگی۔ بعضے ایسے موقعے ہوتے ہیں کہ وہاں ضرور دو گھوڑوں پر جانا چاہئے۔ شب گزشتہ کو صرف محمود کی ایک انگریز نے دعوت کی تھی۔ دو گھنٹے ان کو وہاں لکے اور ایسے سٹریل گاڑی اکہ میں وہاں گئے تھے جیسے بنارس میں دو دو تین تین آئے کرایہ کے آگے ہوتے ہیں۔ سات شنگ یعنی سات روپیہ آٹھ آئے خرچ ہوئے۔ اب موافق یہاں کی رسم

کے دوسرے یا تیسرے دن صاحب خانہ سے ضرور ملنے جانا چاہئے اس قدر بھر خرچ ہوگا۔ صرف ایک دوست کے علی ہلائکاف جانے میں سات روپیہ خرچ ہوئے۔ پس سچہ کو خرچ کی بڑی فکر ہے اور نہایت اندیشہ ہے کہ کیا ہوگا۔ اس لئے حد سے زیادہ تنگی سے خرچ کرتا ہوں۔

تصویریں تمام بادشاہوں کی اور سلطان روم کے جلسے کی سب ہیں۔ نہایت عمدہ کتاب جس میں لکھنے سے سب تصویریں تمام بادشاہان روئے زمین کی حسب خواہش لگی ہوں اور کتاب الہم فرمائی جب خاطر خواہ تیار ہو تو سو ڈیڑھ سو روپیہ خرچ ہوگا۔ میں نے تو قسم کھائی ہے اگر آپ کو شوق ہو تو زر عنایت ہو بندہ سب طرح تیار کر کر بھر دے گا۔ حماقت سے اس لکھنے کی کتاب چھپوائی ہے۔ تو خود چندہ میں دئیے اور اگر ان لوگوں کے پاس سے روپیہ نہ آیا تو کئی سو روپیہ کا دھپ لگے گا کیونکہ جن احباب کو لکھا ہے ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن سے اس کی تعمیل کی توقع نہیں ہے اور وہ کتاب قریب نصف کے چھپ چکی ہے دو ہفتے میں تمام ہو جاوے گی اور چھاپہ خانہ کا بل میرے نام پر پہونچے گا۔ مولوی امداد العلی صاحب کا نہایت شکر گزار ہوا کہ بخیر یاد کیا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمام اہل ہند اور مخصوص مسلمان بخیر یاد کریں بلکہ اپنا غلام سمجھیں۔ التزام تقلید لحر کو شرک فی صفتہ التوبۃ کہنے سے توبہ کرتا ہوں توبہ توبہ۔ سکر دل سے نہیں۔

زہی توبہ ناصواب توبہ

محمود ہے میں نے کہا کہ تمہاری طرف سے کچھ لکھنوں
 اس نے کہا کہ آپ کچھ نہ لکھیں میں خود خط لکھ رہا
 ہوں۔ جناب مولوی معین الدین صاحب کا سلام پہنچنے سے
 مجھے اسٹار آف انڈیا کی خوشی سے کچھ کم خوشی نہیں ہوئی
 میرا بہت بہت سلام مسنون عجز و نیاز مشغون دست بستہ عرض
 کردہ پجنے گا۔

والسلام

خاکسار محبت گزین شعا سید احمد مقام لندن ۱۸ جون

- ۶۱۸۶۹ -

دیکھو نالائق ز۔۔۔ع نے اب تک کوئی خط نہیں
 لکھا۔ یہ پرچہ چاک کر کے اس نالائق کے پاس بھیج دینا۔

بخدمت حافظ جی صاحب سلام۔ جو تکلیف پہلے خط میں
 دی ہے وہ معاف فرماویں۔

(۴)

مخدوم و مکرم بلند سلامت - بعد سلام مستون التماس یہ
 ہے کہ جس کتاب کے چھاپہ ہونے کا اشتہار میں نے بھیجا تھا وہ
 تمام ہوگئی - ہفتہ کے بعد اس کے نسخے آپ کے پاس روانہ کروں
 گا - آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے کیسا انصاف اور کیسا سچ
 اختیار کیا ہے - گو بعض خیالات اس کے تمہارے خیالات کے
 مطابق نہ ہوں وہ مسلمان نہیں ہے انگریز ہے - جب آپ اس کی
 کتاب دیکھیں گے تو جانیں گے کہ وہ انگریز ہزاروں مسلمانوں
 سے بہتر ہے - اب ایک اور بات ضروری ہے جو لکھتا ہوں - انگریزوں
 نے مسلمان بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی تاریخیں نہایت
 نا انصافی اور تعصب سے لکھی ہیں اور کوئی برائی نہیں ہے جو
 مسلمانوں کی طرف منسوب نہ کی ہو ہماری قوم کے جوان لڑکے
 انگریزی میں انہی تاریخوں کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں جس سے
 بڑا نقص پیدا ہوتا ہے - جو بات کہ از راہ نا انصافی اور تعصب کے
 مسلمانوں کی نسبت لکھی گئی ہے اس کو وہ سچ اور واقعی
 سمجھتے ہیں - اس لئے ایسی قسم کی انگریزی کتابوں کا پیدا
 ہونا جن میں مسلمانوں کا حال نہایت سچائی اور انصاف سے
 لکھا گیا ہو نہایت مفید بلکہ نہایت ضروری ہے - دو بہت بڑے
 واقعے دنیا میں ہوئے ہیں جن سے مسلمانوں کو نہایت بڑا تعلق
 ہے - ایک واقعہ فتح اندلس کا ہے جس میں سات سو برس تک
 مسلمانوں کی انگریزوں پر یعنی عیسائیوں پر حکومت رہی اور
 جو انصاف اور تعلیم و تربیت مسلمانوں نے اس قوم کی کی نہایت
 ہی عجیب اور قابل فخر ہے - دوسرا واقعہ کرویڈ کا ہے -
 یعنی آٹھ لڑائیاں جو مسلمانوں اور تمام عیسائی لوگوں سے بہت

القدس پر ہوئیں۔ میں نے آن عالم صاحب سے کہا ہے کہ ان دونوں باتوں کی دو مختصر تاریخیں وہ لکھ دیں اور ان کی رائے میں جو سچ اور انصاف ہو اور جس کا تصور اس میں ان کی منصفانہ رائے میں ہو سب لکھیں اور چونکہ وہ عالم صاحب نہایت منصف اور بہت بڑا عالم ہے اور جرمن - لیٹن - فرنچ - گریک زیادہ جانتا ہے اور سب مصنفوں کی کتابیں پڑھ کر رائے قائم کرتا ہے۔ صرف انگریزی کتابوں پر اس کو بھروسہ نہیں ہے اس لئے امید ہے کہ جیسی بلا تعصب اس نے یہ کتاب لکھی ہے ویسی ہی وہ بھی لکھے گا۔ ان دونوں کتابوں کے چھپنے اور تیار ہونے میں آٹھ سو روپیہ تخمیناً خرچ ہوگا۔ فی کتاب چار سو روپیہ۔ اس میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں کے احباب سے آٹھ سو روپیہ چندہ کرا کر میرے پاس بھیج دیں۔ چندہ کرنے میں شہرت نہیں چاہیے اور صرف احباب مخلصین سے چندہ ہو۔ مثلاً آپ میر ظہور حسین زین العابدین، مرزا رحمت اللہ اور اور احباب سے ملاقات کریں اور زبانی بات چیت کریں، اور جس کی جو توفیق ہو اس سے لیکر جمع کریں۔ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ میں احباب کا نام لکھتا ہوں اور اس میں مولوی س۔ ا۔ خ کا نام نہیں لکھا اور جو کہ اب وہ اپنے نشی اتقا میں جنید و شبلی و ابی حنیفہ سے مقدم اور اور لوگوں کو یا فاسق یا گنہگار یا کافر مرتد سمجھتے ہیں داناتی اور دوراندیشی میں بھی اپنی برابر کسی کو نہیں جانتے اور ایک حقارت کی نگاہ سے ہر ایک کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ آپ ان سے کچھ تذکرہ اس کا کریں اور حقیقت میں وہ شریک نہیں ہونے کے اور نہ دیں گے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

ایک عجیب بات سنئے کہ جو کتاب چھپ چکی ہے اس میں مصنف نے لکھا ہے کہ جو الزام جلا دینے کتب خانہ مصر کا

نسبت حضرت عمر لگایا جاتا ہے غلط ہے ۔

یونانی و رومی تاریخوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ کتب خانہ جو لیس سیرز کے وقت میں جلا (ہیوقوف شیطانی پسند بعض ناواقف مسلمان مورخوں نے اس واقعہ کو مسلمانوں نے جب فتح مصر کی اس کے ساتھ لگا دیا) اس امر کا ایسا مستحکم ثبوت دیا ہے کہ وہ کتب خانہ جولیس سیرز نے چلایا ۔ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا ۔

(مواظف احمدیہ ۔) ایک وعظ تیار ہو گیا ۔ انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ۔ اب انگریزی میں چھاپہ شروع ہوگا ۔ اردو کتاب کے چھاپہ میں یہاں بہت لاکٹ لگتی ہے ۔ بعد چھاپہ چند نسخے آپ کے پاس بھیجوں گا (ٹا دائم کہ مخدوم می جہ می گوید) ۔ خدا یا مخدوم مہدی اگر مرا کافر و مرتد داند پاک نیست زیرا کہ میں معاملہ مرا یا نیست نہ یا مخدوم من مہدی ۔ لیکن محبت من ازو و محبت او از من کم مگردان ۔ او خدا دانندہ راز ہائے پوشیدہ درون سینہ ہاتو مردانی کہ من با تو و یادی حقہ اسلام دادہ نوجہ میکنم و چہ اعتقاد دارم ۔ پس اگر مرا محبوب من مہدی لامذہب یا کافر گوید یا سمیع اللہ یا امداد العلوی مرند داند مرا چہ پاک تو بر من مہربان باشی ۔

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

والسلام

خاکسار سید احمد

۲۳ جولائی ۱۸۶۹ء لندن

جناب مخدوم مکرم

بعد سلام مستون عجز و نیاز مشحون عرض یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ سورخہ ۲۸ پہونچا - عجب اتفاق ہے کہ میرا نیاز نامہ سورخہ ۳ جون آپ کے پاس پہونچا اور جو عریضہ معہ اشتہار کتاب آس سے پہلے روانہ کیا تھا وہ نہیں پہونچا - غالباً پہلا عریضہ سو تھپن کی راہ گیا جو نہایت پھیر کا راستہ ہے - مگر امید ہے بعد آس کے پہونچ گیا ہوگا - ایک انگریز نے جس کا نام مسٹر جان ڈیون ہوٹ ہے - حمایت مذہب اسلام میں ایک عجیب و غریب کتاب لکھی ہے - جناب ریغبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حال لکھا ہے اور جس قدر اتہام و الزام انگریزوں نے آنحضرت صلعم پر اور قرآن پر اور مذہب اسلام پر لگائے ہیں آس کا جواب دیا ہے - چونکہ یہ کتاب بالکل انگریزوں کے مخالف تھی آس کا چہاہہ ہونا اور فروخت ہونا مشکل تھا - میں نے کل لاگت چہاہہ کی دینی قبول کی اور احباب سے پچاس پچاس روپے آس کی لاگت ادا کرنے کو طلب کئے تھے - پس اگر وہ خط نہ پہونچا ہو تو آپ فی الفور پچاس بھیج دو - وہ کتاب تیار ہوگئی - چھپ چکی آئندہ میل میں روانہ کروں گا تصویر مسٹر ڈیون ہوٹ کی بھیجتا ہوں - نہایت تعظیم و ادب اور محبت رکھنے کے لائق آدمی ہے -

جن الفضلوں میں میں نے غیر ذہب کی ہوئی مرغی کھانے کا ذکر لکھا اور جس سے آپ کو الوسوس ہوا آس کا عذر کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں - ہات جوڑ کر عندوستانی نہ شرعی طور پر

نوبہ کرتا ہوں۔ افسوس کہ مجھے ایسے لفظ لکھنے نہ آئے جن سے آپ کو افسوس نہ ہوتا۔ برائے خدا معاف کیجئے جب میں وہ لفظ لکھ رہا تھا تم میرے دل میں اور میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ میں جانتا تھا کہ تم نا پسند کرو گے۔ بھائی کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ میں برا کروں اور اس کو اس لئے چھاؤں کہ لوگ برا نہ کہیں۔ ہم کو اپنے خدا سے معاملہ ہے جس کے ہاتھوں سے ایسے تنگ آئے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ جو کام کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔ جو بات کہتے ہیں سن لیتا ہے۔ جو دل میں لاتے ہیں جان لیتا ہے۔ ایسا پیچھے پڑا ہے کہ نہ جہاز میں چھوڑے نہ زمین پر چھوڑے۔ نہ رات کو الگ ہو۔ نہ غیر ذبح مرغی کھانے والے پیچھا چھوڑے۔ پس جب میں نے نہایت سچے دل اور درست اعتقاد سے ایسے دوست اور سچے رفیق خدا سے شرم نہ کی تو پھر بھائی مہدی علی سے کیا ڈر کرتا۔ میں اس کو قرآن مجید سے جائز سمجھتا ہوں نہ روایت شاذہ ہے۔ بہر حال میں اس میں گفتگو نہیں کرتا۔ شاید میں غلطی پر ہوں۔ صرف معافی چاہتا ہوں اور آپ سے نہایت سچے دل سے التجا کرتا ہوں کہ بعضے آقاؤں کے نہایت بدخصالت اور بد کردار غلام ہوتے ہیں۔ وہ آقا اپنے غلام پر ناراض تو ہوتے ہیں مگر اس غلام کو غلام سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح گو آپ میری حرکات ناشائستہ سے ناراض ہوں مگر مجھ کو اپنا غلام سمجھتے رہیں۔ ”ہرمں منکو ہرکرم خویش نگرہ“۔ یہ الفاظ میں نے نہیں لکھے میرے دل نے لکھے ہیں۔

والی مصر کے ساتھ بعض علماء مصر بھی تھے انگریزوں کے ساتھ بغیر ذبح کئے ہوئے جانور چٹ کرتے تھے۔

میں دو دفعہ بالک صاحب کے پاس گیا۔ اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ چار ہانچ روز ہونے کہ وہ ازراہ عنایت میرے مکان پر مجھ سے ملنے آئے بہت عنایت سے ملے۔ اور بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ میں نے عرضی پیش کی اور بہت کچھ کہا اور جو امداد کا وعدہ انہوں نے کیا تھا وہ یاد دلایا انہوں نے بہت غور سے سنا اور غور و فکر کرتے رہے اور کہا کہ ہمارے پاس بھی آف کی انگریزی چٹھی آئی ہے۔ میں نے صاحب کلکٹر بہادر مرزا پور کے نام چٹھی لکھنے کو کہا۔ بعد تمام گفتگو کے یہ جواب دیا کہ ہم لکھیں گے اور سہدی علی کو بھی خود لکھیں گے۔ اب وہ مفصل میں چلے گئے دو مہینے بعد آویں گے اور وعدہ کر گئے ہیں۔ بعد آنے کے تم سے بہت دفعہ ملوں گا اور بہت بات چیت کروں گا۔ پس اگر انہوں نے اس عرصہ میں کچھ نہ کیا تو جب وہ واپس آویں گے پھر ذکر کروں گا۔

میں آپ کے لئے نصویرات جمع کر رہا ہوں اور نہایت سلیقہ سے عمدہ الیم میں لگاؤں گا اور مکانات کی تصاویر بھی لینا جاتا ہوں۔ آپ اس قدر عذرات مغائراتہ دو باب ادائے قیمت کیوں لکھتے ہیں۔ میں نے خود تم سے قیمت طلب کی ہے۔ میں تم کو اپنے بھائی کے برابر سمجھتا ہوں تم سے روپیہ منگانی یا لینے میں بروقت ضرورت یا بحالت ناچاری کچھ شرم نہیں ہے۔ بلاشبہ مجھ کو خرچ کی نہایت تنگی ہے۔ اُن تصویروں میں جو خرچ ہوگا تم کو دینا ہوگا۔ بلکہ سو ڈیڑھ سو روپیہ اس کام کے لئے پیشگی بھجودو تو اور بھی بہتر ہے۔ مگر میں نے جمع کرنا شروع کر دی ہیں۔

کتب خانہ انڈیا آفس کی کوئی چھٹی ہوئی فہرست نہیں ہے کتب خانہ ایشیائک سوسائٹی میں عربی۔ فارسی نہایت قلیل متعدد

کتابیں ہیں (۹) کتب خانہ برٹش میوزیم ایک نہایت بڑا جنگل کتابوں کا ہے۔ کئی الماریاں صرف فہرست کی ہیں۔ اس میں سے تفسیر یا فوٹ التاویل کا حال دریافت کر کر آئندہ میل میں لکھوں گا۔

میور صاحب کی کتاب کے جواب کا سامان نہیں ہو سکا اب اس کی توقع نہیں ایک انگریزی خوان اور ایک طالب علم جو مقامات نشان دادہ کو کتب میں تلاش و نقل کر سکتا میرے ساتھ ہوتے تو ایک برس میں اس کا جواب لکھ لاتا۔ اب نہیں ہو سکتا مگر میں اس کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ رہا ہوں اور اس کا نام ”مواعظ احمدیہ“ رکھا ہے پہلا وعظ تیار ہو گیا اس کا مضمون یہ ہے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں معتبر و غیر معتبر اور صحیح و غلط روایتیں شامل ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی ہر ایک بات کو اصلی مذہب سمجھا جاوے۔ بس جن لوگوں نے ہماری کتابوں کی روایتیں چن کر ہمارے مذہب پر یا جناب پیغمبر خدا صلعم کی نسبت الزام و اتہام دیا ہے وہ حماقت ہے۔ کیونکہ اول یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ روایت صحیح و معتبر بھی ہے یا نہیں۔ مگر اس کا طرز گزارش سیدھا صاف نہیں ہے، بیچ دار شمشیر برعنہ ہے۔ اس کے مصنف کے دل میں ہجر مذہب اسلام کی محبت اور کسی کی محبت نہیں ہے اس نے اس طرح ہر یہ وعظ لکھا ہے۔ جیسی کہ مولوی اسمعیل صاحب نے محبت توحید میں ”تقویت الایمان“ لکھی ہے۔ ایک مقام پر لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہادی اور قیاسی اصلی مذہب مسلمانوں کا نہیں ہے، وہ صرف ایک قانون دان کی رائے ہے۔ اگر ہزار ابو حنیفہ و شافعی کے مسائل اور اجتہادات غلط ہوں تو

مذہب اسلام کی سوزوشت میں کچھ فرق نہیں آتا پس کسی مجاہد کی رائے پر اعتراض کر کر مذہب اسلام کو غلط قرار دینا بجز حماقت کے اور کچھ نہیں۔ باقی حالات آئندہ ڈاک میں لکھوں گا۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض کر کر کہتا کہ آپ بھی میری غیر مذہبوحہ مرغی سے ناراض ہوئے ہوں تو اللہ معاف فرمائے گا۔ والسلام

خاکسار سید احمد

۶ اگست ۱۸۶۹ء روز جمعہ مقام لندن

آج دربار ہے اور میں اسٹار آف انڈیا لینے جاتا ہوں۔
برغوردار حامد۔ تسلیمات عرض کرتا ہے۔ مرزا خدا داد
سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

(۶)

مخلوم من و محبوب من سلامت۔ تسلیم نہ صرف تسلیم بلکہ
دل و جان تسلیم۔ نامہ محبت مورخہ ۱۸ جولائی یا فتم مسرتے کہ
بہ آن پذیر فتم پایا نے نہ دارد۔ اے وقت تو خوش کہ وقت
ماخوشی کر دی۔ اشعار آیدار آن محبت نامہ بجانم خلیدوروانم
جنید مکر این اتحاد روحانی و جسمانی را باید نگرست کہ احمد و
سہدی در یک بحر و مضمون گنجیدہ اند۔

مشتاق جمال تست این احمد شیدا ہم

در مصرع اول کہ خطاب بہ من فرمودہ اند اگر بجائے لفظ
دیدارت۔ احوالت بودے نہایت مناسب حال من بودے۔

آنی کہ با حوالہ خلقے است تماشاہی

وہذا هو الحق ”آزم کہ باحوالہ خلقے است تماشائی،“ اگر غم
 است ہمیں قدر است کہ نمی دانم کہ خدائی من تماشائی کدام
 احوال من میکند - اے ہواغفور الرحیم -

گناہ من اور آمدے در شمار
 ترا نام کے بودے آمر زگار

ای خدائی من - ای رحیم و غفور من - ای محبوب من خلق
 را بگزار عریضہ خواہد تماشائی من کند تو مرا نیک تماشاکن

نمیگویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
 بہار از یار و گل از یار باغ از یار و یار از من

آہ چہ گفتم و کجا رفتم خدائی من از من جدا نیست - مرا
 گزاشتن نمی تواند - ہاں چرا پریشان شوم و چرا اندیشہ ہاکنم -
 حمد و ثنائے او سراپم کہ ہمیں حمد و ثنائے خود است - منصور انا
 الحق گفت پایہ بلند داشت من صرف الحق میگویم - او خدا از من
 بشنو و مستجاب کن - آمین -

ان دنوں میں ذرا میرے دل کو سوز ہے - ولیم میڈر
 صاحب نے جو کتاب آن حضرت کے حال میں لکھی ہے اس کو میں
 دیکھ رہا ہوں - اس نے دل کو جلا دیا - اور ان کی نا انصافیاں
 اور تعصبات دیکھ کر دل کیاب ہو گیا - اور مصمم ارادہ کیا کہ
 آنحضرت صلعم کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب
 لکھدی جائے - اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے
 کے لائق ہو جاؤں تو ہلا ہے - قیامت میں یہ تو کہہ کر ہکا جاؤں
 گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر

فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ ”مارا ہمیں نفعہ شہنشاہی پس است“ میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دیں۔ چٹھیاں روانہ ہو گئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کر مضمون بتلا سکے۔ تین مقدمات لکھنے شروع کر دیے اول جغرافیہ عرب۔ دوم انساب عرب۔ سوم ثبوت آن حضرت کی نسل کا حضرت ابراہیم تک۔ سب سے مشکل کام جغرافیہ ہے اور تمام چیزوں کے متعلق اسلام و سیر کے ثبوت کی بنیاد ہے۔ خیر اب دعا کرو خدا مدد کرے اور انجام کو پہونچا دے۔

مرجہ پا دا باد من کشتی در آب اندا ختم

ایک نہایت عمدہ ثبوت نسل ابراہیم سے ہونے کا یہ ہے کہ بنی ہاشم اور دیگر اقوام عرب میں جو اولاد حضرت ابراہیم سے ہیں رسم ختنہ جاری تھی۔ آپ تلاش کریں کہ کسی کتاب میں یا حدیث و سیر و تفسیر میں کوئی ایسی قوم بھی عرب میں پائی جاتی ہے جس میں رسم ختنہ نہ ہو۔ عرب میں سوائے اولاد حضرت ابراہیم کے اور قومیں بھی آباد تھیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ان قوموں میں رسم ختنہ نہ تھی تو نہایت عمدہ بات ہے۔ بقول مقامات جو سابق میں طلب کی ہیں یقین ہے کہ اب تک روانہ ہو چکی ہونگی۔ بشرطیکہ حافظ جی صاحب نے مہربانی کی ہوگی۔ میرا سلام اور بہت بہت سلام ان سے کہئے۔ اس بات کے دریافت ہونے سے کہ صاحب کمشنر بہادر نے آپ کے خطرات کے لئے رپورٹ کی حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ خدا مبارک کرے۔ اس کی منظوری سے انشاء اللہ تعالیٰ جلد خوشی حاصل ہوگی۔ بھائی مہدی نم ہائبر

اخبار الہ آباد میں ہے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو وہ لکھتا ہے کہ ”آجکل ہندوستان میں خاندان مسلمانوں کے روز بروز گٹھنے جاتے ہیں چنانچہ صرف بنگالہ میں تمام سلطنت کے ملازمین میں چند مسلمان ہیں۔ وہ بھی ضعیف ہیں جلد ہنشن لیں گے اور ان کی جگہ یقینی کوئی مسلمان نہیں ہونے کا۔ اور آئندہ بجز چپڑاسی اور دفتری کے کوئی مسلمان معزز عہدے پر نہیں ہوگا۔“ دیکھو جو میں کہتا تھا اور جس کا غم کرتا تھا اب سب لوگ وہی کہتے ہیں۔ یہ آرٹیکل بہت بڑا ہے اور کہیں سے دستیاب ہو تو منگا کر ہانگل سنو۔ بہر حال جو عزت تم کو خدا نے دی وہ تمام قوم کی عزت ہے خوشی ہے۔ ایک قومی دوسری خاص محبت و محبوبیت کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ با اقبال رکھے۔ حامد کچھ دل پڑھنے پر نہیں لگاتا۔ بہر حال گھر میں پڑھتا ہے۔ سو روپیہ مہینے کا آدمی نوکر ہے۔ جو تین گھنٹہ آکر حامد کو اور لیٹن محمود کو پڑھا جاتا ہے مگر حامد کا دل نہیں لگتا۔ دربار مالکہ معظمہ کی حاضری کے لئے مجھ سے کہا گیا۔ مگر میں نے بعض مصلحت کی نظر سے کہا ہے کہ پھر کسی دربار میں حاضر ہوں گا۔ ہمیشہ دربار ہوتے ہیں۔ یہاں کے امراء سے دوستانہ ملاقات نہایت بے تکلف ہوتی ہے اور کھانے پر جانا ہوتا ہے۔ ہمیشہ محمود میرے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ذریعہ گذرگو اکثر ہوتا ہے۔ وزیر ہند سے ایک دفعہ مع حامد محمود ملاقات ہوئی تھی اور دو دفعہ صرف میں تنہا ملا۔ میں نے انگریزی میں ان کی سب باتوں کا جواب دیا۔ سب سمجھا اور سب جواب صحیح دئے۔ مگر نہایت بد و خراب انگریزی میں۔ یہاں کے اکثر امرا اور ممبران پارلیمنٹ ہندوستان کے غیر خواہ ہیں۔ مگر چونکہ حالات سے بخوبی واقف نہیں ہیں اس لئے بعضے تو کچھ جانتے ہیں اور

بعضوں کی رائے نہایت غلط ہوتی ہے۔ حال کی پارلیمنٹ میں جو بل متضمن مزید اقتدار گورنر جنرل ہندوستان پاس ہوا ہے۔ درحقیقت ممبران پارلیمنٹ نے نہایت نیک نیتی سے اور ہندوستان کا فائدہ سمجھ کر پاس کیا ہے مگر ایسی غلطی رائے کی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں ہندوستان غلام ہو گیا اور یہ بل نہایت مضر ہندوستان کے ہے۔ اگر انگلستان میں یہ قانون جاری ہوتا تو سب رعیت اس کی منسوخی کی درخواست کرتی۔ مینوسپل کے قانون سے میں مختلف الزامے نہیں ہوں صرف یہ چاہتا ہوں کہ حکام انگریزی اس روپیہ کو بیجا صرف نہ کریں۔ ٹیکس کے باب میں کچھ گفتگو نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت آمد و خرچ پورا نہیں ہے۔ وہ کتاب تیار ہو گئی۔ آج کی ڈاک میں دو جلدیں میر ظہور حسین صاحب کے پاس بھیجی ہیں اس لئے الہ آباد کے بعض عقل مند صاحب فرماتے تھے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ اگلی ڈاک میں آپ کے پاس دو جلدیں روانہ کروں گا۔ اور باقی کتابیں جہاز پر پھر کے راستہ سے روانہ کروں گا۔ تاکہ محصول کم خرچ ہو۔ والسلام

محاکسار سید احمد

از مقام لندن۔ ۲ اگست ۱۸۶۹ء روز جمعہ

چھپو آداب و تسلیمات عرض کرتا ہے اور اس وقت میرے

سر پر کھڑا ہے اور آپ کی تصویر مانگتا ہے۔ اس نے ایک البم بنائی ہے۔

جناب مخدوم مکرم بندہ سلامت - بعد سلام مسنون - عرض
 یہ ہے کہ دو قطعہ عنایت نامے مورخہ ۳۰ اگست و ۵ اگست معہ
 ہفتوی سو رویہ کے پہونچے اور مسنون عنایت کیا - اپنے سفر کی
 بابت جو آپ نے مجھ سے رائے پوچھی ہے در حقیقت آپ کی رائے بالکل
 صحیح ہے - اگر آپ یہاں تشریف لائے تو کچھ فائدہ جو معاوضہ
 اس قدر زہر باری کا ہو نہیں سکتا - میں ہرگز صلاح نہیں دیتا
 کہ آپ اس قدر زہر باری فرضہ آٹھاونوں اور برس روز کے لئے یہاں
 تشریف لائیں - یہ اس قدر بڑا شہر ہے اور ایک ایسا کارخانہ ہے
 کہ کوئی کسی کو نہیں پہونچتا - میرے واسطے جو کچھ یہاں
 ہوا آپ اس کو تعجبات اور امور اتفاقیہ سے سمجھئے - صاف صاف
 یہ بات ہے کہ یورپ دو آدمیوں کے کام کا ہے، اول اُن کے جو جوان
 نو عمر ہیں اور علوم و فنون جدیدہ کی تربیت چاہتے ہیں اور یورپ
 کی زبان سے واقف ہیں - دوسرے صرف اُن لوگوں کے لئے جو صرف
 سیر کے خواہاں ہیں یا اپنے ملک اور اپنے ملک کے لوگوں کی ترقی
 میں کوشش کرنا چاہتے ہیں - سیر کا تو مختصر یہ حال ہے
 کہ یہاں وہ چیزیں اور وہ کارخانے اور وہ عمارت اور ایسی عجائبات
 ہیں کہ "لا عین رات و اذن سمعت" امکان نہیں ہے کہ جن لوگوں
 نے اس کو نہیں دیکھا اُن کے سامنے بیان ہو سکیں اور وہ سمجھ
 سکیں - جس وقت انسان یورپ کی سرحد میں پہونچتا ہے حقیقت میں
 اس کو ایک نیا عالم معلوم ہوتا ہے اور اس کو یقین ہو جاتا ہے
 کہ ہندوستان میں جا کر انگریز ہم کو مثل جانور کے جانتے ہیں
 در حقیقت ہم ہندوستانی ایسے ہی ہیں - عقلمند اور عبرت اور
 نصیحت پکڑنے والا آدمی تمام حالات اور رسم و رواج یورپ دیکھ
 کر یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کونسی رسمیں اور عاداتیں ہندوستان
 کی - اور مخصوص مسلمانوں کی اچھی ہیں اور کونسی غراب اور قابل

تبدیل ہیں۔ اصول ایمانیہ اسلامیہ پر جس قدر یقین یورپ کے آئے
 ہے اور یہاں کے حالات اور علوم اور علما کی رائیں دریافت کرنے
 سے ہوتا ہے ہلا تشبیہ نمود باللہ ویسا یقین حج سے نہیں ہوتا۔
 زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے
 صرف حج سے اور آپس میں ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ سے کچھ علاقہ
 نہیں ہے اور یہ دیکھ کر آدمی یقین کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں
 اگر بہت سے آدمی متوجہ ہوں اور علوم و فنون اور سولائزیشن پر
 کوشش کریں تو وہ ہلا اعانت گورنمنٹ بہت کچھ کر سکتے ہیں
 اور ان خیالات سے اور حال دیکھنے سے عقلمند اور بیدار آدمی کو
 اپنے ملک کی ترقی اور بھلائی اور قومیں خیر خواہی زیادہ بڑھتی
 ہے۔ جس شخص کے پاس روپیہ ہو اس کو صرف اس قدر کافی
 ہے کہ یورپ آئے اور تین چار مہینے موسم گرما میں جب کہ
 یہاں سب کچھ جاری ہوتا ہے ہر ایک چیز کی سیر کرے اور
 چلا جاوے اور اپنے ملک میں اس بھلائی کو بھلاوے۔ مگر میں ہرگز
 رائے نہیں دیتا کہ اس امر کے حاصل کرنے کو قرض سے اپنا کلا
 بندھاوے۔ پس میں آپ کو ہرگز رائے نہیں دیتا کہ قرض کر کر
 آپ یہاں تشریف لائیں۔ اور بالفرض اگر آویں بھی تو چہ مہینے سے
 زیادہ کے لئے آنا محض لغو و حماقت ہے۔ میرے حال پر خیال نہ
 کیجئے۔ میرا حال جدا تھا اور چند خیالات مجھ کو تھے۔ میں نے
 جائداد بیچی اور دس ہزار کا قرض کیا۔

عائل و عیاش آدمی کے لئے جو خوشی اور نعمت یہاں منصور
 ہے خدا معلوم بہشت میں بھی ہوگی یا نہیں۔ میرے ایک بڑے
 معزز دوست نے ایک بہت بڑے جلسہ میں جہاں نہایت تکلف کی
 ہوشاک پہنے ہوئے کئی سو مرد۔ میم اور لیلڈی نہایت خوبصورت

و خوش کلام اور قابل جمع نہیں ہوچھا ” کہو لندن بہشت ہے ۔
اور حوروں کا ہونا سچ ہے یا نہیں ۔“

ہیں مختصر حال و نتیجہ سفر یورپ کا یہ ہے ۔ مگر ہماری
قسمت میں وہی جلنا ہے ۔ یہاں کا حال دیکھ دیکھ کر اپنے ملک
اور اپنی قوم کی حماقت اور بیجا تعصب اور تنزل موجودہ اور ذلت
آئندہ کے خیال سے رنج و غم زیادہ بڑھ گیا ہے اور کوئی تدبیر اپنے
ہم وطنوں کے ہوشیار کرنے کی نہیں معلوم ہوتی ۔ مذہب جس
کو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اختیار کیا ہے اس میں بھی
وہ حماقت اور نالائقی اور گمراہی ہے جو اور تمام کاسوں میں ہے
ہیں کوئی کیا کرے ۔ بد اقبالی و بد نصیبی کا کچھ علاج نہیں ۔

میں روز و شب تحریر کتاب میر مصطفوی صلعم میں مصروف
ہوں سب کام چھوڑ دیا ہے ۔ لکھنے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے ۔
ادھر فکر ترتیب مضامین کتاب ادھر فکر جواب اعتراضات ۔ ادھر
فکر تنقید و تصحیح روایات صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص
کے مدد کار نہ ہونے سے یہ کام اور بھی سخت ہو گیا ہے ۔ اودھر جب
حساب دیکھتا ہوں تو جانہ نکل جاتی ہے کہ ابھی لکھوانا اور
چھپوانا تو شروع کر دیا رویہ کہاں سے آئے گا ۔ مسلمان البتہ
آستینیں چڑھا کر اس باب میں ٹوٹنے کو تیار ہوں گے کہ انگریزوں
کے ساتھ کھانا مت کھاؤ مگر جب کہو کہ مذہبی تائید میں کچھ
رویہ خرچ کرو تو جان بھاویں گے ۔

دوسرا باب جس میں عرب کا جغرافیہ اور وعان کی قوموں کا
اور حضرت اسمعیل کے وہاں آکر آباد ہونے کا ذکر ہے چھپ رہا
ہے ۔ عرب میں سے ایک کتبہ نکلا ہے جو یہاں کے برٹش میوزیم

میں موجود ہے وہ کتبہ آنحضرت صلعم سے بہت پہلے کا ہے اور اس سے حضرت ہود کا عرب میں پیغمبر ہونا اور قوم عاد کے مکانات کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ کتبہ بعینہ اسی خط میں مع ترجمہ میری کتاب میں مندرج ہوگا ۔

میری دانت میں نہایت خیر خواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جائے اس لئے انگریزی کا چھاپنا شروع کر دیا اور اردو ابھی ملتوی ہے ۔ علاوہ اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے جیسے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان کے کم قیمت پر ملے ہیں ہندوستان میں ممکن نہ تھا ۔ جو شخص کہ میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے اس کی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے ۔ بس ایسا شخص ملک ہندوستان میں کہاں ملتا ہے ۔ اگر میری کتاب تیار ہو گئی جس میں دس باب ہیں ۔ تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا ۔ خدا قبول کرے آمین ۔

اس معاملہ میں سوائے ہمارے میں اور کسی کو کچھ نہیں لکھتا ۔ اس لئے کہ جو کہ میرے دلی دوست ہیں ان کو خدا نے عقل نہیں دی اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک دل سے شوق نہ ہو صرف خاطر سے کچھ کرنا فائدہ مند نہیں ہوتا ۔ بہر حال مجھ کو اعانت کی نہایت ضرورت ہے ۔ اول تو انتخاب و تحریر مقامات کتب و تحقیق بعض مسائل کی جو میں آپ کو لکھوں آپ اس کو بخوبی انجام دیں گے اس میں کچھ تاہل نہیں مگر اس قدر دیر نہ ہو جیسی کہ اب تک کی ہے ۔ اس وقت تک حدیثیں معراج و شق صدر کی نہیں پہونچیں ۔

دوسرے بلاشبہ روپیہ کی ضرورت ہے کم سے کم دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ ہوگا۔ آپ وہاں احباب مخلصین سے چندہ کیجئے۔ صورت چندہ کی یہ ہو کہ جو جس کا مقدور ہے دے اور بعد تیار ہو چکے کتاب کے جس قدر روپیہ اس نے دیا ہے اسی قدر قیمت کی کتابیں اس کو دے دی جاویں۔ اس چندہ کرنے میں یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کل ڈھائی ہزار کا چندہ ہو کیونکہ جس قدر ہو وہی غنیمت ہے اور اسی قدر بوجھ ہلکا ہوگا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں میرے ظہور حسین، مزار رحمت اللہ بیگ، مولوی زین العابدین۔ تراب علی، محمد احمد مہدی علی وغیرہ کو خط لکھوں کہ مجھے ضرورت ہے سو سو روپیہ بھج دو۔ سوائے اس کے اور کچھ نہ لکھوں۔ یقین ہے کہ یہ لوگ بھجیں گے۔ پس جس قدر مدد ہوگی وہی غنیمت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مساجد سے کچھ روپیہ قرض لیا جائے اور اس کتاب کی تیاری میں لگایا جائے۔ بعد تیاری کے کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ کتاب بہت بہتے گی اور انگریز بہت لیں گے۔ آج تک مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب آنحضرت صلعم کے حال کی انگریزی میں نہیں۔ پس اس کی قیمت سے اس کا روپیہ دیا جائے اگر نقصان ہو تو میں اور وہ لوگ جو اس میں شریک ہوں ادا کریں۔

چند بڑے قابل انگریز جو مسلمان ہو گئے ہیں ان کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت تلاش سے بہم پہونچائی ہیں اور دس گنی قیمت دے کر خریدی ہیں۔ اس میں ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس میں اس انگریز نے نہایت خوبی سے ”ہاتھی من بعدی اسمہ احمد“ کے فقرہ کو ثابت کیا ہے کہ ایسی دلیلیں کسی مسلمان مولوی کے خیال میں بھی نہیں گزر سکتیں۔ علاوہ اس کے میں کیا کیا

بیان کروں کہ میں نے کہا کیا ہے۔ اگر تم یہاں ہونے تو شاید پھولے نہ سماتے۔

بلا تصنع میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ مولوی امداد العلی صاحب کی نسبت ”اسٹار آف انڈیا“ تجویز ہونے سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ عین آرزو مسلمانوں کی ترقی اور عزت کی ہے خواہ اس کو کوئی مہری خد سے حاصل کرے خواہ میرے جسد سے۔ خواہ میرے ذلیل کرنے کو ”چشم ما روشن دل ماشادہ“۔ ان کا یہ فرمانا کہ سید احمد نے انگریزوں کا جھوٹا کہا کر ”اسٹار آف انڈیا“ لیا اور انہوں نے سوجھوں پر ٹاؤ دے کر۔ انہیں نہیں پھول گیا ان کے مونچھیں نہیں ہیں، داڑھی پر ہاتھ پھیر کر، میرے سر اور آنکھوں پر۔ خدا کرے ابک ان کو اور ہزار مسلمانوں کو یہ دن نصیب ہو۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام اور جب انتخاب احادیث پہنچے گا جب شکریہ بھی کروں گا۔ جناب مولوی معین الدین صاحب کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین وعلی الدین آمنوبما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآمنو الجمیع آیات اللہ وکلماتہ وآمنوا علی کلامہ تعالیٰ وطعام الدین اتوا لکتاب کلکم۔ والسلام

خاکسار سید احمد

از مقام لندن ۱۰ ستمبر ۱۸۹۶ء

(۸)

جناب عالی آپ کا عنایت نامہ بلا تاریخ پہنچا۔ تیسری ستمبر کو میں نے بہت بڑا خط لکھا تھا میرے مضمون اور مطالب اس میں تھے۔ افسوس کہ اس تاریخ کا میل جو جہاز لیکر چلا تھا وہ عدن کے قریب ڈوب گیا۔ میں نے بہت صاف صاف رائے آپ کو لکھی ہے

دریاب سفر ولایت یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پہنچے گی۔ اب میرا حال سنئے 'مواظع احمدیہ' کے لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا، ملنا چلنا، سب بند ہے۔ آنحضرت صلعم کی بارہ برس کی عمر تک کا حال لکھ چکا اور سروایم میوز صاحب اور اور مصنفوں نے یہاں تک کے حال پر جو کچھ لکھا ہے سب کے ایک ایک حرف کا جواب لکھا ہے مگر ایسا جواب نہیں ہے جیسا کہ تمہارے ہاں کے ملاں بشرکین فی صفۃ النبۃ دیتے ہیں۔ نہایت محققانہ جواب ہیں اور یہ شرط ہے کہ کسی شخص کے آگے ڈال دو وہ کیسا ہی بے دین کیوں نہ ہو، اگر وہ کہے کہ ہاں نہایت سچ اور انصاف کا جواب ہے تو میرا نام، ورنہ میرا نام ہی نہیں۔ اپنی تحریر کو آپ ہی دیکھنا ہوں اور خوش ہوتا ہوں کہ بیان سے باہر ہے۔ دوسرا خطبہ جغرافیہ عرب کا قریب الانعام ہے۔ نہایت عمدہ طور سے ثابت ہوا ہے کہ قازان وہی میدان اور پہاڑ ہیں جہاں کعبہ واقع ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ قازان کے لفظ سے واقف ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ بہت بڑا رکن مباحثہ کا ہے۔ جس قدر لکھا ہے وہ انگریزی ہو گیا اور چھپ رہا ہے۔ اس وقت میرے سامنے دوسرے خطبے کے ۲۴ ورق چھپے ہوئے رکھے ہیں۔ پہلا خطبہ جو تیار رکھا ہے ایک نسخہ اس کا آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ اور جب دوسرا ختم ہو جاوے گا اس وقت وہ بھی بھیجوں گا اور علیٰ ہذا القیاس مگر اس بات کی احتیاط رہے کہ اس کتاب کی تصنیف کی شہرت نہ ہو اور جب تک کے کتاب پوری نہ ہوئے اور چھپ نہ لے اس وقت تک کسی کو نہ معلوم ہو کہ ولیم میوز صاحب کی کتاب کا جواب لکھا جاتا ہے۔ پس اختیار ہے اس کو مخفی رکھنا چاہئیے۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ قبل انعام کتاب جناب سروایم میوز صاحب کو اس کا حال معلوم ہو۔

بعد اتمام انشاء اللہ تعالیٰ میں خود اپنے ہاتھ سے نذر دونگا۔ اب بجز روپیہ کے اور کسی چیز کی فکر نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خط کے پہنچنے کے بعد میرے ظہور حسین کے پاس جائیے۔ اور میری یہ درخواست ہے کہ دونوں صاحب مل کر کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔ سود اور روپیہ میں ادا کروں گا۔ مگر چونکہ میں یہاں ہوں اس لئے کچھ بندوبست نہیں کر سکتا۔ ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کر کر ہزار روپیہ بھیج دو۔ اگر ہزار روپیہ آپ دونوں صاحب قرض لیکر مجھے بھیج دیں اور ہزار روپیہ یقینی دلی سے آوے اور پانچ سو روپیہ چندہ کے ذریعہ سے وصول ہو جاوے تو کتاب بخوبی چھپ جاوے گی۔ میں نے میرے ظہور حسین صاحب سے سو روپیہ چندہ کے طالب کئے ہیں، گو وہ کہتے ہیں تنگ ہوں مگر ضرور بھیجیں گے، وہ میری بات سے کبھی انکار نہیں کریں گے اور سو روپیہ آپ اپنے چندہ کے بھیج دیجئے اور اس خط کا جواب بلا توقف بھیجئے گا کہ ہزار روپیہ قرض کی تدبیر ہو سکی یا نہیں۔ کیونکہ اگر تدبیر نہ ہو سکے تو مجھے جلد اطلاع کرنی چاہئے تاکہ میں اور فکر کروں اگر یہ کتاب بعد چھپنے کے خاک میں ملا دی جاوے گی۔ تب بھی ہزار روپیہ جو قرض لئے جاتے ہیں وصول ہو جاویں گے۔ کیا کہئے اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے۔ ایک سوداگر صرف اسی خطبہ کے ڈیڑھ سو نسخے مانگتا تھا میں نے متفرق لیجئے سے انکار کیا۔ اُس نے بہت سی کتابیں دی ہیں مستعار واسطے لکھنے کتاب کے اس شرط پر کہ یہ کتاب سوائے اس کے اور کسی کے ہاتھ پر یورپ بھر میں نہ دوں۔ پس مجھ کو کچھ شک نہیں ہے کہ جس قدر روپیہ لیجے اُس سے بہت زیادہ قیمت

سے وصول ہوگا۔ صرف اس وقت رویہ لگانے کا وقت ہے اگر ہندوستان سے رویہ آنے کی مابوسی ہو جائے تو میں خود یہاں کے بینک سے رویہ قرض لوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب ضرور ہی پوری کروں گا۔

مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب کا کوئی خط نہیں آیا نہ چندہ سابق کا انہوں نے رویہ بھیجا۔ ان کا حال لکھو کہ وہ کیسے ہیں۔ اب زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں۔ والسلام

خاکسار سید احمد

مقام لندن۔ یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء

بتگالیوں کا اپیل دائر ہے ابھی حکم اخیر نہیں ہوا
محکمہ بند ہے نومبر میں کھلے گا۔

(۹)

مخدوم و مکرم من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ہلا تاریخ ملا اور دل کو باغ باغ خوش کیا۔ افسوس کہ جس مجلس میں مرزا صاحب و مولوی زین العابدین آپ کی خدمت میں جمع تھے۔ میں وہاں نہ تھا۔ میرے نیاز نامے جو آپ کے نام ہیں انہوں نے درحقیقت مولوی زین العابدین کو واسوخت کا مزا دیا ہوگا۔ جس قدر آپ نے مولوی زین العابدین کی محبت کا میری نسبت ذکر لکھا ہے درحقیقت وہ بہت کم ہے۔ اس کالر غارت کن ایمان کو جیسا کہ وہ ہے میں ہی خوب جانتا ہوں۔ اب آپ کو میری طبیعت کا حال بطوبی معلوم ہو گیا ہے۔ میں رشتے ناتنے کی سچی محبت اور دوستی کے آگے کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ مولوی س۔ خ کو میں اپنے حقیقی بھائی سے کم نہیں

سمجھتا تھا اور اب بھی بہ لحاظ آن کی صحت و تندرستی و خوشی و آرام و دینی و دنیوی عیش کے ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ اور ایسا ہی جانتا ہوں۔ آپ یقین جانتے کہ جس قدر مجھ کو اپنے بھائی کے سرنے کا رنج ہوا تھا اسی قدر یا اس کے قریب مولوی س۔۔۔ خ صاحب کی طرف سے جو میرے دل میں رنج و ملال آیا ہے اس کا مجھ کو رنج ہوا ہے۔ وہ مجھے ہیں انہوں نے دنیا نہیں دیکھی۔ دوستی و محبت کے معاملات و برتاؤ سے محض ناواقف ہیں۔ وہ کسی رنڈی پر عاشق نہیں ہوئے۔ کسی لونڈے پر وہ عاشق نہیں ہوئے ان کو مزہ دوستی اور محبت کا مطلق معلوم نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ جس شخص نے ایک گھڑی بھی عشق نہیں برتا وہ نہ خدا کی دوستی کا مزہ جانتا ہے نہ انسان کی دوستی کا اور نہ محبت کے لائق ہے۔ ان کی نا تجربہ کاری ہے جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی کے کہنے سننے سے ان کی طرف سے رنجیدہ ہوا ہوں۔ میں تو اس شخص کو کافر و بے ایمان سمجھتا ہوں جو دوست کی نسبت یہ خیال کرے کہ اس نے خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات کی یا کہی۔ میں تو دوست کے گلی دینے اور برا کہنے کو بھی دوستی پر حمل کرتا ہوں اور درحقیقت دوستی ہی کے سبب سے وہ بات ہوتی ہے مگر جب کہ حقیقت میں خلاف محبت و دوستی کے اور کوئی بات ہو تو پھر شیشہ محبت جو نہایت نازک ہے کسی طرح ثابت نہیں رہ سکتا۔ آپ خیال کیجئے کہ محبت اور دوستی ایسی سخت اور مضبوط چیز ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتی اور کوئی اس کو نہیں توڑ سکتا مگر وہ نازک بھی ایسی ہے کہ ہار یک سے ہار یک شیشہ اور حباب کو بھی اس سے نسبت نہیں ہے۔ وہ ہتھوڑوں اور ہزاروں صدیوں سے نہیں ٹوٹی۔ اور ایک ادنیٰ سی خلاف محبت بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اور جوں جوں محبت زیادہ بڑھتی اس کی نزاکت

آپ نے جو جو انتخاب احواء العلوم کے بھیجے ہیں اس کا شکر کرتا ہوں۔ خدا جزائے خیر دے اور خدا کرے تمہاری نیکیوں اور نمازوں کے بوجھ سے تمہارے خدا کی پشت خم نہ ہو۔ آمین۔ باقی انتخابات کا جن کو بھیجنے کا وعدہ ہے منتظر ہوں۔ میں نہایت خوشی سے آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میری کتاب کے دو باب اور ختم ہو گئے۔ ایک بشارت آنحضرت صلعم میں توریت و انجیل سے اور ایک حقیقت معراج و شق صدر میں۔ مگر جب دیکھنے کا کہ کیا لکھا ہے تو معلوم کیجئے گا۔

میں نے جن جن احباب کو چندہ کی شرکت کے لئے خط لکھے ہیں ان میں سے بعض نے انکار لکھ بھیجا اور بعض نے جواب نہیں بھیجا۔ نہ جواب آنے کی توقع ہے صرف ایک شخص نے سو روپیہ بھیج دئیے ہیں۔ اب صرف چھ جگہ سے آنے کی توقع ہے۔ سہدی علی۔ زمین العابدین۔ مرزا رحمت اللہ۔ ظہور حسین۔ قراب علی۔ محمد احمد بس کل سات سو روپیہ جمع ہوں گے۔ کتاب میں ہزار سے کم ہرگز خرچ نہ ہوگا۔ دیکھنے انجام کیا ہوتا ہے۔ بغیر قرض لئے کام نہیں چلنے کا۔ ایک ارادہ ہے کہ جلد اول چھاپ کر فروخت کرنی شروع کی جاوے۔ جس قدر آوے دوسری جلد میں صرف ہو۔ بہر حال خدا مالک ہے۔

مسٹر ڈیون پوٹ کی کتاب کا ترجمہ کرو الا جب تک میں نہ آؤں اس کے چھاپنے کی فکر مت کرو۔ نہایت مشکل ہے میں نے ایک کتاب اور مسٹر ہگینز کی تلاش کی ہے۔ وہ صرف ایک مرتبہ چند نسخے چھاپہ ہوئے تھے۔ وہ کتاب ایسی عمدہ ہے کہ مسٹر ڈیون پوٹ کی کتاب اس کے آگے آفتاب و ستارہ کی نسبت رکھتی ہے۔ میں نے جو ہزار روپیہ قرض لینے کی نسبت لکھا تھا اس کی ہایت کیا

صلاح ہوئی۔ مگر مرزا پور سے ہرگز قرض لینا منظور نہیں ہے۔
 الہ آباد کے بینک سے تم اور میر ظہور حسین شریک ہو کر قرض لو۔
 معجزات کا انتخاب اور اہل کلام نے جو تعریف معجزے کی بیان کی
 ہے اور جو بحث اس پر کی ہے۔ اور منکرین معجزات کا جو رد لکھا
 ہے۔ اس کا انتخاب جلد بھیجو۔ اس لئے کہ بالفعل میں نسبت نسب
 آنحضرت کے لکھ رہا ہوں۔ بھر نسبت روایات کے لکھوں گا۔ بھر نسبت
 قرآن کے۔ بھر نسبت رسوم جاہلیت کے اور یہ سب باب ایک مہینے ڈیڑھ
 مہینے میں ختم ہو جاویں گے۔ بھر بحث معجزات شروع ہوگی۔ آپ
 نے اپنے چندہ کا رویہ یقین ہے روانہ کر دیا ہوگا اور مرزا رحمت
 اللہ۔ اور زین العابدین نے بھی بھیجا ہوگا۔ میر ظہور حسین کے پاس
 سے کچھ جواب نہیں آیا، خط بھی نہیں آیا۔ عنقریب چہاہے والے کا
 بل آنے والا ہے۔

مجھ کو مطابق یاد نہیں ہے کہ وہ کونسا خط ہے اور اس
 میں کیا مضمون ہے جس کو پڑھ کر مہاں احمد جان صاحب روئے۔
 امید ہے کہ آپ مطلع فرماویں گے تاکہ اس بات کو اپنی معجزات کی
 کتاب میں لکھ لوں۔ والسلام علیکم وعلیٰ اٰلکم

خاکسار تابعدار شما - پندہ شما

حید احمد

از مقام لندن - ۲۹ نومبر ۱۸۹۹ء

(۱۰)

مخدوم و مکرم من۔ جس قدر آپ کی تاخیر تحریر سے مجھ
 کورنج و تردد ہوا ہے بیان سے باہر ہے۔ جب سے آپ کا خط
 محمود کے نام آیا تھا جس میں نہایت اجمال سے چند کلمات مشرودانہ
 درج تھے اس وقت سے ہر دم تردد و رنج سے خالی نہ تھا۔

الحمد للہ کہ آپ کا عنایت نامہ ۱۸ دسمبر پہنچا اگرچہ وہ تردد بالکلیہ رفع نہیں ہوا مگر کسی قدر رفع ہو گیا۔ آئندہ سے خطوط سے انشاء اللہ تعالیٰ بالکل رفع ہو جاوے گا۔ میں نے متعدد خطوط آپ کے نام بھیجے ہیں۔ اور آئندہ سے ہر ہفتے بلا ناغہ بھیجتا رہوں گا۔ غلام کو تعمیل حکم میں ذرہ فرق کرنے کا مقدور نہیں ہے (جیسا کہ ایک عرضی سے جو اخبار میں چھپے گی ظاہر ہوگا)۔ کتاب جو چھپ رہی ہے میں یقین کرتا ہوں کہ اس کی بدولت مجھے لندن میں بسبب تنگی خرچ نہایت تکلیف اور محتاجی اور قرضداری اٹھانی پڑے گی۔ تن بہ تقدیر انگریزی مصنفوں اور جناب سیز صاحب نے ایسا کچھ لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کی چاروں جلدوں کا جواب چار جلد سے کم میں آوے۔ جلد اول میری کتاب کی بالکل جواب ہے ان کی پہلی جلد کا اور اور مصنفوں کا جنہوں نے اس قدر مضمون پر لکھا ہے۔ میرے ہم قوم اس معنت کی جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے قدر نہیں کریں گے۔ بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے۔ کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علما کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ پس ہمارے شفیق تمام چیز کو چھوڑ کر انہی مسئلوں کی بدولت فتویٰ کفر دیں گے۔ خطبہ بشارت کا پروف آپ کے پاس بھیجتا ہوں اس کو پڑھو اور انصاف کرو کہ میں نے کیا لکھا ہے اور میں فخر سے کہتا ہوں کہ جناب حضرت مولوی امداد العلی صاحب بھی ایسا نہ لکھ سکیں گے۔

بھائی جان! سنا اب یہ وقت نہیں رہا کہ میں اپنی مکتوبات ضمیر کو مٹاتی رکھوں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اس روشنی کو جو قرآن و احادیث صحیح سے

حاصل ہوتی ہے نہ تلاشی کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کریں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جاوے گا۔ اسی غیر خواہی نے مجھ کو برانگیختہ کیا ہے جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور تقلید کی پرواہ نہیں کرتا، ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لئے اور بہشت میں داخل ہونے کے لئے ائمہ کبار تو درکنار مولوی جیوی بھی تقلید کافی ہے۔ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کہہ لینا ہی ایک ایسی طہارت ہے کہ کوئی نجات باقی نہیں رہتی۔ پس میں چاہتا ہوں کہ یہ دلائل و مباحثہ مجھ کو قائل کر دیا جائے کہ میری یہ رائے صحیح ہے یا غلط اور میں دشمن اسلام ہوں یا مثل ابوبکر و عمر کے دوست اسلام ہوں۔ آیا میں جو اسلام کو ابوحنیفہ و شافعی سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ ابوحنیفہ و شافعی تو درکنار ابوبکر و عمر بھی بالفرض اگر کچھ غلطی کریں تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں ہو سکتا۔ اور میرا یہ اعتقاد کہ اگر تمام عالم کافر ہو جاوے یا تمام عالم فرشتہ ہو جاوے تو خدا کی خدائی میں کچھ نقصان یا زیادتی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اسلام کے مسائل کا حال ہے کہ اگر تمام مجتہدین صواب پر ہوں یا غلط پر اصل اسلام کی جو روشنی ہے اس میں کچھ نقص نہیں ہے۔ پس یہ اعتقاد میرا صحیح ہے یا غلط۔ اگرچہ بعض احباب کے سامنے اسی مضمون کو مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے الا آج تک عام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا تھا۔ آج میں نے ایک عرضداشت بخدست اہل وطن لکھی ہے اور واسطے چھپنے کے بھیج دی ہے اس کے شروع میں یہ مضمون بھی لکھ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو آپ کی رائے ہو اس کی نسبت آپ بھی

لکھ کر اخبار میں یہ ثبت اپنے نام کے چھپوا دیجئے ۔ خواہ آپ کی رائے مطابق ہو ۔ میری رائے سے یا مخالف ۔

لوگوں نے اخبار میں جو مجھے برا بھلا لکھا اس سے آپ کو غصہ آ گیا ۔ معلوم نہیں کہ آپ نے آرٹیکل میں کیا لکھا ہو گا ۔ مگر مجھ کو کہاں تک بچاؤ گے میں تو ہدف تیرے لئے سلامت ہو گیا ہوں ۔ اور رفیق بروز ہوتا جاؤں گا ۔ شاید بعد میرے کوئی زمانہ آوے ۔ جب لوگ میری دلسوزی کی قدر کریں ۔ میرے خطوط کا مضمون جو آپ نے اپنے آرٹیکل میں لکھ دیا آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں ۔ اگر میرا بس ہوتا تو ایسا نہ کرنے دینا ۔ بہر حال جو تمہاری خوشی ہے وہ میری مرضی ہے ۔ میں نے عرضی میں اپنے دل کا حال اپنے دوستوں کے ساتھ لکھ دیا ہے اور برادران عزیز کا بھی ۔ اب کہ ہر ہفتے خط لکھوں گا اس لئے اس کا طول دینا ضرور نہیں ہے ۔ آئندہ ہفتہ میں لکھوں گا ۔

محمود چار شخصوں کا ذکر کیا کرتا ہے ۔ محمد احمد کا ۔ آپکا ۔ مرزا رحمت اللہ کا اور ذکر یہ ہوتا ہے کہ میں جا کر ان تینوں سے کہوں گا ۔ بالکل طریقہ زندگی بدل دیں اور نہایت صفائی اور عمدگی سے رہنا اختیار کریں ۔ اور میر ظہور حسین کا ذکر وکالت کے باب میں ہوا ہے ۔

انشا اللہ تعالیٰ یہ دن مفارقت کے بغیریت گزرتے ہیں ۔ اور انشا اللہ تعالیٰ ہم سب بغیر و غویں ملیں گے اور جو جو کچھ دل چاہتا ہے سب کچھ انشا اللہ تعالیٰ ہو گا ۔ والسلام

حاکیمار سید احمد

از مقام لندن ۲۱ جنوری ۱۸۷۰ء

حافظ صاحب کو بہت بہت سلام

جناب مولانا مکرم من سلامت - بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ آپکی تقریر دلسوز و رقت خیز و درد انگیز بات مدرسہ عربی دہلی مقرر کردہ جناب مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب جو اخبار سوسائٹی میں چھپی میں نے دیکھی - حقیقت میں نہایت پر اثر ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپکے دل سے نکلی ہے کیونکہ سیدھی دل میں بیٹھتی ہے - آپ نے تو خوب اہل دہلی کو نالایق و ناشائستہ مثل حیوان کے بتایا، یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ ہم ذرا سی بات کہیں تو فضاہت ہوں اور تم دشنام کے قریب تک کے لفظ کہو اور کوئی کچھ نہ کہے اور سب جناب مولوی صاحب جناب مولوی صاحب کہہ کر ہاتھ چومیں - میں جانتا تھا کہ مولوی سمیع اللہ خان قریب سو روپیہ ماہواری کے اپنے پاس سے دیتے ہوں گے - افسوس ہے کہ کل چندہ عزار سے بھی کم ہوگا اور اگر فرضی جمع خرچ کی رقم اس میں شامل ہے تو کچھ بھی نہیں - افسوس کہ آپ نے اپنی تقریر میں یہ نہ فرمایا کہ خود ہائی نے جو فضل الہی سے تمام اعزہ موجودہ دہلی سے مقتدر ہیں کسی قدر روپیہ دیا - اس وقت البتہ آپکی لعنت ملامت محتاجان دہلی پر جو نان شبینہ کو محتاج ہیں درست و بجا ہوتی - میں سوسائٹی کے لئے سب سے بھیک مانگتا ہوں مگر دس ہزار کئی سو روپیہ مجھ فقیر نے اپنے پاس سے دیا ہے - پس ایسی حالت میں اگر میں بھائی سہدی علی سے سو روپیہ دینے کو کہوں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے -

جان من و جناب من ایسے ایسے مدرسوں سے کچھ فائدہ نہیں ہے - افسوس کہ مسلمان ہندوستان کے ٹوٹے جاتے ہیں اور کوئی کن کا نکالنے والا نہیں ہے - ہائے افسوس ارب نہوکتے ہیں اور زہر نکلتے ہیں - ہائے افسوس ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے

ہیں اور مگر کے منہ میں ہاتھ دیتے ہیں ۔ اے بھائی سہدی کچھ نہ کرو اور یقین جانو کہ مسلمانوں کے ہونٹوں تک پانی آگیا ہے ۔ اب ڈوبنے میں بہت ہی کم فاصلہ باقی ہے ۔ اگر تم یہاں آئے تو دیکھنے کے تربیت کس طرح ہوتی ہے اور تعلیم اولاد کا کیا قاعدہ ہے اور علم کیونکر آتا ہے ۔ اور کس طرح ہر کوئی قوم عزت حاصل کرتی ہے ۔ انشا اللہ تعالیٰ میں یہاں سے واپس آن کر سب کچھ کہوں گا اور کروں گا ۔ مگر مجھ کافر و مردود و گردن مروڑی ہوئی مرغی کھانے والے، کفر کی کتابیں چھاننے والے کی کون سنے گا، میں اپنی کتاب کا دیباچہ بھی آج لکھ چکا ۔ الحمد للہ علی احسانہ ۔ والسلام

خاکسار سید احمد

از مقام لندن ۱۱ فروری ۱۸۷۰ء

(۱۲)

جناب معنوم من سلامت ۔ بعد سلام مسنون التماسی میں کہ شکر خدا کہ ہزاروں انتظار کے بعد آپکا عنایت نامہ مورخہ ۹ فروری پہونچا ۔ آپ کی صحت و سلامتی اور خوشنودی مزاج اور معنونی جمیع آفات سے شکر خدا کیا ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ با عزت و اقبال رکھے آمین ، او خدا تو ان کا بھی خدا ہے جو حلال کی ہوئی مرغی کھاتے ہیں اور ان کا بھی خدا ہے جو گردن مروڑی ہوئی مرغی کھاتے ہیں ۔ مجھ مری مرغی کھانے والے کی بھی دعا قبول کر آمین، آپ کو دربار میں کھڑی ملنا مبارک ہو ۔ آپ نے تعالیٰ سفر کلکتہ تا دہلی میں دیکھے ہوں گے ۔ نہایت خوب کیا جو آپ نے یہ جلسے دیکھے ۔ قصہ عاد و ثمود کو میں نے اپنی کتاب میں نہایت مختصر کر دیا ہے ۔ مخالفین ان قصوں سے انکار کرتے ہیں اور

قصہ باغ ارم پر ہنستے ہیں اور سد سکندری کے قصے کو جھوٹ کہتے ہیں۔ پس آپ لوگ بڑے مولوی کہلاتے ہیں اس کا ثبوت دیویں۔ میں نے حضرت علماء مسلمین کی تاریخی اولٹ ڈالیں۔ جو ہزرگوار ہیں وہ اس قصے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آئین نقل کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ اور جھوٹ طوفان کہانیاں ملا دیتے ہیں۔ ہا ہا قرآن مجید کو وہ لوگ جن کے جواب دینے کو اس کا ثبوت درکار ہے قبول نہیں کرتے۔ بلکہ خود اسی پر اعتراض کرتے ہیں اور جو قصہ اس میں بیان ہے اسی کو تو وہ غلط بتاتے ہیں۔ پھر وہی چیز ان پر دلیل نہیں ہو سکتی۔ میں نے لکھا ہے کہ باغ ارم عمارات ذات عماد، غلط محض ہے اور ”ارم ذات العماد الٰہی لم یخلق مثلها فی البلاد“ سے ایک محل یا چوکھنبہ یا ہزار کھنبہ سمجھنا غلط ہے۔ وہ صرف ایک قوم کا ذکر ہے جو اولاد ارم سے تھی اور چونکہ وہ دراز قد تھے جیسے کہ بعض قوم کے آدمی دراز قد ہوتے ہیں۔ صرف ان کو تشبیہاً ذات العماد کہا ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ تشبیہاً فرمایا ہے ”کانہم اعجاز نخل خاویہ“ حال یہ ہے کہ میں خدا کا اور اس کے رسول کا اور اس کے کلام کا دوست ہوں ملا مولویوں کا دوست نہیں ہوں جو مثل یہودیوں اور عیسائیوں کے ان کو ”ارباۃ من دون اللہ“ سمجھوں۔ اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو تاریخ سے اور غیر مذہب کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ پس اب میں ایک برس کی مہلت دیتا ہوں کہ ان قصوں کو جس طرح پر کہ ہمارے مولوی صاحبان فرماتے ہیں اور مجہول پر پیشہ کر وعظ میں لوگوں کو پھسلاتے ہیں۔ یا جس طرح پر کہ ہمارے مورخین باعلم اس کو لکھتے ہیں اس کا ثبوت دیویں۔ یا وہ بھی بتا دیں کہ باغ ارم اور سد سکندر کس ملک میں اور کس جگہ تھی اور اب بھی ان ستونوں میں سے کوئی ستون مل سکتا ہے۔ افسوس

صد افسوس ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو ایسی لغو اور سہل کہانیوں میں ڈال دیا۔ اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو اس کو کافر، لامذہب، مرتد، عیسائی، حرام خور، سری مرغی کہانے والا بتاتے ہیں۔ آیت ”یائی من بعدی اسمہ احمد“ کا نہایت عمدہ بیان مسٹر ہگنز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور بخوبی بجنسہ اس آیت کا موجود ہونا انجیل پوچنا میں ثابت کیا ہے۔ اور وہی مشہور لفظ ”فارقیط“ کا ہے۔ مگر جس طرح ہر کہ اس کو مسٹر ہگنز نے ثابت کیا ہے اس کو پڑھ کر مسلمان متعصب مولویوں کو غیرت کرنی چاہئے کہ جو کام ان کے کرنے کا تھا اس کو ایک غیر مذہب کے منصف شخص نے کیا ہے۔ میں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا۔ بعینہ مسٹر ہگنز کی تحریر نقل کر دی ہے۔ مگر ایک اور عمدہ بات میں نے یہ ثابت کی ہے کہ نام آنحضرت کا ”محمد“ توریت میں موجود ہے۔ چنانچہ عبری توریت میں وہ لفظ اور نشان شمائل آنحضرت کے بجنسہ نکالے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی میں کافر ہوں اور یاران باد فروش وعظ گو مسلمان۔ کیا انہوں نے خدا کو بھی اپنا ہی سا نابینا یقین کیا ہے۔ چند ہفتے ہوئے کہ باب بشارت تمامہ میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں اس کو ضرور سنئے۔ یہ سب بحث اس میں مندرج ہے اور یاران زمانہ سے ایک فتویٰ پوچھئے کہ آنحضرت صلعم کی بشارت کے اثبات میں ایک شخص نے اس قدر محنت و جانکاهی کی ہے وہ شخص کافر ہے یا مسلمان۔ انظر ربی انظر ربی۔ اسمع یا محمد اسمع یا محمد ما تقول امتک الذابتک اللہ یقول علی اسمک بابی وکسی یا رسول اللہ اللہ اعدنا و اعدہم اللہم اغفر لنا و اغفرہم برحمتک یا ارحم الراحمین۔ میں

جر خط لکھتا ہوں خاص نمبرائے پڑھنے کے لئے لکھتا ہوں۔ مجھے ایسے لفظوں میں لکھنا نہیں آتا جو اندھوں کے دکھانے کے لائق ہو۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر لوگ مجھ کو برا کہتے ہیں اگر خدا مجھے اس پر صبر کامل عطا کرے تو میرے لئے ایک نہایت عمدہ زاد راہ وہاں کے لئے ہاتھ آئے۔ حج کریں حاجی صاحب۔ حدیث پڑھیں مولوی صاحب اور سب کا نتیجہ ہم کو ملے اس سے زیادہ کیا خوب بات ہوگی۔ جو جو نصیحتیں آپ نے مجھ کو ارقام فرمائی ہیں ان کا دل سے شکر گزار ہوں اور دل سے اقرار کرتا ہوں کہ اس پر عمل کروں گا اور اس عریضے کی تاریخ آپ یاد رکھیے گا۔ اس کے بعد میری کوئی تحریر نہ دیکھئے گا۔ میں اپنی تحریر سابق کو ذرہ بھی سخت نہیں سمجھتا۔ کیا میں نے اس میں کسی کو گالیاں دیں ہیں۔ کیا مینڈک کی کہانی کا یہ مقصود ہے جو انہوں نے نکالا ہے یا صرف وہ مشہور کہانی ہمیشہ اس مثل کی جگہ استعمال ہوتی ہے کہ جس کسی نے ایک چیز نہیں دیکھی وہ اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ صرف یہ لفظ کہ وہ مثل حیوان کے ہے سخت ہے۔ گو حقیقت میں نہیں ہے خدا ان کو سمجھا دے۔ ان اندھوں سے کہو کہ ذرا انگلشمن کلکتہ کے اخبار کو پڑھا کریں کہ وہ کیا کچھ حضرات ہندوستانیوں کی نسبت لکھا کرتا ہے۔ اور انگلستان کے اخبار اس کو نقل کر کر کیا باتیں لکھتے ہیں۔ حقیقت میں کمال بے غیرتی کی بات ہے کہ ایسی باتیں جو حقیقت میں سچ ہیں ہم دیکھیں اور زندہ رہیں۔ زیادہ تر مجھ کو مسلمانوں پر رنج اور افسوس ہے۔ یہاں کے کتب خانوں میں بعض قدیم انگریزی کتابیں میں نے دیکھیں جن میں مسلمانوں کے چال چلن۔ ان کی سچائی اور ایمانداری کی تعریفیں اور مثالیں لکھی ہیں۔ زمانہ حال میں جو کچھ ان کے اوصاف چہرے ہیں ان کو دیکھ کر

غیرت مند آدمی کو تو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہتی ۔ تمہارے محمود کی رائے ہے کہ جو صفت لفظ جنٹلمین کی ہے بہت کم رئیس ہندوستانی ہوں گے جن پر صادق آتی ہو ۔ ایک خط اس کے پاس یہاں شریف خاندان کے شعلے کا آیا ۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ میں نے کئی خط رجسٹری کرا کے بھیجے ہیں ۔ اس نے کہا ہے کہ ایسا جھوٹ لکھنا کیا جنٹلمین کا کام ہے ۔ جب ان کو اس بات کی بھی شرم نہیں آتی کہ جس کو میں لکھتا ہوں وہ جھوٹ سمجھے گا تو وہ کیونکر جنٹلمین کہنے جا سکتے ہیں ۔ غرض کہ لوگوں نے ایسی بد عادتیں اختیار کر لی ہیں جس سے شیطان کو بھی شرم آتی ہے اور اصل یہ ہے کہ غیرت نہیں رہی اور جھوٹی شیخی میں مرنے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ میری باتیں سننے سے آپ کو نہایت رنج ہوتا ہوگا ۔ اور اس جوش میں آپ نے کچھ لکھا ہوگا جو اب تک میں نے نہیں دیکھا مگر آپ کیوں نہیں صبر کرتے اور آئندہ سے آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کا میں نے اقرار کر لیا ہے ۔ پچھلے گناہوں سے توبہ ، توبہ ، توبہ مگر صرف آپ کے حکم سے ۔ میں انشا اللہ تعالیٰ عنقریب آنے والا ہوں ۔ مسٹر ڈیون ہوٹ کی کتاب کا چھپنا میرے آنے تک ملتوی کیجئے میں خدا معلوم آپ سے کیا کیا کہنے کو ہوں ۔ اور کیا کیا کرنے کو ۔ بعد سب گفتگو کے جیسا مناسب ہوگا کیا جاوے گا اس قدر جلدی کیا ضروری ہے ۔ اخبار میں لفظ حاشیہ کے غلط چھاپ دینے میں ”لم لایجوز“ کا ”لم یجوز“ چھاپا ہے ۔ میں بڑا خوش ہوا کہ میں ادیب ہو گیا واہ وا ۔ میں ایسا ہی ادیب ہوں کہ حریری و متنی میرے سامنے مات ہیں (جھوٹی شیخی پر لعنت) (ایسی شیخی پر قف) میں ہمیشہ سیدھی طرف گردو میں خط لکھتا ہوں ۔ مگر جب کاغذ ایسا ہوتا ہے جس کی پیشانی پر پھول یا نقش بنے ہوتے ہیں یا کچھ چھپا ہوتا ہے ۔ اور وہ خط لکھنے کو موجود ہوتا

ہے تو لاجار باتباغ وضع کاغذی آس طرف سے لکھا جاتا ہے ۔ اب آپ کا جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کروں گا اور کبھی اس قسم کے کاغذ پر عریضہ نہ لکھا کروں گا ۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ نصف آخر ماہ اگست میں یہاں سے روانہ ہوں گا اور ایک ہفتہ مصر میں رہوں گا اور وہاں کے مسلمانوں کا حال دیکھوں گا اور آخر ستمبر میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی زیارت بمقام الہ آباد حاصل کروں گا ۔

محدود کو جو آپ سے عقیدت و محبت ہو گئی ہے بیان سے باہر ہے ۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپکا تذکرہ نہایت جوش محبت سے نہ کرتا ہو۔ اس کو حد سے زیادہ مسلمانوں کے اشر حال کا رنج ہے اور تمام خیالات جو قریب مایخولیا کے ہیں پکاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ ہس مولوی مہدی علی میرا ساتھ دیں گے اور میں اور وہ مل کر یہ کام کر لیں گے۔ وہ اپنے میں اور آپ میں کچھ فرق نہیں کرتا ہے ۔ بعض دفعہ کہتا ہے کہ ہم یوں کریں گے اور حقیقت میں اس لفظ ہم سے مولوی مہدی علی مراد ہوتے ہیں ۔ اس کو مذہب اسلام اور اس کی خوبیوں اور اس کے مسائل کی سچائی پر ایسا استقلال اور یقین کامل ہو گیا ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔ میں نے اس کتاب میں ذکر حجر اسود لکھا ہے وہاں یہ بات لکھی ہے جو حدیثیں نسبت حجر اسود کی وارد ہیں کہ وہ بہشت کا پتھر ہے اور چنی و چناں وہ ضعیف ہیں ، سند کامل نہیں رکھتیں ۔ وہ دو گھنٹے تک بیوقوفی سے لڑا کہ نہیں یہی سچ ہے اور اسی پر مجھے کامل یقین ہے ۔ میں نے کہا بابا نواہنا یقین اپنے ساتھ رکھو ۔ تو میری رائے میں کیوں دخل کرتا ہے ۔ کہا کہ نہیں جو مجھے یقین دل سے ہے وہ ہی سچ ہے۔ غرضکہ ایسی بیوقوفی

کی باتیں کرتا ہے۔ جب کہ میں نے اس کی تحقیقات بیان کی اور اصلیت کہی اور بیان کیا کہ وہ کیا چیز ہے اور اصلیت اس کی کیا ہے تو اس سب کو پسند کیا۔ مگر کہا وہ بھی سچ ہے اور یہ بھی، لکھ دو کہ حقیقت میں فرشتے بہشت سے لے کر آئے تھے۔ تمنا یہ ہوا کہ جب نوبت تحریر اس اعتراض کی پہنچی کہ حجر اسود کو ہوسہ دینا اور کعبہ کے گرد پھرنا کیوں بت پرستی نہیں اور سہادیو کے گرد پھرنا اور ڈنڈوت کرنا کیوں بت پرستی ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کا اعتراض ہے کہ آنحضرت صلعم کامل طرح سے بت پرستی موقوف نہ کر سکے، نو جھٹ پٹ بول اٹھا کہ ”خدا کا حکم“ میں نے کہا کہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ خدا کا حکم جب نہایت حق ہوا اور کچھ جواب نہ بن پڑا تو جو جواب میں نے لکھا ہے وہ سناہا اس کو سن کر اس کا خون بڑھ گیا کہ اسلام پر سے یہ اعتراض خوب اٹھایا گیا ہے حدیث ”غرائیق“ کے بیان میں اور حدیث ”الشیخ والشیختہ“ میں میں نے آپ کے ہاں کے علماء کو نہایت سخت لکھا ہے اور امام فخرالدین وغیرہ کو اپنے ساتھ کر لیا ہے۔ اگر اُس زمانہ میں میں ہوتا اور خلیفہ یا قاضی ہوتا تو ضرور اُن مولوی صاحبوں کو جنہوں نے اتہام اُن دونوں حدیثوں کا آنحضرت صلعم پر لگایا ہے تعزیر کرنا۔ میں نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اُن انگریزوں کی تصنیف کا حال جنہوں نے آنحضرت پر اعتراض کئے ہیں لکھا ہے اور اُن انگریزوں کا جنہوں نے نہایت انصاف سے مذہب اسلام کی حمایت کی ہے شکر کیا ہے اور اُن کے اقوال اور رائے بھی جاہجا نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن دو شخصوں کی راہوں کے دو ہرچے اس عریضے میں موقوف کرتا ہوں اُن کے ترجمے صحیح لکھنے اور دیکھنے کہ کیا چیز ہیں اور میرے حق میں دعائے خیر کیجئے کہ میں نے کسی کسی محنت سے کیا چیزیں

پیدا کی ہیں۔ ہزاروں باتیں کہنے کو ہیں کہاں تک لکھتا جاؤں۔
حافظ کریم بخش صاحب کی عنایت و محبت دلی کا حد سے زیادہ
شکر گزار ہوں۔ میں اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کا خواہ وہ فقیر
ہو یا بیچارہ غریب حافظ بندہ درم ناچیز بندہ ہوں۔ میرا بہت بہت
سلام آن کو پہنچے۔ حامد بہت تسلیات آپ کو اور سلام اور نیاز
حافظ جی کو عرض کرتا ہے۔ محمود نے کہا کہ میری طرف سے
آن کو کچھ ست لکھو میں آپ لکھوں گا۔ چھجو بہت تسلیات عرض
کرتا ہے۔ آپ کے عنایت آمیز لفظ سن کر پھولا نہیں۔ ساداتہ اللہی خان
خاندان کو سلام پہنچے۔ بعلی خدمت جناب مولوی معین
الدین صاحب بعد سلام سنون عرض یہ ہے قصہ عاد و ثمود و باغ
آرم و سد سکندر کا ثبوت کتابوں سے ڈھونڈ کر نکال رکھئے مگر ایسا
ثبوت جو غیر مذہب والوں پر حجت ہو اور یہ بھی اوقام فرمائیے
کہ پہلے نو ہم صرف کرلیے تھے اور اب ہم نیم چڑھے ہو گئے
اب بھی ہمارے ساتھ کھائے گا یا نہیں۔ والسلام

خاکسار سید احمد

از مقام لندن ۱۶ مارچ ۱۸۷۰ء

جو صدمہ کہ ادائے لاگت کتاب کا مجھ پر ہے بیان نہیں
ہوسکتا۔ مگر آپ کے عنایت نامے سے جس میں ہر طرح کی تقویت
ہے جان آگئی۔ خدا انجام بخیر کرے۔ نواب ٹونک کے پاس سے
اگر ہزار روپیہ ملے تو کیا کہنا ہے۔ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر
جب تک آنہیں جائے نسلی نہیں ہوتی۔ زیادہ اس باب میں
لکھنا فضول ہے۔

جناب مخدوم مکرم من - آج کی ڈاک میں کوئی عنایت نامہ آپ کا نہیں آیا ، سات دن تک امید بندھی رہتی ہے۔ جب نہیں آتا تو نہایت مایوسی ہوتی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہندوستان پہنچنے سے پہلے آپ ایک ایسوسی ایشن خاص مسلمانوں کی بہتری و اصلاح کے لئے قائم کر رکھیں ۔ اپنی طرف سے آپ ایک التماس واسطے تقرر مجلس مذکورہ کے چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کریں اور ممبر جمع کر کر ایسوسی ایشن بنالیں ۔ تاکہ مجھ بدنام کا نام نہ اس میں آنے پاوے اور کچھ کسی کو احتمال بھی نہ ہو کہ کچھ سہری شرکت اس میں ہے ۔ ایک مسودہ التماس کا جو آپ کی طرف سے تقسیم ہونا چاہئے سرسری طور پر لکھ کر بھیجتا ہوں اس کے پڑھنے سے میرے خیالات آپ کو بخوبی روشن ہو جائیں گے ۔ آپ اس کو اپنے طور پر اور اپنی عبادت میں بعد تغیر و تبدل جس طرح پر چاہیں مرتب کر کر چھاپیں ۔ کاروائی اس سوسائٹی کی میرے آنے کے بعد شروع ہو۔ آپ غور فرمائیں کہ ایسی سوسائٹی یا ایسوسی ایشن کا بنانا نہایت ضروری ہے ۔ اس پر آپ ضرور متوجہ ہوں اس ایسوسی ایشن کا کوئی عمدہ سا نام تجویز فرمائیے ۔ میں نے جو نام لکھا ہے نہایت بڑا ہے آپ کوئی تجویز کریں ۔ میرے خیال میں مفصلہ ذیل نام آئے ہیں ۔

مجلس الفلاح فی معاشرت المسلمین۔ مجلس المومنین فی اصلاح معاشرت المسلمین ۔ مجلس تہذیب اخلاق مومنین ۔

مکراں ناموں میں سے کوئی نام بھی عمدہ نہیں ہے ۔ بہر حال آپ جو نام تجویز کریں اس کو ایک پرچہ کاغذ پر نہایت

خوش خط عربی خط میں جناب حافظ جی صاحب سے لکھوا کر میرے پاس بھیج دیں کہ میں اس نام کی نہایت خوبصورت آہنی پٹری یہاں سے بنواتا لاؤں گا، کہ جو ماہواری رسالہ ایسوسی ایشن سے نکلا کرے گا اس پر وہ نام بذریعہ اس پٹری کے جو نہایت خوبصورت ہوگی چھپا کرے گا۔ یہاں سب خوبصورتی اس پٹری کی ہو جاوے گی۔ الاحرف جیسے لکھے آویں گے بعینہ ویسے ہی بنیں گے اس لئے حرف نہایت خوشخط ہوں اور بہت پرکار قلم سے نہ لکھا جاوے بلکہ متوسط قلم سے ہو اور اس کا قلم اس سے زیادہ موٹا نہ ہو جیسا کہ یہ لفظ بطور نمونہ کے لکھتا ہوں۔

اب ج

چندہ اور رسوم داخلہ جو میں نے تجویز کی ہے اس میں کچھ زیادتی کمی نہ فرمائیے گا۔ کیونکہ وہ نہایت مناسب ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کی رائے میں ایسوسی ایشن کا مقرر کرنا اچھی بات ہے یا نہیں۔ مگر میں تو اس کو نہایت مفید سمجھتا ہوں اس کے انجام کے لئے چنداں خرچ کی بھی ضرورت نہ ہو گی۔ قواعد اس کے اور تمام ہندوستان اس کارروائی کا دھان پہنچ کر میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ مگر آپ اس کا اشتہار میرے آنے سے پہلے دے دیجئے اور ممبر جمع کر لیجئے۔ جہاں تک ممکن ہو مختصر نام تجویز کیا جائے اور جب پرچہ کاغذ پر نام عربی خط میں لکھا جائے تو خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی سطر اس لکیر سے جو میں نیچے کھینچتا ہوں زیادہ لمبی نہ ہو جاوے۔ بلکہ اگر اس سے کم ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ پٹری کے بننے اور اس کی خوبصورتی میں دقت پڑے گی۔ اگر اس قلم سے جس کا نمونہ میں نے بتایا نہ آ سکے تو قدرے قلم اور باریک کر لیا جاوے مگر سطر اس سے بڑی نہ ہونے پائے۔ لفظ

بخدمت جناب حافظ جی صاحب سلام مسنون بصد نیاز پہونچے -
والسلام

خاکسار سید احمد

از مقام لندن تاریخ روانگی خط ۲۲ اپریل ۱۸۷۰ء

(۱۴)

جناب مخدوم و مکرم من - دیکھنے ابکی میل میں بھی آپ کا کوئی عنایت نامہ آتا ہے یا نہیں - کئی روز ہوئے کہ میں نے آپ کو واسطے مقرر کرنے ایک ایسوسی ایشن کے خط لکھا تھا - میری رائے میں مناسب ہے کہ ابھی اس کی تدبیر ملتوی رکھی جائے - کیونکہ اس میں بہت سے امور ایسے ہیں کہ بغیر زبانی گفتگو و جواب و سوال و صلاح و مشورہ کے طے نہیں ہو سکتے -

میرے پاس 'شعلہ طور' کان پور پہونچا - آپ نے دیکھا کہ دشمنوں اور حاسدوں اور بد طبیعتوں کا کچھ علاج نہیں - آپ نے جو گفتگو عم نواب ٹونک صاحب سے میری نسبت کی وہ کہی صفائی اور نیک دلی کی تھی - اعانت کتاب کی جو آپ نے ان سے درخواست کی وہ صرف ایک اپنی نیکی سے کی - اب اس مجلس کا نام (چندہ دستگیری مسافر لندن) رکھا گیا ہے جو مضمون کہ اس میں لکھا گیا وہ آپ نے پڑھا ہوگا - اور امید ہے کہ اور بہت لکھا جاوے گا - اگرچہ ایسی باتوں سے دل کو ملال ہوتا ہے جو بمقتضائے بشریت ہے مگر فی الفور رفع ہو جاتا ہے اور دل کو صرف دو خیالوں سے تسلی ہوتی ہے - اول تو اس خیال سے کہ آج تک کوئی نیکی چاہنے والا ایسا نہیں ہوا جس کے مقابل میں کوئی نہ کوئی دشمن مخالف نہ کھڑا ہوا ہو - آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ

پہر رسول اللہ، خلفائے اربعہ، محی الدین چیلانی، مجدد الف ثانی،
 عبد السمیع دہلوی و علی ہذاقیاس۔ پس میں تو ان کی چوتیوں کے
 برابر بھی نہیں ہوں میری مخالفت پر کمر باندھنی کچھ بڑی بات
 نہیں ہے۔ دوسرے اس حال سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جوں جوں
 مخالفوں نے نیکی کا مقابلہ کیا ہے ووں ووں نیکی بڑھتی گئی ہے۔
 اگر میرا کاروبار میری نیت سچی اور نیک ہے تو انشا اللہ تعالیٰ اس
 میں کچھ نقصان نہیں ہونے کا اور اگر وہ نیک نہیں ہے اور میں
 غلطی سے اس کو نیکی خیال کرتا ہوں تو بلا شبہ ٹوٹ جاوے گا
 اور مخالف جو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ نیکی پر ہوں گے
 کامیاب ہونگے اور ایسی حالت میں مجھکو بھی آنکی کامیابی پر خوشی
 کرنی ہوگی نہ اپنی تدابیر کے ٹوٹنے اور اپنے دھوکے میں پڑے
 ہونے کا رنج۔ جس رویہ کے دینے کا نواب صاحب ٹونک کے چچا
 نے وعدہ کیا ہے اس کے ملنے کی مجھ کو ہرگز توقع نہیں ہے۔
 یحییٰ نہیں ملنے کا۔ مگر ہمارے شفیق جناب مولوی سید امداد
 العلی خاں بہادر کو عمدہ مضمون ”چندہ دستگیری مسافر لندن“
 مل گیا۔

دیکھو دشمنی آدمی کو ایسا اندھا کر دیتی ہے۔ اسی اخبار
 میں تاریخ ہندوستان کے مضمون کو نقل کر کر ہشد و مد لکھا ہے
 کہ جس شخص نے یہ ترجمہ خود لکھا ہے وہ کیسا جہنمی ہے۔
 حالانکہ خود اسی عبارت کو لکھتے ہیں پھر مجھ میں اور ان میں کیا
 فرق ہے۔ صرف اتنا کہ میں نے انگریزی سے نقل کیا انہوں نے
 اردو سے۔ ایک اور مجھے خبر ملی ہے جس کا مجھ کو کمال رنج
 اور فکر ہے۔ بابو شیو پرشاد صاحب کی تحریک سے عموماً ہندو لوگوں
 کے دل میں جوش آیا ہے کہ زبان اردو خط فارسی کو جو مسلمانوں
 کی نشانی ہے مٹا دیا جائے۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے سین ٹیفک

سوسائٹی کے ہندو ممبروں سے تحریک کی ہے کہ بچائے اردو کے ہندی میں ہو تو ترجمہ کتب بھی ہندی میں ہو۔ یہ ایک ایسی تدبیر ہے کہ ہندو مسلمانوں میں کسی طرح اتفاق نہیں رہ سکتا۔ مسلمان ہرگز ہندی پر متفق نہ ہونگے اور اگر ہندو مستعد ہوئے اور ہندی پر اصرار ہوا تو وہ اردو پر متفق نہ ہوں گے اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ہندو علیحدہ مسلمان علیحدہ ہو جاویں گے۔ یہاں تک تو کچھ اندیشہ نہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ہو کر اپنا کاروبار کریں گے تو مسلمانوں کو زیادہ فائدہ ہوگا اور ہندو نقصان میں رہیں گے اور اس میں صرف دو امر کا خیال ہے ایک خاص اپنی طبیعت کے سبب سے کہ میں کل اہل ہند (کیا ہندو کیا مسلمان) کی بھلائی چاہتا ہوں۔ دوسرے بڑا خوف اس بات کا ہے کہ مسلمانوں پر نہایت بد اقبالی اور اذکار چھایا ہے۔ وہ جھوٹے اور لغو تعصب میں مبتلا ہیں اور وہ مطلق اپنے نقصان کو نہیں سمجھتے، اس پر حسد اور کینہ ان میں ہارہا بہ نسبت ہندوؤں کے اور جھوٹی شیخی زیادہ ہے اور کسی قدر مفلس بھی ہیں۔ ان وجوہات سے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہونے کے جو اپنی بھلائی کے لئے کچھ کر سکیں۔ اگر سلطان محمود ان لعنات کو نہ چھوڑتا اور سلطان عبدالعزیز اس طریقہ کو جسے سلطان محمود نے اختیار کیا تھا ترقی نہ دیتا تو آج روسیوں کے حملہ کے سبب ترکوں کا اور مسلمانوں کا دنیا پر نام و نشان نہیں رہتا۔ اور خدا جانے جزیرہ عرب میں کیا ہوتا۔ اس کے بعد حال کے سلطان عبدالعزیز نے جو اس سے بھی زیادہ بے تعصب طریقہ اختیار کیا ہے اگر ایسا نہ کرتا تو سلطنت جی تارکیں اور تباہی کی حالت میں بڑی بھی ممکن نہ تھا کہ اب تک غرق نہ ہو جاتی۔ ان نینوں بادشاہوں کو یورپ کا طریقہ اختیار کرنے ان جاہل

متمصب ترکوں کے الزام ہے اور بیوقوف نا سمجھ سولہویوں اور
 فاضلوں کی لعنت ملامت ہے بچنا نہایت مشکل تھا ۔ مگر جو علماء
 کہ عقلمند اور بے تعصب تھے انہوں نے لوگوں میں ان تمام چیزوں
 کو جن کو سلطان چاہتا تھا اور جس کے بغیر درحقیقت ترقی
 مسلمانوں کی غیر ممکن تھی جائز ، درست اور عین مطابق شرع
 بتلایا اور خود سلطان نے اور تمام لوگوں نے ان کو اختیار کیا ۔
 پس یہ سب ہے جو آج آپ قسطنطنیہ کا نام سنئے ہیں ۔ یہ تمام
 حالات میں نے جمع کئے ہیں ۔ سب آپ کو دکھلاؤں گا ۔ بہر حال
 تعصب خود پر خلاف شریعت ہے ، ہندوستان کے مسلمان اس میں
 گرفتار ہیں ۔ خدا کی ناسہرمانی ان کی طرف رجوع ہے وہ اب مثل
 یہود کے ذلیل و خوار ہونے والے ہیں پھر اس کا علاج کیا ہے ۔
 خدا کے ساتھ لڑائی غیر ممکن ہے ۔ دنیا میں جو کتابیں تصنیف
 ہو رہی ہیں اور ہر روز چھپتی ہیں اور بکتی ہیں ان میں جو
 حالات مسلمانوں کے لکھے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر مر جانے کو
 دل چاہتا ہے ۔ بہت سی باتیں ان میں بلاشبہ سچ ہیں اور
 درحقیقت ہم نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے اسلام کو بدنامی
 ہے ۔ پس اس بیوقوفی سے کہ کانپور میں بیٹھے جھوٹی شیخی
 مارا کریں کیا ہوتا ہے ۔ میرے صرف ایک لفظ لکھنے سے کہ
 ”میان ہیں“ تالافتوں کو اس قدر طیش کھانے کا بہانہ مل
 گیا ہے ۔ اور انگریزی اخبار اور تاریخوں میں جو اوصاف چھپ رہے
 ہیں ان سے کسی کمبخت کو غیرت نہیں آتی ۔

سلطان عبدالعزیز کی ایک اسپیش میرے ہاتھ آئی ہے
 جس کو رشید ہاشم اس کے وزیر نے تمام علماء اور قضات اور
 مفتیوں اور اماموں اور سرداروں کو جمع کر کر پڑھا تھا ۔ وہ
 قابل دیکھنے کے ہے کہ اس میں کیا ہے ۔ میں سناؤں گا ۔

ٹاٹک ہندوستان کی آگنی آپ کا کوئی عنایت نامہ نہیں آیا۔
 ناچار اسی عریضہ کو بند کر کر روانہ کرتا ہوں بعلیٰ خدمت
 حافظ جی صاحب سلام مسنون پہونچے۔ والسلام

خاکسار سید احمد

مقام لندن - ۲۹ اپریل ۱۸۷۰ء

بعد تحریر اس عریضہ کے سوسائٹی کا اخبار میرے پاس
 آیا جس میں میری عرضداشت کا جواب آپ کی طرف سے چھپا ہے۔
 اس کی نسبت اگلے میل میں کچھ لکھوں گا۔ مگر یہ تو مجھے
 بتاؤ کہ جو باتیں ہم اپنے دل سے کرتے ہیں وہ تم تک کون
 پہونچا دیتا ہے یا تو تم چور ہو کہ میرا دل چرا لے جاتے ہو
 یا خود میرے دل ہو کہ میری سب باتیں تم میں سے ہوتی
 ہیں۔ میں کافر ہوں اگر یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے و تدبیر
 مانی جاوے۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ قوم کی بھلائی پر لوگ
 متوجہ ہوں اور یہ دکھاتا ہوں کہ تعصب بہت بڑا مانع ہے۔

عریضہ سابق میں دریاب نقرر ایسوسی ایشن کے لکھا تھا
 اور اس عریضہ میں منع لکھا اب بعد معائنہ اخبار مذکور کے
 یہ لکھتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں سے آپ کسی کو نہ
 مانیں۔ بلکہ جو آپ کا دل چاہے اور آپ کی رائے میں مناسب ہو
 اس کے مطابق کام کریں۔ اگر بالخصوص مسلمانوں کی تربیت
 کے لئے جداگانہ مدرسہ نقرر ہو جائے تو وہ ایک رحمت ہمارے
 لئے ہے۔ کوئی رات نہیں جانتی کہ اس مدرسہ کے نقرر کی باتیں
 اور تجویزیں کہاں نہیں ہونیں مگر بجز دس لاکھ روپیہ نقد
 ہونے ممکن نہیں۔ والسلام

مولوی مشتاق حسین صاحب نواب وقارالملک بہادر کے نام

مولوی مشتاق حسین صاحب یو۔ بی کے ضلع مرادآباد کے ایک گاؤں میں ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ دس روپے ماہوار پر تعلیمی اختیار کی۔ جب سرسید علی گڑھ میں سب جج تھے تو مولوی صاحب ان کے سررشتہ دار تھے۔ سرسید کے تعلیمی کاموں میں مدد دیتے تھے۔ علی گڑھ میں ۱۸۷۳ء میں سکول قائم ہوا وقارالملک اس کے انتظام و اہتمام میں شامل تھے۔

نواب صاحب ۱۸۷۵ء میں حیدرآباد چلے گئے اور ۱۸۹۲ء تک وہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ قیام حیدرآباد میں علی گڑھ سے انہیں گہری دلچسپی رہی۔ سرسید اور سمیع اللہ کے اختلافات میں وقارالملک سمیع اللہ خاں کے ساتھ تھے لیکن کالج کمیٹی کو انہوں نے نہ چھوڑا۔ جب محسن الملک کو اردو ہندی کے جھگڑے میں صوبہ کے لفٹینٹ گورنر سے دو دو ہاتھ کر کے پڑے تو وقارالملک نے بھی ان کا بڑی جوانمردی سے ساتھ دیا۔ نواب وقارالملک نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ان کی ایک سیاسی تنظیم قائم کرنے میں نواب محسن الملک کے ساتھ برابر کا حصہ لیا۔ ۱۹۰۷ء میں محسن الملک کی وفات پر وقارالملک کالج کی جماعت انتظامیہ کے سیکریٹری مقرر ہوئے اور اس طرح انہوں نے تحریک علی گڑھ اور مسلمانوں کی سیاسی و عثمائی شروع کی۔ کالج میں انگریز اساتذہ کی حیثیت اور ان کے امتیازات اور اختیارات سرسید کی زندگی ہی میں معرض بحث بنے ہوئے تھے۔ وقارالملک سے پرنسپل کالج کا اختلاف بڑھتا گیا تا آنکہ پرنسپل نے مارچ ۱۹۰۸ء میں استعفیٰ دے دیا۔ دوسرے انگریز اساتذہ

بھی ہرنسپل کے ساتھ تھے۔ گورنر نے مداخلت کی، کالج کے انتظامی بورڈ نے وقارالملک کی تائید کی، گورنر نے اپنے فیصلے منوانے چاہے اور دوبارہ وقارالملک کو بلوایا، انہوں نے حاضری سے عذر کر دیا۔ مسلم اخبارات اور عمائدین نے وقارالملک کی تائید کی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ملکی سیاست میں وقارالملک کی رائے سر سید سے متفق تھی فرماتے ہیں :-

”ہماری تعداد دوسرے فرقہ کے مقابلہ صرف پانچواں حصہ ہے، اگر کس وقت ہندوستان میں برطانوی حکومت کا خاتمہ ہو جائے تو ہمیں ہندوؤں کی رعیت ہو کر زندگی بسر کرنی پڑیگی اور ہمارا سال و جان، ہماری عزت اور مذہب سبھی خطرے میں پڑ جائیگے، اس سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ برطانوی حکومت کا قائم رہنا ہے۔“

جب ۱۹۱۱ء کے دربار میں بنگالیوں کی شورش کے سامنے انگریز نے گھٹنے ٹیک دیئے اور تسمیح تقسیم بنگالہ کا اعلان کر دیا جس سے ہندو خوش اور مسلمان ملول ہوئے تو نواب وقارالملک نے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک طویل مقالہ لکھا جس میں فرمایا: ”حکومت پر بھروسہ کرنے کا زمانہ گزر چکا حال ہی میں جو کچھ پیش آیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اللہ کے فضل و کرم کے بعد بھروسہ صرف اپنے زور بازو پر ہی کرنا چاہئے۔“ اسلامی پریس نے نواب صاحب کی پرزور حمایت کی مگر بعض گوشوں سے صدائیں اٹھنے لگیں کہ مسلمانوں کو کانگریس سے مل جانا چاہئے لیکن نواب صاحب نے فرمایا: ”خود کشی کسی حالت

میں جائز نہیں ہیں اپنی ہی سیاسی جماعت کو زندہ اور کاؤگر بنانا چاہئے۔“

نواب وقار الملک نے کالج کے طلباء میں احکام اسلامی کی متابعت کے لئے ایک ذوق و شوق پیدا کیا۔ بیس سال کام کرنے کے بعد نواب صاحب ۱۷ برس کی عمر میں ضعف پوری اور علالت کی بنا پر کالج کی خدمت سے سبکدوش ہو گئے اور جب تک زندہ رہے اہم امور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کان پور میں مسٹر ٹیلر ٹسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے جب مسجد کا ایک حصہ گرانے پر کوئی چلائی گئی تو انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ”غوب غوب مقابلہ کرو وگرنہ ہر تھانے دار تمہارے لئے ٹیلر ثابت ہوگا۔“ نواب صاحب نے ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء کو امروہہ میں ۷۶ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۱۵)

(اس خط میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مولوی مشتاق حسین صاحب کو ایک انگریز کلکٹر نے دفتر کے اوقات میں نماز کے لئے چھٹی دینے سے منع کر دیا تھا۔ مولف انتخاب)

بھائی مشتاق حسین۔ کل میں سارے دن بسترزدہ رہا۔ کیونکہ تمہارا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ آج خط آیا اور حال معلوم

ہوا۔ گوئیں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت کی نہیں پڑھتا اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا۔ دو دو اکٹھی بھی ملا کر پڑھ لیتا ہوں۔ ریل میں لمبا سفر ہو تو مجھ سے ادا نہیں ہوتی۔ یہ سب باتیں مجھ میں ہیں اور نالائقی اور شامت اعمال سے ایسی سستی نماز میں ہے مگر تم نے اس معاملہ میں بھو پیش آیا نہایت لچرنا کیا۔ نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے جس خرابی سے ہو ادا کریں یا نضا کریں لیکن کوئی شخص اگو کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جاسکتی۔ میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنے کا صرف گناہ ہے جس کے بخشنے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھتا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائے گا۔ تم کو بھلے ہی اپنی طرف سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا لجلجانا اور گڑگڑانا کیسا "حضور رخصت ہی دیں، تیغواہ کاٹ لیں"، کہنا وادیت تھا۔ تڑاق سے استعفیٰ دیدینا تھا اور صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان، قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کرونگا نہ آپ کی۔ کیا ہوتا نوکری نہ میسر ہوتی۔ فالے مرجاتے، نہایت اچھا ہوتا۔

والسلام

مزیزی و مکرسی انتصار جنگ بہادر - اسماعیل شاہ خان کا حال نہایت اہتر ہے - انہوں نے معلوم نہیں کہ کسی سبب سے نیچ کی نوکری چھوڑ دی - یہاں انہوں نے ہر چند کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے - جب میں زینی تال تھا تو وہ راجہ کاشی پور کے ہاں امیدوار تھے اور زینی تال آئے تھے - اتفاق سے راجہ کاشی پور بھی سر گئے - انہوں نے تمہارے پاس حیدرآباد جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور مجھ سے ایک خط کے طلبکار ہوئے - میں نے ان کو جواب دیا کہ بلا اجازت کسی کے پاس جانے کی میں صلاح نہیں دیتا - اور نہ میں کسی کو خط دے کر کسی کے پاس بھیجتا ہوں اور نہ میں کسی کے لئے سفارش کرنا پسند کرتا ہوں - انہوں نے کہا کہ میں نے وہاں جانے کا مصمم ارادہ کیا ہے اور میں ضرور جاؤں گا اور بلا طلب و اجازت جاؤں گا - میں نے جواب دیا کہ بہتر - اب وہ دو تین دن سے علی گڑھ آئے ہوئے ہیں اور حیدر آباد کے سفر میں ہیں اور پھر خط کے طالب ہیں - حقیقت میں ان کا خط طلب کرنا ایک فضول امر ہے - آپ ان سے بذاتہ بخوبی واقف ہیں اور اگر آپ کچھ ان کے لئے کر سکتے ہیں تو بغیر میری تحریر کے بھی کر سکتے ہیں - مگر جب انہوں نے نہایت اصرار کیا تو میں نے کہا کہ میں تم کو تو خط نہ دوں گا - مگر سب حال لکھ بھیجوں گا - غرض کہ وہ روانہ ہوئے ہیں - ان کا خیال یہ ہے کہ جب تمہارے سر پر جا پڑیں گے تو مجبوری کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا - اب کہ وہ جاتے ہیں اور تمہارے سر پر آتے ہیں تو میں بھی اس قدر لکھنا مناسب جانتا ہوں کہ در حقیقت وہ نہایت تنگی میں ہیں - جس کو دیکھ کر اندوس ہوتا ہے - میں مجھ کو امید ہے کہ جو کچھ آپ سے ہو سکے

کا اُن کی بہتری کے لئے دریغ نہ فرماویں گے۔ میرا عسکری کل یہاں پہنچ گئے چوتھے کلاس میں داخل ہوئے ہیں، یہ ظاہر تو اچھا لڑکا معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ پڑھنے میں بھی اچھا ہو۔ فرسٹ کلاس بورڈر ہوا ہے۔ محمد حمید اللہ خاں کا جلسہ دعوت اخبار میں چھپا ہے آپ اس کو ملاحظہ فرماویں گے۔

جس قدر روپیہ آپ کے ذمہ اسکا رشپ وغیرہ کے ہوں اُن کو روانہ فرماؤں گے۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ ۷ نومبر ۱۸۸۶ء

(۱۷)

عزیزی و مکرمی نواب انتصار جنگ بہادر۔ آپ کا عنایت نامہ رجسٹری شدہ پہنچا باعث افتخار ہوا۔ آپ کی عادت ہمیشہ بے فائدہ طول نویسی کی ہے، اس سبب سے اس خط کو بھی غیر ضروری طول دیا ہے۔ اس لئے میں نے آپ سے یہ خواہش نہیں کی آپ اپنی رائے کے برخلاف رائے دیں۔ بے شک آپ کو کیفیات سے اطلاع نہیں ہے اور اس لئے غلط رائے قائم کی ہے اگر آپ کو کچھ اطلاع ہے تو اس سے زیادہ اطلاع نہیں ہے جیسے کہ آپ کو شراب اور آسن کے نشے سے لفظی اطلاع ہے اور کیفیت سے اطلاع نہیں۔ پس اگر آپ کو میری دیانت پر جو یہ لفظ جامع جمیع الفاظ ہے طمانیت ہوتی تو آپ یقین کرتے کہ مشکل مرحلے کے اختیار کرنے کے لئے کوئی ایسا امر درپیش ہے جس کے سبب یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس امر کے لئے مجبوراً قبول کرنے کو بھی میں نے آپ سے کبھی خواہش نہیں کی۔ جب مجھ کو یقین تھا کہ آپ خدا کے انعام پر بھی اپنی رائے سے منحرف ہونے والے نہیں ہیں، جیسا کہ میں نے خود آپ کو لکھا تھا تو کوئی توقع

برخلاف اُس کے اگر میں کرتا تو میری حماقت تھی۔ میں کسی شخص سے جس نے مخالف رائے دی ہے رنجیدہ نہیں ہوں۔ بجز اُن لوگوں کے جنہوں نے مخالفت کا طریقہ اختیار کیا۔ اُن میں سے میں صرف اُن لوگوں سے جن کو مجھ سے بھی کچھ کم ارتباط نہ تھا اور وہ ناراضی صرف تین شخصوں پر منحصر ہے۔ مولوی م۔ ک۔ خواجہ ی۔ م۔ خ۔ اُن سے بارہا کہا کہ تمہاری جو رائے ہو لکھ دو، مگر مخالف پارٹی قائم کرنے اور علانیہ مخالفت کا طریقہ اختیار کرنے میں کوشش مت کرو اور اس میں شریک مت ہو۔ جب اُنہوں نے نہیں مانا اور کیا جو کچھ کیا۔ میں نے اُن سے صاف کہہ دیا کہ مثل ایسے شخصوں کے جن سے کوئی خاص دوستی یا راہ و رسم نہ ہو میں آپ سے ملوں گا۔ آپ کا ادب و تعظیم بجا لاؤں گا۔ مگر مجھ سے اور آپ سے دوستی کی راہ و رسم نہیں ہے۔ میری عادت کسی سے منافقانہ ملنے کی نہیں ہے۔ پس مجھ سے اور آپ سے مطلق دوستی نہیں ہے اور نہ میں آپ سے دوستی کی راہ و رسم رکھتا چاہتا ہوں آپ نے کوئی کام ایسا بلاشبہ نہیں کیا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اگر کوئی میرا مخالف ہوتا (نہ مخالف رائے) اور جس کے دل میں نہایت کینہ ہوتا وہ بھی اس سے زیادہ میری نسبت نہ لکھ سکتا تھا جس قدر آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ صرف میں ہی نہیں ہر شخص کو تعجب ہے، خود ڈپٹی صاحب نے اور مولوی م۔ خ کی پارٹی نے فرمایا کہ سید صاحب مولوی م۔ خ کے چند لفظ لکھنے سے ناراض ہو گئے تھے مگر مولوی مشتاق حسین نے جو مولوی م۔ خ کے مقابلہ میں بہت زیادہ سخت اور اُن کو خود غرض وغیرہ وغیرہ بتایا ہے تو اُن سے کچھ نہیں کہتے۔ رویہ کے سبب سے اور اس ڈر سے کہ مشتاق حسین

جاگیر ضبط نہ کرا دیں ان کی خوشامد ہی کرتے رہیں گے لعنتہ اللہ علی وجہم ہل علی خیالہم و سوہ ظنہم - میں خود حیران ہوں کہ آپ کو کس چیز نے برانگیختہ کیا ہے جو یہ طریقہ اظہار رائے کا اختیار کیا - گو تم نے بالکل نیک نیتی برتی ہو تو وہ معاملہ خدا سے ہے مگر دنیا میں تو کوئی شخص بھی اس کو بجز کینہ کے اظہار کے اور کچھ تصور نہیں کر سکتا - خود مولوی س - خ نے لوگوں سے کہا تھا کہ جب مشتاق حسین کی رائے آئے گی تو حقیقت کھلے گی یہ نہیں معلوم کہ ان کا مقصد میرے حقیقت کھلنے سے تھا یا آپ کی - میں اس بات کو ہرگز دل میں رکھنا نہیں چاہتا کہ بیشک آپ نے نہایت نا مناسب طریقہ اختیار کیا اس کا کوئی سبب ہو اگر میں نے پرائیویٹ خط میں سہدی علی کو لکھا تھا کہ تم خط نواب انتصار جنگ کو دکھلا دو یا مولوی س - خ کو بھیج دو تو میری صاف دلی پر دال تھا اس لکھنے سے وہ خط ہلک نہیں ہو سکتا - اور کوئی حق ان کو نہیں تھا کہ اس کو چھاپ کر منتشر کرتے اور اس طریقے پر جس سے بعوض اس صاف دلی کے کوئی درجہ میری بد نیتی بے ایمانی خود غرضی کا باقی نہیں رہتا - آپ کو یہ باتیں اپنی تحریر میں نہ دکھائی دیتی ہونگی مگر تمام عالم کو دکھائی دیتی ہیں کوئی دھمکی نہیں ہے ایک قدرتی اور نیچرل بات ہے کہ اگر مدرسہ کے کاموں کے انجام میں مجھ سے اس قسم کی مخالفت کی جائے خود میرا شوق اور میری کوشش اس میں باقی نہیں رہ سکتی اگر میں چاہوں بھی تو مجھ سے نہیں ہو سکتی اور اس کا لازمی نتیجہ مدرسہ کی بربادی ہے - اگر بدبختی سے اس متنازعہ کی طرف مجارٹی ہو جاتی تو یقیناً مجھ کو مدرسہ سے علیحدہ ہونا پڑتا - میرا دل ہی اس کام پر نہ رہتا بلکہ اسے واقعات پیش آنے کہ

مجھ سے مدرسہ کو قائم رکھنا محالات ہے ہوتا۔ پس فرض کیجئے کہ ایک طرف تو میری خود غرضی سید محمود کے مقرر کرنے کی نہی اور ایک طرف مدرسہ کی نفس برہادی تھی۔ جو شخص نہایت ایمانداری سے قوم کا بھی خواہ تھا۔ ان دونوں بلاؤں میں کس بلا کو اختیار کرنا قوم کے حق میں بہتر ہوتا۔ میں کامل یقین کرتا ہوں اور پورے ایمان سے کہتا ہوں کہ تم نے غلطی کی۔ قیامت میں خدا کے سامنے، رسول کے سامنے کہوں گا کہ اے میرے دادا رسول خدا میں نے بغیر کسی غرض دینی و دنیوی کے تیری اُمت کی بھلائی کی کوشش میں کوئی درجہ باقی نہ رکھا تھا۔ جن لوگوں نے اس کو برباد کرنا چاہا۔ منجملہ اُن کے ایک یہ نواب انتصار جنگ ہیں۔ آپ کہجے گا کہ میں نے نہایت نیک نیتی سے کیا تھا۔ خدا بخشنے آپ کو معاف کرے گا۔ گو میری اور میرے دادا کی نشانی نہ ہوگی۔ باللہ نہ ہوگی۔ تم باللہ تہ ہوگی۔ یہ میری رائے ہے آپ کی نسبت اس وقت تک آپ نے جو کیا نہ مجھ کو یہ یقین ہے کہ آپ نے مولوی س۔ خ کے سبب سے کیا اور یہ کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے میرے ساتھ کوئی کینہ دیرینہ نکالا ہے۔ بجز غلطی اور نا عاقبت اندیشی اور غلط دہنداری کے اور کوئی سبب نہیں ہے پھر آپ سے قطع ملاقات جب آپ علی گڑھ میں آویں کیا وجہ اور اگر میرے کلبہ احزان کو قدوم سے منور کرنا چاہیں تو مجھے کیوں مضائقہ ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ بہت سے بہت آپ کی نسبت یہ خیال کر سکتا ہوں کہ بہت سے لوگوں نے دانستہ و بد نیتی سے مجھے برا بھلا کہا ہے۔ آپ نے نادانستہ اور نیک نیتی سے۔ میرا کلبہ احزان موجود ہے، جب آپ چاہیں شریف لائیں، پھر اس خط میں بھی آپ نے بے فائدہ بحث کی ہے۔ میں اُس کا کچھ جواب

دینا نہیں چاہتا۔ بجز اس کے کہ آپ کی رائے غلط اور آپ کی پیشین گوئیاں سب غلط۔ آپ کے خیالات غلط جو کچھ آپ نے فرض کر لیا ہے سب غلط ہے۔ پھر ان تقریروں کے اعادہ کرنے سے کیا نتیجہ۔ اس واقعہ کی یادگار میں مکان بنانے کی تجویز مجھ کو بھی نہایت پسند ہے۔ آپ ضرور کوشش کیجیئے گا۔ امید ہے کہ جو واقعہ ہونا تھا ہو لیا جو آپ کو کرنا تھا آپ نے کر لیا۔ اب اس کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اعادہ و معذرت یا دلیل سے قائل یا ساکت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

والسلام۔

خاکسار

سید احمد

علی گڑھ ۲ نومبر ۱۸۸۹ء

(۱۸)

مخدومی و مکرمی نواب انتصار جنگ بولوی محمد مشتاق حسین صاحب۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ شعبان پہونچا ممنون ہوا۔ مئی آرڈر سرسلہ پہونچا۔ ہر ایک فنڈ میں جس طرح آپ نے لکھا تھا جمع کیا گیا۔

میرے نزدیک تو خط واپس شدہ کا محفوظ رکھنا ایک رنج کی یادگار کو قائم رکھنا ہے۔ جس کا وجود اور خیال سب معدوم کر دینا چاہئے۔ جب تک میرے دل میں کسی کی طرف سے رنج رہتا ہے، تو میں تو اپنے دل کو کفر میں ڈوبا ہوا سمجھتا ہوں۔ اس کا دور کرتا جلد یا دیر میں اپنے اختیار میں نہیں پاتا۔ الا ہمیشہ اس کے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں میرے وہ لفظ اگر تم محفوظ رکھنے چاہتے ہو تو وہ صرف دال لام ہے۔ میں بھی حتی المقدور اپنے دوستوں کے دو حرفوں کو

محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اور یہی دو حرف محفوظ رکھنے کے قابل ہیں۔ میں نے آپ کی پنشن کی درخواست کی خبر ہائیوئر میں بڑھی تھی مگر میں افواہ بے بنیاد سمجھتا تھا لیکن آپ کے اس خط سے اس کی تصدیق ہوئی۔ مجھے اس کا نہایت افسوس ہے اور آپ کے اس فعل کو گناہ بھی سمجھتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو یقین ہے کہ سر آسمان جہاں منظور نہ کریں گے اور اگر بالفرض منظور کر لیں تو بھی آپ کو ان جھگڑوں سے جھٹکرا نہیں ہو سکتا، ضابطہ کی رو سے نہ بھنسے پرائیویٹ طور پر بھنسے۔ اس حرکت بے نتیجہ سے کیا فائدہ، اب سنئے کہ اس فعل سے آپ کو گناہ کیوں ہوا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہتمامہ اصلاح ہو جائے تو آپ رہ سکتے ہیں۔ اس وجہ ترک درحقیقت عدم اصلاح یا توقع عدم اصلاح ہے۔ ایک مسلمانی ریاست ہے، جس کی نسبت ایک مسلمان کو باوصف مایوسی اصلاح کے اس کی اصلاح میں کوشش سے باز آنا نہیں چاہئے۔ آپ اس سے باز آئے ہیں۔ اور لی الحقیقت یہ ایک قومی اور اسلامی گناہ ہے، نہ وہ جس کو تم نے غلطی سے سمجھا تھا۔ اور اس غلطی سے درحقیقت قومی گناہ میں بڑے تھے۔ میں قسم یہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کی بہتری، ترقی اور درستی، اخلاق کی جس پر میں کوشش کر رہا ہوں مطلق توقع نہیں ہے، مایوسی محض ہے مگر اس خیال سے کہ ہمارا فرض کوشش کئے جانا ہے، کرتا ہوں۔ اس جس چیز کے حصول سے مایوسی ہو اس مایوسی کے سبب سے اپنا فرض کوشش ترک نہیں ہو سکتا۔ پس آپ نے جو اصلاح سے مایوس ہو کر اپنی کوشش کو بند کرنا چاہا نہایت معصیت کی۔

تمام مسلمانوں پر اس وقت جس قدر تمام دنیا میں ہیں خدا کی خفگی ہے۔ صاحبان ملک سے اور جو کارکن ان کے ہیں انہ سب میں سے قوت انتظامیہ معدوم ہو گئی ہے، سلطنت ہائے کلاں و ذی اختیار ترکی، مصر، ایران، بخارا، مراکو سب کا یکساں حال ہے۔ ہندوستان کی ریاستوں میں حیدر آباد، بہوپال، ٹونک، رامپور، بھاول پور وغیرہ وغیرہ سب کے سب بدبختی و بدانتظامی و بال کی حالت میں ہیں۔ اراکین سلطنت میں اتفاق حسد اور عداوت ادنیٰ اور خلاف خواہش پر، اختلاف رائے پر عداوت و دشمنی، دوسروں کے منصب و کام میں مداخلت و خلل اندازی، ایک کو ذلیل ثابت کر کر اپنی نام آوری اور خوشی، یہ تمام امور اراکین سلطنت ہائے اسلامی کے اسطبعی ہو گئے ہیں۔ پس کیا ایسی حالت میں اصلاح ہو سکتی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ سب میں یہ باتیں ہیں اور ہر ایک سمجھتا ہے کہ میں ان عیوب سے بری ہوں۔ پس کسی اسلامی سلطنت میں اصلاح کامل کی یا نیم کامل کی توقع رکھنا خام خیالی ہے مگر جو لوگ ان کے کارکن ہیں ان کو اس مایوسی کے سبب سے دستکش ہونا میں تو گناہ عظیم سمجھتا ہوں۔ قومی رفاہ کا جو لوگ کام کرتے ہیں ان کو اس سے بھی زیادہ مزاحمتیں پیش آتی ہیں، میں اپنے تئیں سب سے اول ان شخصوں میں سمجھتا ہوں اور قرار دیتا ہوں کہ قومی کاموں میں بھی لوگوں پر حسد کرتا ہوں، خلاف رائے سے ناراض ہوتا ہوں۔ مخالف رائے دینے والوں سے عداوت شروع کرتا ہوں اور تمام الزاموں، خوددائی اور نفسانیت وغیرہ کا مرتکب ہوتا ہوں اور بالآخر یہ سمجھتا ہوں کہ ان تمام بدیوں سے پاک ہوں۔ بہر حال قومی رفاہ کے کاموں میں بھی لوگ گو وہ میں ہی ہوں، ایسی نالایق باتیں کرتے ہیں۔ پس جب اس وجد قوی بلکہ اقوہ کو اور بہت

ہے وجوہ و سوانح کے ساتھ شامل کیا جاوے تو قومی رفاہ و اصلاح کی کیا توقع ہے ۔ تعجب یہ ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں ، اور جن سے قومی بھلائی کی آمد تھی وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں ، جس کو نہایت سعادت مند سمجھو اخیر وہ شیطان معلوم ہوتا ہے ۔ درحقیقت وہ شیطان ہو یا جس شخص نے اس کو شیطان سمجھا ہے وہ شیطان ہو ۔ ہمارا آلو کہیں نہیں گیا اور قومی رفاہ و اصلاح کی آمد باقی نہیں ہے ، نہایت تعجب ہے کہ مسلمان مختلف قوم کے مختلف طبائع کے مختلف ملکوں کے اور مختلف آب و ہوا کے رہنے والے ہیں مگر سب کے سب ایک قسم کی ابتری ، خرابی ، بد انتظامی ، زوال و وبال کی حالت میں ہیں ۔ پس کونسا اس سب میں مشترک ہے جس کے سبب سے سب کی یکساں حالت ہے ، سر چارلس ٹریولین کا قول سچ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشترک شے اسلام ہے ۔ ترکی کو اس نے سچ نصیحت کی تھی کہ جب تک اسلام نہ چھوڑے اصلاح نہیں ہو سکتی ، کیا کچھ کم افسوس کی بات ہے کہ حیدر آباد میں تم جیسے اعلیٰ عہدہ دار پانچ چھ اشخاص سے زیادہ نہیں ہیں ، اور سب کے سب باہم مخالف ایک دوسرے کے برخلاف ایک کو دوسرے سے ضد یا صاف کھو عداوت ، ایک دوسرے پر نفوق چاہنے والا اور ہر ایک شخص بھی کہتا اور یقین کرتا ہے کہ میرا تصور نہیں میں تو نہایت نیک ہوں ۔ وہ شخص یہ سب عیب رکھتا ہے ۔ حیدر آباد بالمقابل دیگر سلطنتوں کے ایک ہرگاہ کے برابر ہے ۔ جب اس کے عہدہ داروں کا یہ حال ہے تو کیا توقع اصلاح ہو سکتی ہے ۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ زہد تصور وار یا عمرو کوئی ہو نتیجہ واحد ہے ۔ تمہارے پنشن سے افسوس اس بات کا ہے کہ ایک دوست اعلیٰ منصب پر تھا اس سے قبل

از وقت علیحدہ ہوتا ہے۔ گو وہ کچھ نہ کرے تب بھی قومی فلاح کے کاموں میں اس سے تقویت ہوتی ہے ، درحالیکہ آپ نے قومی کام میں بھی بہت کچھ مدد کی ہے تو آپ کے علیحدہ ہونے کا زیادہ السوس ہے ۔ ہر پہلو سے تمہاری درخواست پشن نا واجب و قبل از وقت ہے ۔ خود تم کو اس سے غلڑ کرنا اور درخواست کو واپس لینا چاہئے ، اور میں دوستانہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے طریقہ کو اور اپنی طبیعت کو بدلنا اور مخالفت کو موافقت سے تبدیل کرنا ضرور ہے ، اور جب تک یہ نہ ہوگا ملک میں انتظام و اصلاح کی توقع خیال خام ہے ۔ معاف کیجئے کہ میں نے اتنا بڑا خط آپ کو لکھ کر تکلیف دی ۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ ۱۶ ستمبر ۱۸۹۰ء

(۱۹)

عزیزی و مکرمی ثواب وقار الملک بہادر ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ آپ کی عنایت کا کہ آپ نے پانچ روپہ ماہواری منظور فرمائے شکر ادا کرتا ہوں ۔ مدرسہ پر اس غبن کا ایسا سخت واقعہ ہوا ہے (دیکھئے خط نمبر ۲۴) اور اس نے مجھ کو ایسا سخت صدمہ دیا ہے جس کا بیان ہو نہیں سکتا ، مجھ کو سب سے زیادہ تم سے توقع تھی کہ تم آئے اور ہمدردی کرتے ، نہ صرف مدرسہ کے ساتھ بلکہ میرے ساتھ ، نہ تم آئے نہ کوئی خط لکھا ، نہ بات بوجہی اگرچہ جو ہونا تھا وہ ہوا اس کا کچھ علاج نہ تھا ، مگر تم سے اس رنج میں شریک ہونے کی توقع تھی ، اسی بنا پر میں نے لکھا

کہ آپ کو مدرسہ سے ہمدردی مثل سابق نہیں رہی۔ اخراجات کی تنگی سب کو ہے۔ دوسروں کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ مجھ کو بیس روپیہ دینا کس قدر مشکل ہے۔ پس ایسے ضروری کاموں کے لئے تنگی اخراجات کا عذر میں اپنے خیال کے مطابق بعض سہل سمجھتا ہوں۔ پس تم پر کیسی ہی تنگی ہو اور آمدنی اخراجات کافی نہ ہو اور ہر مہینے قرض ہوتا جاوے ایسے آسور میں میں ان باتوں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتا ہوں۔ دنیا کا کارخانہ اسی طرح لشتم پشتم چلا جاتا ہے، بجز اُن لوگوں کے جو اپنی زندگی کا مقصود کچھ قارون جمع کرنا سمجھتے ہیں، اور جس قدر جمع ہو جاوے پس نہیں کرتے اور زیادہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا مجھ کو اور تم کو ایسا نہ کرے۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ ۱۳ نومبر ۱۸۹۵ء

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کے نام

(۲۰)

جناب مخدوم و مکرم من۔ عنایت نامچات مع پانچ جلد مسدس پہنچے، جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہو گئی۔ اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ جھوٹ تشبیہات دور از کار سے جو سایہ ناز شعر و شاعری ہے بالکل مبرا ہے۔

کیونکہ ایسی خوبی و خوبی یانی اور موثر طریقہ پر ادا ہوا ہے ۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑے نہیں جا سکتے ۔ حق ہے جو دل سے نکلتی ہے دل میں بیٹھتی ہے ۔ نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے ۔ ہرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطیف سے اڑایا ہے یا ادا کیا ہے ، میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں ۔ اگر ہرانی شاعری کی کچھ ہو اس میں ہائی جاتی ہے تو صرف انہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے ، بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے ان اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا ہوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہوںگا کہ حالی سے سب سے لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے ، مسجدوں کے اماموں کو چاہئے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اسی کے بند پڑھا کریں ۔ آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہیں اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے ، نہایت جلد آپ ان جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے ، یہ بھی لکھئے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب موجود ہیں ۔

آپ کے اس خیال کا کہ حق تصنیف مدرستہ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے میں دل سے شکر کرتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ سب سے کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور یا آن کے ماتم کا مرثیہ ہے کسی قید سے مقید کیا جاوے ، جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنٹوں پر کاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلہ سارنگی پر گویں ، قوال درگاہوں میں گویں ، حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں

اُسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی ، میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی میں ایک مجلس کھڑی جس میں تمام اشراف ہوں اور رنڈیاں نچواؤں مگر وہ رنڈیاں بھی سسٹس گاتی ہوں ۔ میں اس کل سسٹس کو تہذیب الاخلاق میں چھاپوں گا ۔ میرے آن استفسار کا جواب جن پر نشان درج کر دیا ہے بہت جلد مرحمت ہو۔ والسلام

خاکسار آپ کا احسانمند تابعدار

سید احمد

شعلہ پارک ہوٹل ، ۱۰ جون ۱۸۷۹ء

(۳۱)

جناب مولانا مخدوم و مکرم من ۔ مولانا حالی

آپ کا عنایت نامہ پہونچا ، جو ہمدردی آپ نے میرے ساتھ اس روپیہ کے غبن ہونے میں فرمائی ہے اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں ۔ مگر لاکھ روپیہ سے زیادہ غبن معلوم ہوتا ہے ، اس کا جس قدر مجھ کو رنج و صدمہ ہے وہ بیان نہیں ہو سکتا ، ہر چند میں دل کو سمجھاتا ہوں کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا مگر ایک نیچرل امر ہے دل کو بے اختیار رنج و فکر میں پڑنا ۔ چند روز تک تو میری حالت ایسی خراب تھی کہ مجھے کسی بیماری شدید کے لاحق ہونے کا اندیشہ (یہاں پر ایک لفظ بھول گئے ہیں شاید ”رہا“ یا ”تھا“ ہوگا) تین روز تک مطلق کھانا کھایا نہیں گیا اور طبیعت کی عجیب کیفیت تھی ۔ مگر اب اس حالت سے بہت آفاقہ ہے ۔ اگر میرا ذاتی روپیہ ہوتا تو مجھے کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی ۔ آپ کے کلمات تشفی آمیز سے بہت تقویت ہوتی ہے ، مگر

جب تعداد کثیر رویہ کا خیال آ جاتا ہے تو دوستوں کی تشریف سب
بھول جاتی ہے ، خدا رحم کرے ۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۲ اکتوبر ۱۸۹۵ء

مولوی چراغ علی صاحب المخطب بہ نواب اعظم یار جنگ کے نام

(۲۲)

مخدومی و مکرمی نواب اعظم یار جنگ بہادر

آپ کا عنایت نامہ اور چند اجزا جواب سوال پہنچے ، زائد
ازحد آپکی عنایت کا شکر ادا کرتا ہوں، مجھے نہایت خوشی ہے کہ
آپ کا جواب کتنا ہی بڑا ہو تہذیب الاخلاق میں جھاپا جاوے
گا۔ آپ کو ہر وہ بھیجنا تو مشکل ہے مگر جہاں تک مجھ میں
طاقت ہے میں اس کی صحت میں کوشش کروں گا۔ آپ نے جو
صدر محاسبی سے تقاضا کر دیا کہ رقم ماہوار جلد جلد بھیج دیا
کریں۔ اس کا بھی شکر کرتا ہوں۔ اب حیدر آباد میں سوائے آپ
کے کوئی دوست نہیں ہے اس لئے آپ کو کالج کے امور کی
نسبت زیادہ تر خیال رکھنا لازم ہے۔ سو رویہ ماہواری جو بڑے
سرمالار جنگ مرحوم نے خاص اپنی جاگیر سے کالج کے لئے مقرر
کیا تھا اور سند دوائی عنایت کی تھی اس کو نواب س۔ ج
بہادر نے روک رکھا ہے ، نہایت انسوس کی بات ہے جو نواب
س۔ ج نے ایسا کیا۔ ہم نے بذریعہ گورنمنٹ کوئی تحریک
نہیں کی ہے اور معلوم نہیں کہ اس طرح پر تحریک کرنی
مناسب ہے یا نہیں۔ اس قصہ کے لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ

آپ وہاں ہیں اور کالج کے ہر ایک امر کا لحاظ اور خبرگیری صرف آپ کی ذات سے توقع کی جاتی ہے ۔

بقیہ اجزائے جواب بھی عنایت فرمائیے ۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۱۲ جون ۱۸۹۳ء

(۲۳)

نواب عماد الملک بہادر مرحوم و مغفور کے نام

مولانا سید حسین بلگرامی المخاطب بہ نواب
عماد الملک ہندوستان کے اہل علم اور مشاہیر سے
تھے ۔ سرکار نظام میں مختلف ذمہ داری کے عہدوں
پر ممتاز رہے ہیں ۔ وظیفہ پا کر حیدر آباد دکن ہی
میں قیام فرما رہے اور وہیں ۳ جون ۱۹۲۶ء کو
انتقال کیا ۔

جناب مغنوم و مکرم معظم من نواب عمادالدولہ بہادر
آپ کا نوازش نامہ پہنچا ۔ جو خوشی اور افتخار آپ کے
عنایت ناسجات سے ہوتا ہے اس کا بیان نہیں کر سکتا ۔ آپ کا
دل سے شکر کرتا ہوں کہ آپ نے الرشید کا چھپنا ہمارے سلسلہ
آل میں منظور فرمایا ۔ بس میں منتظر ہوں جس وقت ابن رشد
والا رسالہ بعد نظر ثانی آپ عنایت فرماویں گے لی الفور چھپنا
شروع ہو جاوے گا ۔

جناب مولوی شبلی صاحب کی نسبت جو فقرہ آپ نے تحریر
فرمایا تھا وہ میں نے آن کو سنایا ، آن پر چار حالتیں گزریں ،

جب تک میں پڑھنا رہا وہ حیرت میں رہے اور تردد رہا کہ درحقیقت یہی الفاظ لکھے ہیں ۔ پھر میں نے اُن کو وہ خط دیا کہ اُس فقرہ کو وہ خود پڑھ لیں جب کہ اُنہوں نے دیکھ لیا کہ وہی الفاظ ہیں تو اُن کو ندامت اور افتخار اور مسرت تین حالتیں ایک ساتھ جمع ہو گئیں ۔ ندامت تو اس لئے تھی کہ وہ اپنے نزدیک اپنے تئیں اس لائق نہیں سمجھتے جس طرح کہ اُن کی نسبت آپ نے اپنے خیالات ظاہر فرمائے ، افتخار اس لئے تھا ، آپ جیسے شخص نے اُن کی تصنیفات کی اس قدر قدر فرمائی اور درحقیقت اُن کا یہ فخر ناوابہ نہ تھا ، فلاں وہماں کی واہ واہ ہے نہ اُن کا دل خوش ہو سکتا اور نہ کچھ بخر ہو سکتا تھا ۔ بلاشبہ آپ کی قدر دانی باعث افتخار ہو سکتی ہے ، مسرت اُن کو بے انتہا اس لئے ہوئی ہے کہ چونکہ وہ آپ کی نیک طبیعت اور مزاج سے واقف نہ تھے ۔ اُن کو دل میں افسوس تھا کہ آپ اُن کی پہلی تحریرات سے کسی قدر آزدہ خاطر ہیں ۔ دلتاً اُن کا خیال زائل ہو گیا اور بے انتہا مسرت اُن کو ہوئی ۔ میں نے آپ کا نام کسی قدر بے ادبی سے لیا ، کیونکہ اُس وقت جو میرے دل میں آیا اُسی طرح آپ کا نام لینا ادب تھا ۔ میں نے کہا کہ تم سید حسین کو نہیں جانتے ، میں نے آج تک اُن کا سا نیک دل اور پاک باطن ظاہر و باطن حاضر و غائب یکساں سچا دوست اور ہمہ تن سچائی کسی کو نہیں دیکھا ، رنج یا کدورت کی اُن کے دل میں خدا نے جگہ ہی پیدا نہیں کی ، اُن کو آپ کی ملاقات کا نہایت شوق پیدا ہوا ہے ۔ میرے دل میں کچھ خیالات خام سفر ہندوستان کے پیدا ہوئے ہیں ۔ اُن خیالات خام کا جن میں غالباً اُمید کامیابی نہیں ہے ۔ پھر کسی وقت ذکر کروں گا مگر وہ خیالات پختہ ہو گئے ہیں اثناء سفر میں میرا ارادہ حیدر آباد

آنے کا بھی ہے، اگر ممکن ہوا تو مولوی شبلی صاحب کو بھی حیدر آباد لاؤں گا تاکہ آپ کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور جان لیں کہ آپ کون ہیں اور کیسے ہیں۔ پچاس نسخے 'الماسون' کے میں نے خدمت عالی میں روانہ کئے ہیں۔ گذشتہ تعلیم مسلمانان کے نسخے صرف معدودے چند رہ گئے ہیں، اس لئے وہ نہیں بھیج سکا۔ آپ نے جو کتابوں کو خرید فرمایا غالباً آپ کو خیال ہو گا کہ گویا ایک اعانت مولوی شبلی کی ہے، مگر مولوی شبلی نے یہ کتابیں مع حق تصنیف وغیرہ کالج کی نذر کر دی ہیں، ان کی قیمت یا منافع سے ایک جہہ کا فائدہ انہوں نے حاصل نہیں کیا اور آئندہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں صرف کالج کے فائدہ کے لئے لکھتے ہیں، اپنا ذاتی فائدہ ان کو مقصود نہیں۔ ایسے جاہل آدمی ہیں کہ انہوں نے چند نسخے 'الماسون' کے بلا قیمت اپنے دوستوں کو بھیجنا چاہے، میں نے ہر چند اصرار کیا کہ جس قدر تمہارا دل چاہے لو ہرگز نہ مانا مجھ سے خرید کہیں اور اپنے دوستوں کو بلا قیمت بھیج دیں۔ الفاروق کی نسبت جو آپ نے تحریر فرمایا وہ سب درست ہے مگر اس کے ساتھ یہ مافیہ بھی ہے۔ اگر کسی کا دل ایسا مضبوط ہو کہ اس یہ مافیہ کو بھی صاف صاف مثل ایسے مورخ کے جو کچھ مذہب نہ رکھتا ہو لکھے تو بلاشبہ نہایت عمدہ بات ہے۔ مگر کیا مولوی شبلی ایسا کریں گے اگر نہ کریں گے تو کتاب ردی ہوگی، یہی حال علی کا ہے۔ خلافت کی نسبت بہ حیثیت انتظام ملکی کیا لکھا جاوے اور کون لکھ سکتا ہے۔ میں تو ان صفات کو جو ذات نبوی میں جمع تھیں دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں، ایک سلطنت اور ایک قدوسیّت اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی، دوسری کی خلافت حضرت علی وائمہ اہل بیت کو، مگر یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر

کس کو جرأت ہے کہ اس کو لکھے۔ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابوبکر تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے۔ بس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا زہر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے، جو ہوا سو ہوا، جو گزرا سو گزرا، جزیہ کے رسالہ پر مولوی شبلی صاحب نے نظر ثانی کی ہے اور کچھ اضافہ کیا ہے۔ اب وہ نہایت عمدہ اور مکمل ہو گیا ہے اور وہ ہمارے سلسلہ ال میں بنام الجزیہ چھپ رہا ہے متعاقب اس کو خدمت میں بھیجوں گا، آپ ضرور بروقت فرصت کوئی رسالہ تحریر فرمادیں مگر اس کا نام ال فلاں ہو اور ہم کو عنایت کریں تاکہ ہمارے سلسلہ ال میں چھاپا جاوے تمام آمدنی جو ان سلسلوں سے ہوگی وہ سب کالج کو دی جاوے گی۔ علاوہ اس کے کہ اس طریقے کے رسالے اور مسلمانوں کی یاد تاریخ قوم میں پھیلے گی، وہ ہماری قوم کا باعث فخر ہے، کالج کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔

اگر آپ کی کوشش کو خدا کامیاب کرے اور کالج کلاسوں کے ہونہار طالب علموں کے لئے بچاس روپیہ ماہواری وظیفہ ملے تو ہم نہال ہو جاویں گے۔ ہمارے پاس وظیفوں کے لئے سرمایہ نہایت قلیل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح بھیک مانگ مانگ کر وظیفوں کے لئے روپیہ جمع کرتے ہیں۔ کمیخت مسلمان ایسی بدتر حالت میں ہیں کہ بغیر مالی امداد کے ان کی تعلیم غیر ممکن ہے، بجٹ ہمارے کالج کا تیار ہونے کو ہے۔ مسٹر بک نے بجٹ اسکالرشپوں اور وظیفوں کا سال آئندہ کے لئے جو حکم اپریل سے شروع ہوتا ہے پیش کیا ہے۔ اس میں چھ ہزار سات سو روپیہ اسکالرشپوں اور وظیفوں کے لئے مسلمان طالب علموں کے

کے واسطے چاہتے ہیں میں قبول کرتا ہوں کہ جو کیفیت اور وجوہ انہوں نے لکھے ہیں سب درست ہیں مگر عمدہ وجوہات رویہ پیدا نہیں کر سکتیں۔

ایک اور امر بھی اس وقت میرے دل میں آیا غیر میں لکھے دیتا ہوں۔ مولوی مہدی علی صاحب مجھ سے ملنے کو آئے، دو دن رہے، ہر قسم کی باتیں ہوئیں، مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بے انتہا دل خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی دوستی اور محبت و یگانگت اور احسانمندی اور تمام وہ باتیں جو دو سچے دوستوں میں ہونی چاہئیں ان کے دل میں پوری طرح پر آپ کی طرف سے موجود ہیں۔ اب کی دفعہ مولوی مہدی علی سے مل کر مجھے اس سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

العامون کی قیمت کا بل حسب ضابطہ کالج کی جانب سے متعاقب خدمت میں بھیجوں گا۔ والتسلیم

خاکسار کترین

سید احمد

علی گڑھ - ۲۰ مارچ ۱۸۸۹ء

(۲۴)

جناب مخدوم مکرم باعث افتخار قوم نواب عمادالملک بہادر آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲ اگست بمونجا باعث اعزاز ہوا۔ شاید اب تک آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کمارک دفتر سکریٹری مدرسہ العلوم نے متعدد جعلی اور قرہیں چکیں جاری کر کے مدرسہ العلوم کے رویہ میں سے جو ہنک میں جمع تھا، زر کثیر تغلب اور تصرف کر لیا ہے۔ جس میں مجھ کو ایک قسم کی پریشانی ہوئی اور تمام حسابات کئی سال کے جانچنے ضرور پڑے۔

جس کے سبب مجھ کو فرصت نہیں ہوئی کہ میں آپ کے نوازش نامہ کا جواب لکھتا۔ نواب وقار الامرا بہادر یہاں تشریف لے آئے۔ مولوی س۔ ا۔ خ بہادر کے یہاں مہمان ہوئے، لیکن انہوں نے مولوی مہدی علی صاحب سے جو یہاں آئے ہوئے تھے اور مولوی سید علی صاحب کے ذریعہ سے دو باتیں کہلا بھیجیں۔ ایک یہ کہ وہ چار بجے میرے مکان پر مجھ سے ملنے تشریف لائیں گے۔ دوسرے یہ کہ آن کی نہایت خوشی ہے اور وہ چاہتے ہیں، کہ مولوی س۔ ا۔ خ صاحب اور مجھ میں جو شکر رنجی ہے وہ دور ہو جاوے۔ میں نے کہلا بھیجا کہ جو آپ کی مرضی ہو مجھ کو اس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مع مولوی س۔ ا۔ خ صاحب کے تشریف لائے اور میں آن کے سامنے مولوی س۔ ا۔ خ سے ملا میں نے چاہا کہ میں نواب صاحب سے عرض کروں کہ میرا مذہب اور میرا طریقہ اور عمل اس شعر پر ہے،

کفر امت در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

مگر میں نے یہ شعر پڑھنا اس وقت مناسب نہیں سمجھا اور صرف ملنے ہی پر قناعت کی نواب صاحب تھوڑی دیر میرے مکان پر ٹھہرے، جائے ہی اور میں اور مولوی س۔ ا۔ خ صاحب اور نواب صاحب ایک گاڑی میں بیٹھ کر مدرسہ میں گئے اور ایٹریس دی گئی۔

اگر آپ نے سوسائٹی کا اخبار مطبوعہ ۳ ستمبر ۱۸۹۵ء ملاحظہ نہ کیا ہو تو ضرور ملاحظہ فرمائیے، اس میں تمام حالات اور ایٹریس وغیرہ مندرج ہیں۔

جو مجلس کہ آپ نے امداد طالب علمان مدرسۃ العلوم کی قائم کی اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں، اس مجلس میں کامیابی

ہو یا نہ ہو اس کی مجھ کو کچھ فکر نہیں ہے ۔ بلکہ مجھ کو کمال خوشی اور عزت جو کچھ اس میں ہے کہ آپ سا شخص جس کو میں دل اور جان سے بہ اعتبار طینت کے ایک فرشتہ صفت خیال کرتا ہوں اور بہ اعتبار علم و فضل اور خاندان کے اپنی قوم کا سردار جانتا ہوں ، اور صرف سردار ہی نہیں بلکہ میں نہایت صدق دل سے باعث افتخار قوم سمجھتا ہوں ہمارے کانوں میں شریک اور ہمارا ہمدرد ہے ، اگر آپ میرا دل چیر کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس قدر مجھ کو اس بات سے خوشی اور عزت ہے ۔ مولوی نظام الدین صاحب نے مجھ کو لکھا ہے کہ وہ پانچ سو روپیہ کا کرنسی نوٹ بطور سرمایہ وظائف کے بھیج دیں گے ۔

میرے نزدیک بھی نہایت ضرور اور مناسب ہے کہ جس قدر روپیہ اس طرح سے وصول ہو وہ بطور سرمایہ وظائف کے پرامیٹری نوٹوں میں محفوظ کیا جاوے مگر اسوس یہ ہے کہ پرامیٹری نوٹوں کا سود نہایت قلیل ہو گیا ہے ۔ بہر حال کچھ ہی ہو اس کے سوا کچھ چارہ نہیں 'رئیس و رعیت' نے جو آرٹیکل مسلمانان ہنگالہ پر لکھا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا ہے ۔ اگر آپ کے پاس ہو تو مجھ کو عنایت کیجئے ۔ ورنہ اس کی تاریخ بتائیے کہ میں اس کو دفتر 'رئیس و رعیت' سے طلب کروں ۔ مجھ کو اس بات کے جاننے سے نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو حیدر آباد سے مختلف مقامات پر بھیج دیا ہے ۔ کچھ شبہ نہیں کہ آن کا حیدر آباد میں مقیم رہنا کچھ مناسب نہیں تھا عزیزی زین العابدین غالباً ہرار میں کام سیکھنے گئے ہیں اور عزیزی سید ہاشم کو ہارمٹری کا کام کرنے کے لئے مدراس بھیجنے کا ارادہ ہے ۔ اس بات کے دریافت کرنے سے مجھ کو نہایت خوشی ہے ۔

کہ ان دونوں عزیزوں نے علمی لیالت بہت اچھی پیدا کی ہے اور زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ عزیزی سید ہاشم میں سعادتمندی بلند خیالی اعلیٰ درجہ کی جمع ہے۔ اس زمانہ کے لڑکوں میں وہ چیز جس کو کہ ہم ہندوستانی سعادتمندی سے تعبیر کرتے ہیں بہت کم ہے۔ جس لڑکے میں لیالت، شرافت، سعادتمندی، بلند اقبالی جمع ہو وہ نمونہ خدا کی رحمت کا ہے بلکہ اس کو فرشتہ رحمت کہنا چاہئے۔ عزیزی سید ہاشم کو ایم۔ اے کی ڈگری آ جاوے تو نہایت خوشی کی بات ہے مگر ان کا یہ خیال کہ اس کے لئے روپیہ صرف کرنا فضول ہے کوئی بیجا خیال نہیں ہے۔ خصوصاً آپ کی حالت جو ان دنوں میں ہے۔ جس کا مجھ کو کمال رنج اور افسوس ہے بلاشبہ اس خیال کے لائق ہے جو خیال عزیزی سید ہاشم نے کیا ہے۔

اگر عزیزی سید ہاشم یہاں آویں اور چند روز میرے پاس رہیں تو مجھ کو اور سید محمود کو بے انتہا خوشی ہوگی اور میرا دل بے اختیار یہ شعر پڑھے گا۔

ہمائیے اوج محبت ہدام ما افتد

اگر ترا گزرے ہر مقام ما افتد

حقیقت میں دونوں لڑکوں سے ملنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ امید ہے کہ خدا کوئی ایسا موقع کرے گا۔

میں آپ کی رائے سے دل سے متفق ہوں کہ اب موقع نہیں ہے کہ مسلمانوں کی گذشتہ حالت پر تفاخر کیا جائے اور میں نہایت مناسب سمجھتا ہوں کہ عام مجمعوں میں یہ راگ کاہا جایا کرے اول تو یہ بات سچ ہے اگر انصافاً اس زمانہ کے خیالات سے گذشتہ

مسلمانوں کے حالات کا مقابلہ کیا جاوے تو بجز ظلمت کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ شاید آس زمانہ میں اکثر حکومتوں کا ایسا ہی حال ہو جو مسلمانوں کا تھا۔ لیکن اگر کوئی یک چشم دوسرے کو بھی کہے کہ وہ بھی یک چشم ہے تو اس کہنے سے عیب یک چشمی آس سے دور نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو جا بے جا اپنی پہلی حالت پر غرور ہے۔ اور خود پسندی اور استغوان جد فروشی آن کے دل میں مستحکم ہو گئی ہے۔ اس پچھلے تفاخر کو کائے جانا آن کی بد عادت کو اور مستحکم اور توی کرنا ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو عیوب آن میں ہیں وہ بتائے جاویں اور جو ضرورتیں کہ اب آنکو درپیش ہیں وہ سمجھائی جاویں۔ اتفاق اور قومی ہمدردی نہ کبھی مسلمانوں میں ہوئی اور نہ اب موجود ہے۔ یہ سچ ہے کہ کسی عہد سلطنت میں قوم یا سلطنت رفاہ عام کے کام کے اصولوں پر متوجہ نہیں ہوئی اور نہ کبھی کچھ کیا۔ چند لوگوں نے اگر کچھ کیا تو صرف نام آوری یا مذہبی خیال سے، مذہبی خیال کچھ قابل تعریف نہیں۔ ایک بڑھا جو گنگا کے پانی میں کھڑی ہو کر اپنی نٹھ ہزار روپیہ کی جپکے سے گنگا میں ڈال دیتی ہے۔ اگر یہ امر قابل تعریف کے ہو تو اور لوگوں کے بھی مذہبی کام قابل تعریف کے ہو سکتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہبی کام نہ کئے جاویں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جب قومی رفاہ کا کوئی کام نہیں کیا جاتا اور صرف مسجدیں، امام باڑے ہی بنائے جاتے ہیں تو میں اس کو قابل عزت اور قابل وقعت نہیں سمجھتا۔ بہر حال گذشتہ حالات پر تفاخر کرنا کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے عیوب کو مستحکم کرنا ہے اور آس سے کچھ اصلاح قومی کی نفع نہیں۔ والسلام

خدا آپ کو صحیح و تندرست و کامیاب و با اقبال رکھے اور
خداوند تعالیٰ آپ کے دونوں فرزندوں کو بھی نام آور باعث افتخار
قوم بناوے۔

خاکسار آپ کا تادمدار

سید احمد

۵ ستمبر ۱۸۹۵ء علی گڑھ

سراج الدین احمد ایڈیٹر سرمور گزٹ ناھن کے نام (۲۵)

سراج الدین صاحب، جودھویں، صدی، اور سرمور
گزٹ، کے ایڈیٹر رہے بعد میں راولپنڈی میں بیرمٹری
کرتے رہے۔ مولانا شبلی سے پہلے انہوں نے حضرت
عمر پر ایک کتاب شائع کر دی تھی۔ سر سید نے
اسے برا بنایا اور کہا کہ یہ جاننے کے بعد کہ
مولوی شبلی یہ کام کر رہے ہیں سراج الدین احمد
صاحب کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔

مخدومی مکرمی منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر سرمور
گزٹ ناھن۔ آپ کا اخبار مورخہ ۲۱ مارچ ۱۸۹۲ء کے دیکھنے
سے جس میں ”نیرنگی زمانہ کے تماثانی“ کی تحریر چھپی ہے نہایت
ہی رنج ہوا ہے۔ کیا اخباروں کی اب یہ ثبوت پہونچی ہے کہ
ہمعصر انسانوں کے تمسخر کرتے کرتے انبیائے علیہم السلام کا
تمسخر اختیار کریں۔ کیا آپ کے نزدیک وہ تحریر حضرت یحییٰ
علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک گستاخی اور
ٹھنہ کی نہیں ہے۔ افسوس صد افسوس کہ آپ کے اخبار میں

ایسے مضمون چھاپہ ہوئے جو منات اور انبیائے علیہ السلام کے ادب کے بالکل خلاف یا نا مناسب ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایسا مضمون لکھنے کی ضرورت آئندہ بتائی جائے گی۔ کوئی ضرورت ہو یا نہ مگر ایسے مضمون کے لکھنے کی جس طرز تحریر پر ہر ایک مسلمان افسوس کرے گا کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

امید ہے کہ آپ میرے اس خط کو اخبار میں چھاپ دیں گے۔ وانا بری ما قولون۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ۔ ۲۴ مارچ ۱۸۹۲ء

(۲۶)

(اسی خط میں سر سید نے پردہ پر اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے مولف انتخاب)۔

مختومی۔ بیشک میں پردہ کی رسم کا متعدد وجوہ سے نہایت طرفدار ہوں اور بالخصوص ہندوستان میں۔ اس میں میرا کچھ اجتہاد نہیں ہے، نہ میں نے کبھی اس پر غور کیا مگر فقہائے اسلام کا یہ مسئلہ ہے کہ مونہہ اور ہاتھ پہنچے تک اور پاؤں ٹخنے تک ستر میں داخل نہیں ہیں۔ فقہائے متاخرین نے یہ سب فسادات زمانہ منہ کو پردے میں داخل کیا ہے۔ مولوی شرر صاحب نے میری نسبت ایک لغویات لکھدی ہے۔ شاید میں نے کسی کے سامنے کہا ہو گا کہ شرعاً منہ اور ہاتھ پردے میں داخل نہیں ہیں۔ ان کو چاہئے کہ خود فقہ کی کتابیں دیکھیں۔

والسلام

خاکسار

سید احمد۔ علی گڑھ

(۲۷)

بھائی سراج الدین - تمہارا خط پہنچا - ہم کو خدا نے دنیا میں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ سب کی بھلائی چاہیں - برا کرنے والے کی برائی سے ہم کو کیا کام ہے - ہم کو اپنا دل ، اپنا کام ، اپنی زبان بھلی رکھنی چاہئے - ہنوں یا بد طبیعتوں پر افسوس کرنا چاہئے - مگر اس سے زیادہ کچھ کرنا خود اپنے آپ کو بھی ویسا ہی کرنا ہے - جو لوگ برا کہنے والے ہیں ان کی نسبت ہم کو صبر و تحمل چاہئے اگر وہ برائی ہم میں ہے تو اس کے دور کرنے میں کوشش لازم ہے - اگر نہیں ہے تو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ وہ برائی ہم میں نہیں ہے -

برا کہنے والے کی نسبت خیال ہی نہیں کرنا چاہئے کہ کون ہے - دنیا میں ہے بھی یا نہیں - بس یہی آرام و آسائش کا طریقہ ہے - اگر تم بھی چاہتے ہو کہ دنیا میں آرام سے رہو یہی طریقہ اختیار کرو - میں بتاؤں کرتا ہوں مگر افسوس کے ساتھ کہ - - - - کی طبیعت خدا نے ایسی بنائی ہے کہ ان سے بھلائی اور سچائی کی توقع نہیں - کچھ ہی کرو آزار ہی پہنچے گا - بس گلہ کیا ہے - کیا تم دنیا کے بچھوڑوں سے گلہ کرتے ہو - اور کیا وہ کسی کی دشمنی سے ڈنک مارتے چلتے ہیں بس - - - - کے حال سے کچھ بحث مت کرو - لوگوں کا جیسا دل چاہے ویسا اس کے ساتھ برتاؤ کریں - اگر ہم سے معافی چاہتے ہیں - ہمارا اس نے کیا گناہ کیا ہے - کیا میری داڑھی منڈ گئی آپ آ کر دیکھ لیں بدستور ہے - جو دو جو بڑی ہی ہو گئی ہوگی - مجھے تمام عمر افسوس رہے گا کہ میں نے وہ خط کیوں - - - - کے پاس بھیج دیا؟ لیکن اگر - - - - صاحب مدوح کی نسبت اس میں متوجش بات نہ لکھی ہوئی تو میں ہرگز نہیں بھیجتا - خیر جو

ہو گیا اس پر افسوس ہے کیا فائدہ ہے ۔ میرے نزدیک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
 کسی بات کے درجے نہیں ہونا چاہئے ۔ خدا کی دنیا میں بہت
 اقسام کی خلقت ہے ۔ ہر ایک اپنا کام کرتا ہے تم اپنا کام کرو
 مگر جان لو کہ تمہارا کام کیا ہے ۔ نیکی اور بھلائی اور اپنے
 کام سے مطالب ۔ دوسرے کے کام سے کچھ غرض نہیں ۔ جس سے
 دل رکا ہوا ہو ۔ اس سے مت ملو کیونکہ اس سے ملکر خوشی نہ
 ہوگی ۔ یا منافقانہ طریقے پر ظاہر داری کوئی بڑے گی ۔ نہ ملنے
 میں بہ نسبت ملنے کے آرام ہے ۔ اس طرح اس کی باتوں کی پروا
 نہ کرنے میں بالکل آرام ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ
 وبرکاتہ ۔

خاکسار سید احمد

علی گڑھ

مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب آروی کے نام

(۲۸)

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی محمد ابراہیم صاحب
 زاد فیضہ ، السلام و علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ آپ کا نوازشنامہ
 مورخہ نم دسمبر پہونچا معنون ہوا ۔ میں آپ کے عنایت نامہ
 کو باعث افتخار اور آپ کے دعائیہ کلمات کو باعث نجات سمجھتا
 ہوں ۔ آپ نے باوجود اس کے کہ جو حقیقت حال میری تصنیفات
 کی تھی میں نے ہوسٹ کنندہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی تھی ۔
 دوبارہ آپ نے آن کو طلب فرمایا ہے ۔ میں آن کی نذر کرنے سے
 انتظار حاصل کروں گا ۔ اس وقت میں رام پور جاتا ہوں، دو تین
 روز میں واپس آؤنگا اور جس نذر کتابیں موجود ہیں آن کا ایک

ایک نسخہ خدمت عالی میں بھیجیوں گا۔ آخر عنایت نامہ میں آپ نے دو سوالوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ آپ علماء کی اصلاح کے لئے کونسا طریقہ اور کونسا بہلو مناسب خیال فرماتے ہیں، اس پر میں اس قدر زیادہ کروں گا کہ مسلمانوں کے اسلام پر قائم رہنے کے لئے کونسا طریقہ مناسب خیال کرتے ہیں۔

اس فقرہ کا جو آپ کے سوال کا فقرہ ہے میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میرے نزدیک اگر علماء کی اصلاح ممکن نہیں تو قریب قریب نا ممکن کے ہے، نفاق اور ضد اور تفوق ایک دوسرے پر اور بعضوں کا دہنداری کو ذریعہ معاش بنانا اور تقلید میں ایسا غلو کرنا کہ شرک فی البتوۃ کی حد تک پہنچ گیا ہے اور ان بزرگوں کا جن کو عام لوگ وہابی اور خود اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں۔ تصائب اور ادنیٰ مسائل کے اختلاف میں فریقین کا ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنا اور اس حدیث کے الفاظ کو (میں نہیں جانتا کہ احادیث صحیحہ میں سے ہے یا نہیں) من استقبل قبلتنا واکل ذہبتنا فهو مسلم کو مردود قرار دینا علمائے زمانہ کا وتیرہ ہو گیا ہے اور اخوت اسلامی جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بندھی ہوئی ہے اُس سب کو توڑ دیا ہے۔ جب یہ حال ہے تو خدا ہی اُس کی اصلاح کرنے تو ہو ورنہ ظاہر اسباب میں تو ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوئی۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ میرے نزدیک اس سے تو آپ ہاتھ دھوئیے مگر جو فقرہ میں نے مستزاد کیا ہے اُس پر توجہ فرمائیے اور میرے نزدیک وہ مطلب حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ علمائے زمانہ ابن رشد نے جو رائے ظاہر کی ہے اُس کی پیروی نہ کریں۔ میں ایک پرچہ تہذیب الاخلاق خدمت عالی میں روانہ کرتا ہوں جس میں اس امر کے متعلق ابن تیمیہ، ابن رشد اور شریف مرتضیٰ کے آرا مندرج ہیں۔

علماء کی باہم اصلاح ہو یا نہ ہو مگر ہر مسلمان کا اور خصوصاً علماء کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے اسلام پر قائم رہنے کی فکر کریں۔

دوسرا سوال درباب سہیا کرنے اس زمانہ کی تصنیفات و تالیفات کے ہے، افسوس ہے کہ یہ کچھ آسان کام نہیں ہے اس کے لئے رویہ اور ہمت اور استقلال اور صبر درکار ہے۔ اس زمانہ کی تصنیفات و تالیفات نہ عربی و فارسی میں ہیں اگرچہ ہیں تو محض غیر مفید ہوج لجر ہیں۔ غیر مذہب کے علماء کی تصنیفات و تالیفات کے جمع کرنے کی اور دیکھنے کی ضرورت ہے جو علوم جدیدہ پر مبنی ہیں اور جن کی بنا پر اسلام پر اعتراضات ہیں اور نعوذ باللہ اس کو غلط اور باطل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ سب زبان غیر میں ہیں۔ پھر کیونکر ان سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں ایک رسالہ درباب استرقاق خدمت میں بھیجتا ہوں جو میری دانست میں کافی جواب ہے، ان اعتراضوں کا جو مخالفین نے اسلام پر کئے ہیں۔ میں یقین جانتا ہوں کہ خود علمائے اسلام اس رسالہ کو دیکھ کر مجھ کو کافر و مرتد بنا دیں گے، پس اگر آپ نے اس زمانہ کی تصنیفات جمع بھی کر لیں اور کسی طریق سے ان سے مطالب بھی دریافت کئے تو کیا نتیجہ ہوگا۔ کیا آپ ایسی جرات کریں گے جو برخلاف تمام علمائے سابقین کوئی امر تحریر فرمائیں مجھ کو معاف فرمائیے گا کہ جو باتیں میرے یقین میں تھیں ان کو صاف صاف عرض کیا ہے۔ والسلام علیکم۔

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۱۴ دسمبر ۱۸۹۳ء

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی ابو محمد ابراہیم صاحب -
سلام مسنون - بے ادبی اور جرأت جو اس عریضہ میں ہے آپ معاف
فرمائیے گا -

ہماری جماعت اس بات کو مناسب خیال کرتی ہے کہ
میں جو اس جماعت کا ایک حقیر ممبر ہوں آپ سے ملاقات کروں
ہاں ہمیں اس بات کا بیشک خیال ہے کہ آپ کی ملاقات ہمارے
مقاصد کے لئے جو ہماری کمیونٹی اور ہمارے سرکل کی اصلاح
سے متعلق ہے مفید ہو اور مضر نہ ہو - اگر ہم اپنی اور آپ کی
ملاقات کو اپنی کمیونٹی کی آنکھوں میں مہتمم بالشان ثابت
ہونے کا موقع دیں گے تو پھر وہ ہمیں اپنے ہتھے پر ہاتھ نہ
دھرنے دے گی پھر ہمارے مقاصد بھی فوت ہو جائیں گے اور
ہم اس کی اصلاح میں قاصر رہیں گے - اگر ہم اپنی کمیونٹی
کو اپنے سے بھڑکا دیں گے تو ہمارا کام خراب ہو جائے گا -
کمیونٹی سے ہماری مراد ان چند علماء کے جتنے سے نہ تھی جسے
ہم اپنی جماعت سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہزاروں ہزار مسلمان
مراد ہیں جن سے ہماری قوم بنی ہے - شاید ہم نے اپنے بچھلے
خط میں لفظ ”کمیونٹی“ کے عوض غلطی سے ”کمیتی“ لکھ دیا
ہوگا - جس نے غلط مفہوم پیدا کر دیا -

جناب مولانا ! جو خیال آپ نے اپنی عنایت نامہ کے اس
فقرہ میں ظاہر فرمائیے ہیں جو اس عریضہ میں چسپاں ہے - یہ
اسی قسم کے خیالات ہیں جن سے بڑے بڑے عالم و واعظ
خدا پرست دیندار کلمۂ حق کے کہنے سے باز رہے ہیں - میں
بڑھا ہوں اور اپنی عمر میں ہر فرقہ کے بہت بڑے بڑے شخصوں
کو دیکھا ہے اسی چیز نے اور اسی خیال نے کلمۃ الحق کے

کہتے ہیں ان کو باز رکھا۔ مولانا اسماعیل شہید اگر اسی قسم کے خیالات میں مبتلا رہتے تو ہندوستان میں سے شرک و بدعت کی تاریکی کبھی دور ہوتی۔ آپ کو معلوم نہ ہوگا مگر آپ معاف فرمائیے گا کہ میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں، ایک وہابی۔ دوسرے وہابی اور کریلہ، تیسرے وہابی کریلہ اور نیم چڑھا۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں اور بجز حق حق جو میرے نزدیک ہو ذرا برابر ذریعہ نہیں کرتا اور سمجھتا ہوں کہ یہ اول سیڑھی اسلام کی ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قسم کے خیالات ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ان کی زبان سے "انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض" نکلتا، اگر ہمارے دادا اور ہمارے ہادی محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو ایسے خیالات ہوتے تو امکان نہ تھا کہ ہزاروں دشمنوں کے ہوتے لالہ اللہ کا کلمہ زبان پر لاتے۔ ہمارا دشمن شیطان دینداری کے پردہ میں ہم کو سب سے زیادہ دھوکے میں ڈالتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو نیک راہ بتا رہے ہیں۔ اگر فلاں کلمہ الحق کہیں تو سب ہدک جائیں گے اور جو نیکی ہم پھیلا رہے ہیں اس کو نقصان پہونچے گا۔ یہ دینداری کے پردہ میں شیطان کا دھوکا دینا ہے۔ حق بات کا چھپانا یا باز رکھنا اور اس سے نیکی پھیلانے کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے جو بونا اور کیموں ہونے کی توقع رکھنا۔ اگرچہ جو فقرہ آپ کا اس خط میں چسپاں ہے۔ اس میں خاص میری نسبت بات ہے۔ مگر میں نے اس سے قطع نظر کر کے عرض کیا ہے کہ کسی خیال سے حق بات کو ظاہر نہ کرنا گواہ کیسی ہی ادنیٰ ہو ٹھیک نہیں ہے۔ جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی یوم چڑھا وہابی

بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر اس کو سنت نبوی جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب مددوح میرے پاس تشریف لائے تھے جب یہ گفتگو ہوئی میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔ گو ان پر لوگوں نے بہت حملے کئے مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے۔ والسلام علیکم

خجاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۱۰ فروری ۱۸۹۵ء

منشی حافظ سعید احمد صاحب کے قام

(۳۰)

(اس خط میں سر سید نے طلباء کی دینی تربیت کے لئے جس قسم کے عالم درکار ہیں ان کے فرائض اور طریق کار سے بحث کی ہے)۔

شفیق منشی حافظ سعید احمد صاحب

مولوی عبداللہ صاحب کا خط جو آپ نے بھیجا میں نے نہایت خوشی سے پڑھا، قبل اس کے کہ میں اس کا جواب دوں اپنے خیالات کا ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، سب سے اول یہ بات ہے کہ جس مقصد کے لئے ہم ایک بزرگ اور مقدس شخص کو بورڈنگ ہاؤس میں رکھنا چاہتے ہیں وہ ایسا ہو کہ درحقیقت اس کام میں اس کو مالی فائدہ پر نظر نہ ہو

اور نہ مالی فائدے کو مقدم سمجھے بلکہ ان کا اصلی مقصد اور ان کی سچی نیت خالصتاً اللہ یہ ہو کہ مدرسۃ العلوم ایک ایسی جگہ ہے جہاں کثرت سے مسلمان نوجوان جمع ہیں ان میں نیکی اور اخلاق پھدی اور صحبت اسلامی اور پابندی فرائض مذہبی کو پھیلانا اور ان کے دلوں کو نرمی اور اخلاق سے نہ تشدد اور سختی اور تعصب اور تشق سے نیکی کی طرف مائل کرنا ایک مذہبی اور ثواب کا کام ہے ۔ ہزاروں جاہلوں کے مجمع میں وعظ کہہ دینے سے ایسے لوگوں میں جو اس زمانے کے علوم کی تعلیم میں مصروف ہیں اور نوجوان ہیں نیکی اور اخلاق پھدی کا پھیلانا اور فرائض مذہبی کی طرف مائل کرنا ہزار درجہ بہتر ہے اور اسلام اور قوم کے لئے زیادہ مفید ہے ۔

پس یہ مقصد ایسے ہی شخص سے حاصل ہو سکتا ہے جس کی نیت اور ارادہ خالصتاً اللہ بلا کسی قسم کے لالچ اور دنیاوی طمع کے اس کام کے کرنے کا ہو اور یہ سمجھے کہ میں اسلام کی خدمت کرتا ہوں ۔ پس اگر مولوی عبداللہ صاحب اسی نیت سے یہاں آنا چاہیں تو ہماری خواہش اور خوشی ہے ۔ علاوہ اس کے میں دنیاوی فائدے کی نظر سے دینی کاموں کو انجام دینا یا دلوانا جائز بھی نہیں سمجھتا ۔

مولوی عبداللہ صاحب فرزند ہیں ، مولوی انصار علی صاحب کے ، نواسے ہیں مولوک علی صاحب کے داماد ہیں مولوی محمد قاسم صاحب کے اور ان کے سب بزرگوں سے مجھے ذاتی واقفیت تھی اور امید ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت کے فیض سے مولوی عبداللہ صاحب کی بھی ایسی طبیعت ہے کہ دینی کاموں کو لحاظ دین اور لحاظ صحبت اسلام انجام دے اور اسی خیال

ہے میں ان کا مدرسہ میں تشریف لانا اور رہنا باعث خیر و برکت سمجھتا ہوں ۔

مدرسے میں قیام پذیر ہونے میں جن کاموں کے انجام کی ان سے خواہش ہے وہ یہ ہیں :

اول مسجد کا اہتمام اور نماز پنجگانہ کا انتظام ان کے متعلق رہے اور پانچویں وقت کی نماز وہ خود پڑھا دیا کریں ۔ ان کے سبب سے جماعت کو ترقی ہوگی اور طالب علموں کو نماز جماعت کی زیادہ ترغیب ہوگی ۔

دوسرے یہ کہ کبھی کبھی جمعہ کی یا اور کسی نماز کے بعد بطور وعظ کے طالب علموں کو کسی قدر نصیحت کر دیا کریں ۔ کالج کے طالب علم خود تعلیم یافتہ ہیں اور متعدد قسم کے علوم سے واقفیت رکھتے ہیں ۔ ان کے لئے زیادہ تر مفید یہ ہوگا کہ اخلاقی اور عاداتِ محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرام اور دیگر بزرگانِ دین کی نیکیوں اور حسنِ اخلاق اور خدا پرستی اور خدا کی محبت اور احکامِ مذہبی کے خلوص سے ادا کرنے کا والدین اور استاد کے ادب اور آپس میں مسلمانوں کی ہمدردی ، عقائدِ مذہبِ اسلام کی خوبی اور سادگی ۔ واحدانیت خدا کی عظمت و شان ۔ قرآن مجید کی خوبی اور جناب رسالت مآب کی ہدایت کی خوبی اور برتری سے وقتاً فوقتاً ان کو آگاہ کیا جائے ۔ جس سے طالب علموں کے دلوں میں نیکی پیدا ہو اور ان کے دل سچائی اور باہمی محبت اسلامی اور نیکی کی طرف مائل ہوں ۔

مدرسہ میں شیعہ اور سنی دونوں قسم کے طالب علم ہیں ان کو صرف سنی طالب علموں کی ہدایت سے تعلق رکھنا چاہئے

اور اس بات کا ہمیشہ خیال رہے کہ کوئی ایسا امر واقع نہ ہوئے ہائے کہ جس سے مابین مبنی اور شیعہ طالب علموں کے کوئی رنجش یا تکرار مذہبی پیدا ہو۔

ان کو اس بات پر توجہ کرنی چاہئے کہ ان کا ادب اور ان کی محبت طالب علموں کے دلوں میں پیدا ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ خود طالب علموں کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آویں اور انہی کا اخلاق و محبت طالب علموں کی ہدایت اور ان میں نیک دلی پیدا ہونے کا ذریعہ ہوگا۔ خدا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تمہارے من اللہ لنت لہم ولو کنت لفظا غلیظا القلب لا اففضوا من حولک۔ پس علماء کا بھی یہی فرض ہے کہ اس رحمت سے خود فائدہ اٹھا کر لوگوں کی ہدایت کریں۔ میرے نزدیک تعصب و تسلب اور تشغف اختیار کرنا خلاف حکم خدا اور خلاف طریقہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلاف انسانیت ہے اور اس طریقہ سے ہرگز کسی کو ہدایت نہیں ہو سکتی بلکہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔

زیادہ تر میرا مقصد یہ ہے کہ طالب علموں کے دلوں میں نماز پنجگانہ اور با جماعت نماز ادا کرنے کا شوق پیدا ہو یا عادت پڑ جاوے۔ اگرچہ ہمارے کالج میں ایک خاص شخص نماز کی حاضری لینے کو معین ہوتا ہے اور جو لوگ جماعت سے غیر حاضر ہوتے ہیں ان سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور تدارک بھی ہوتا ہے مگر میری رائے میں اس سے چنداں فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ جو شخص حاضری لیتا ہے وہ ان لوگوں کے نام سے جو بلا وجہ اکثر جماعت سے غیر حاضر ہوتے ہیں مولوی صاحب کو اطلاع کرے گا اور مولوی صاحب کسی وقت ان کو علیحدہ تغلیہ میں بلا کر نصیحت کریں گے اور سمجھاویں گے کہ نماز پڑھنی اور

جماعت میں شریک ہونا چاہئے اگر کچھ نہیں تو اس طریقے سے شوکت اسلام اور شوکت جماعت مسلمانانِ ثابت ہوئی ہے۔ غرض کہ اس قسم کی مشفقانہ نصیحتیں زیادہ بکرا آمد ہوئی اور ان دنیاوی سزاؤں سے جو پرنسپل صاحب نماز کی طرزِ حاضری کے سبب دیتے ہیں زیادہ تر کارگر ہوں گی۔

اسی طرح مولوی صاحب کو معلوم ہو کہ کسی لڑکے کے عقائد مذہبی میں فرق ہے یا اور کسی مذہبی مسئلہ میں اس کو شبہ ہے تو تغایہ میں مشفقانہ طریق پر اس کو سمجھا دیں اور جہاں تک اُن سے ہو سکے اس کے شبہ کو دور کریں۔

جو لڑکے قرآن مجید پڑھتے ہوئے نہیں ہیں اُن کو مسجد میں صبح کے وقت یا اور کسی وقت تھوڑا تھوڑا قرآن پڑھا یا جاتا ہے اور اس کے لئے جداگانہ حافظ مقرر ہے مولوی صاحب کو مناسب ہوگا کہ اس پر بھی نگرانی رکھیں تاکہ تعلیم قرآن مجید کی بخوبی جاری رہے۔

ان کلاسوں کے سوا کوئی کام مدرسہ کا اُن سے متعلق نہ ہوگا لیکن اگر کوئی طالب علم قرآن مجید کے معنی یا کوئی حدیث کی یا کوئی اور مذہبی کتاب پڑھنا چاہے تو اس کا پڑھانا بھی ان کی محنتی پر منحصر ہوگا اور امید ہے کہ مولوی صاحب ایسے کام سے انکار نہیں کریں گے۔

مولوی صاحب کو دن رات مدرسہ میں ایک خاص مکان میں جو مسجد کے ضلع میں ہوگا رہنا ہوگا اور جن دنوں میں کہ مدرسہ بند ہوتا ہے یعنی مدرسہ میں تعطیل ہوتی ہے ان دنوں میں اور نیز بحالتِ ضرورت بحصولِ رخصت وہ اور جگہ جا سکیں گے اور انہی امر کی بابت نہ بہ معاوضہ انجام امورِ دینی ہم اُن کو بطوشی

معاوضہ دیں گے کیونکہ ان قیود کے سبب وہ اور طرح پر اپنی
معاش حاصل کرنے سے معذور ہو جاویں گے ۔

مگر ہم کو افسوس ہے کہ بالفعل بلحاظ حالات مدرسہ ہم
ان کو اس قدر معاوضہ نہیں دے سکتے جس قدر کہ دینا چاہئے
مگر مکان کی درستی فرش وغیرہ سے اور مکان کی روشنی وغیرہ ہم
سب سہیا کریں گے ۔ اگر وہ یہ چاہیں کہ ان کے کھانے کا انتظام بھی
ہم اپنے ذمہ لیں تو پچاس روپیہ ماہواری اور اگر کھانے کا انتظام
بھی خود مولوی صاحب اپنے آپ کرنا چاہیں تو ساٹھ روپیہ
ماہواری ان کو دیں گے اور اگر ہم دیکھیں گے کہ اس انتظام سے
عماراً مقصد بخوبی حاصل ہوتا ہے تو ہم رفتہ رفتہ ان کی تنخواہ
سورویہ تک بڑھا دیں گے ۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ
مولوی صاحب نے نصیح اور تحشی مثنوی مولانا روم کا کام اپنے
ذمہ لیا ہے اور اس کا معاوضہ بھی کچھ ان کو ملتا ہے ۔ اس سے
ہم کو کوئی مزاحمت نہیں ہے ۔

مجھ کو اس بات سے بھی اطلاع دینی ضرور ہے کہ اگر
کوئی باہر کا طالب علم ان سے ان کے مکان سکونت والے بورڈنگ
ہاؤس میں آکر پڑھنا چاہے تو بلا خاص اجازت سکریٹری و پرنسپل
کے کوئی باہر کا طالب علم بورڈنگ ہاؤس میں آمد و رفت نہیں
کر سکے گا ۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان سب امور سے
مولوی صاحب کو اطلاع دیجئے اگر ان کو منظور ہو تو میں فی الفور
ان کے رہنے کے لئے ایک مکان منجملہ مکانات متعلقہ مسجد کے
تیار کردوں اور مجھ کو امید ہے کہ جب مولوی صاحب یہاں
آئیں گے تو ہر مذہب کے طالب علموں اور کالج کے افسروں سے

اپنا ایسا طریقہ برتاؤ رکھیں گے جو اوروں کے لئے ایک نمونہ اسلامی اور پختہ اخلاق کا ہوگا۔ لفظ والسلام۔

خاکسار سید احمد

مقام علی گڑھ - ۵ جون ۱۸۹۳ء

مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی۔ اے علیگ دہلوی کے نام

سر سید کے دوست شمس العلماء مولوی ذکا اللہ صاحب رئیس دہلوی کے فرزند تھے۔ حیدرآباد دکن میں نظم دارالترجمہ رہے۔ سر سید نے انہیں فن ترجمہ سکھانے میں بہت کوشش کی۔

(۳۱)

عزیزی محمد عنایت اللہ۔

تمہارے مسئلہ ترجمہ (پیرچنگ آف اسلام مصنفہ پروفیسر آرنلڈ کا ترجمہ اشاعت اسلام کے نام سے) کو میں نے دو دفعہ پڑھا اور نہایت ہی دل خوش ہوا۔ اگر تمہارے والد ماجد نے بھی یہ ترجمہ دیکھا ہے تو وہ بھی خوش ہوئے ہوں گے مگر تم کو یقین ہوگا کہ تمہاری لیاقت اور سعادت مندی سے میں تمہارے والد ماجد سے بھی زیادہ خوش ہونے والا ہوں۔ شاید کہیں کہیں ایک آدھ لفظ گھٹانا بڑھانا ہوگا اور بعض بعض جگہ میں مترجم کی طرف سے کچھ مختصر نوٹ لکھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ تم منظور کرو گے۔ دوسری تبدیلی میں یہ کرنی چاہتا ہوں کہ اردو کے بیچ میں جو عربی قرآن کی آیتیں آگئی ہیں ان کو یعنی اصل آیتوں کو تو نوٹ میں

لکھا جاوے اور ان کا نہایت فصیح اور باشعورہ ترجمہ اردو عبارت کے ساتھ لکھا جاوے تاکہ اردو پڑھنے والوں کو کچھ دقت نہ رہے۔ میں چار پانچ صفحے تمہارے ترجمہ کے اس طرح ہر لکھ کر تمہارے پاس بھیجوں گا اگر تم پسند کرو گے تو تمام کتاب اسی طرح ہر درست کرونگا۔ ابھی میں تمہارے ترجمہ کو اور پانچ چھ مرتبہ پڑھونگا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اس کی خوبی اور عمدگی میں کوشش کرونگا۔ (اس سے پہلے خط میں سر سید لکھتے ہیں اگرچہ میں یقین کرتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ عمدہ اردو لکھتے ہو تم تو دلی کے رہنے والے ہو اور میں علی گڑھ کا رہنے والا۔ اور دلی جھوڑے ہوئے مجھ کو دو جگہ سے زیادہ ہو گئے۔ مگر مجھ کو اس بات سے کہ تم مجھ سے زیادہ عمدہ اردو لکھتے ہو خوشی ہوگی۔ مولف انتخاب)۔ تم نے یہ ایسا کام کیا ہے جس کی نظیر آج تک اردو لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ خدا تم کو زندہ اور صحیح اور تندرست رکھے۔ والسلام۔

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۵ فروری ۱۸۹۷ء

مولوی نیاز محمد خان و کیل پنجاب کے فام

(۳۲)

(پہلا نام غلام نیاز خان تھا بعد کو سر سید کی حیات میں انہوں نے انہی کے ارشاد سے اپنا نام نیاز محمد رکھ لیا تھا۔ خان صاحب آل انڈیا محملن ایجوکیشنل کانفرنس سے نہایت دلچسپی رکھتے اور عام قومی کاموں میں سر سید کے حامی و مددگار تھے دیوگڑی ضلع جالندھر آپ کا اصلی وطن تھا)

مخدوس۔ اسی وقت آپ کا عنایت نامہ پہونچا۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور کیوں اس قدر زندگی سے ناامیدی ہے۔ اگرچہ

میری دانست میں مرنے کے بعد یہ نسبت زندگی کے زیادہ راحت ہے۔ سوال کا مفصل و مدلل جواب لکھنے کو فرصت اور وقت چاہیئے مگر جب میں نے روح انسانی کو کا سب و مکتسب قرار دیا ہے تو ضرور بعد مفارقت ابدان کے ان لوگوں کو جن سے دنیا میں ملاقات تھی ان کی روحوں کو شناخت کرے گی اور کچھ عجب نہیں کہ ان روحوں کو اپنے زندہ احباب و رشتہ مندوں کے حال سے بھی آگہی ہوتی ہو۔ یہ سب باتیں روح کے کاسب و مکتسب ہونے پر منفرع ہوتی ہیں اور روح کا کاسب و مکتسب ہونا میرے نزدیک ثابت و منہقق ہے۔ روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد ایک قسم کا جسم حاصل ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جسم بھی بدلا جاوے۔ اس تحریر سے میرا مطلب یہ ہے کہ بعض عالموں نے تسلیم کیا ہے کہ بعد مفارقت بدن کے ہی روح ترقی الی الاعلیٰ کرتی ہے اس کی دلیل جو ان عالموں نے دی ہے ابھی تک بخوبی میرے ذہن میں نہیں آئی۔ مگر دل تسلیم کرتا ہے کہ ان کا یہ لکونا صحیح ہے۔ پس جس قدر کہ روح کو ترقی ہو جاوے گی کسی قدر اس کا جسم زیادہ منزہ ہوتا جاوے گا اور اسی امر کو میں نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ جسم ہی جو اول حاصل کیا تھا وہ تبدیل ہو جاوے۔ لہذا یہ سب بیان نہیں ہو سکتے۔ روحوں کے آپس میں ملنے سے کیا لذت اور کسی قسم کی ہوگی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی لذتوں سے بہت زیادہ لذت ہوگی۔ خدا سب مسلمانوں کا خاتمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر کرے۔ صرف یہی ایک چیز تمام مشکوٰۃ کی مشکل کشا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید احمد

علی گڑھ - ۲۹ جولائی ۱۸۸۶ء

(اس خط میں سرسید نے بتایا ہے کہ کسی مقام سے جہاں کوئی وبا پھوٹ پڑے دوسری جگہ چلے جانا ایک دوا کے برابر اور جائز ہے) مخدومی

جس شہر میں وبا ہو وہاں سے چلا جانا وبا سے بچنے کو محض اس اعتقاد سے کہ اگر خدا نے اس فعل سے ہمارا وبا سے بچنا مقدر کیا ہے تو بچینگے - اور مقدر نہیں کیا تو باوجود چلے جانے کے نہیں بچیں گے - خلاف شرع و احکام رسول خدا صلعم نہیں ہے مذہب اسلام کا اصول یہ ہے کہ ہر کام کے لئے جو اسباب ہوں ان اسباب کو فاعل حقیقی نہ سمجھے بلکہ فاعل حقیقی خدا کو سمجھے جو علیہ العلیل تمام افعال و واقعات کی ہے تاکہ کسی وقت بھی قادر مطلق پر اعتماد یا توجہ سے ڈھول نہ ہو جس طرح کہ آدمی امراض میں دوا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ دوا مرض کے لئے مفید ہے مگر اسی کے ساتھ یقین کرتا ہے کہ اگر خدا نے صحت مقدر کی ہے تو صحت ہوگی اسی طرح جہاں وبا ہے وہاں سے چلا جانا مثل دوا کے ہے اگر خدا نے بچنا مقدر کیا ہے تو اس دوا فعلی سے فائدہ ہوگا نہیں تو نہیں - بخاری میں جو حدیثیں ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے - ایک حدیث میں ہے - ”فلا تخرجونہ“ مگر اس حدیث کے الفاظ پورے نہیں ہیں - اس کے بعد کی جو دو حدیثیں ہیں ان میں الفاظ پورے ہیں - کہ فلا تخرج جو قرار مذہب جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھ کر چلا جانا کہ ہم اس سے بھاگ کر بچ جاویں گے ممنوع ہے کیونکہ اگر اللہ نے مقدر نہیں کیا تو بھاگ کر بھی نہیں بچ سکتے جہاں وبا ہے وہاں داخل نہ ہونا اور وبا کے مقام سے چلا جانا دونوں

کی یکساں حالت ہے۔ اگر توکل پر تقدیر ہو اور اسباب کی طرف توجہ ممنوع ہو تو جہاں رہا ہے وہاں جانے کا امتناع بھی غلط ہو جاتا ہے اسی دلیل سے جس دلیل سے کہ ایسے مقام سے چلا جانا ممنوع ہوتا ہے۔

حضرت عمر جب شام کو جا رہے تھے اور معلوم ہوا کہ وہاں رہا ہے نو صحابہ سے صلاح کی اور آخر کار فیصلہ ہوا کہ مت جاؤ اس وقت ابو عبیدہ نے کہا کہ افرار من قدر الله ان قدر الله اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا تنعم نصرو من قدر الله ان قدر الله پس اس جواب سے ٹھیک مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور یہی جواب اس شخص کی جانب سے ہوتا ہے جو اس مقام سے جہاں رہا ہے چلا جائے اور کوئی شخص اس کو کہے افرار من قدر الله تو اس کا جواب یہی ہوگا۔ تنعم نصرو من قدر الله ان قدر الله پس جب ان تمام حدیثوں اور ان کے الفاظ مفاد پر غور کرو تو یہی مطلب اور حکم پایا جاتا ہے جو میں نے بطور خلاصہ کے اول لکھ دیا ہے۔ رہی یہ بات کہ جو عزیز و اقربا جن کی تیمار داری اس کے ذمہ ہے اور وہ مبتلا ہوں اور وہ شخص رہا ہے ان کو چھوڑ جاوے یہ ایک دوسرا گناہ ہے۔ عام بحث سے اس کو تعلق نہیں۔ اس کی نسبت وہ حدیث ہے جو بخاری میں باب الدھر صابر فی الطاعون میں بیان ہے۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ۔ ۵ اگست ۱۸۸۹ء

(۳۴)

(سر سید نے اس خط میں بتایا ہے کہ ہر پیشہ کی طرح وکالت میں بھی سچائی اور دیانت ہر کاربند رہنا چاہئے)۔

مخدومی و مکرمی نیاز پند خاں صاحب

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۳۱ مئی میرے پاس پہنچا۔ ممنون عنایت ہوا۔ میرے نزدیک ضلع جالندھر میں کالج کے نام سے چندہ جاری رکھنا کچھ ضرور نہیں ہے۔ بلکہ جو سسٹم کہ آپ نے والٹیرز کی جاری کی ہے اسی کو قائم اور جاری رکھئے۔

پیشہ وکالت کی نسبت جو آپ نے شبہات لکھے ہیں حال یہ ہے کہ وکالت کا پیشہ ہو یا اور کوئی آن میں ایمانداری سے کام ہو سکتا ہے۔ اور بے ایمانی سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو لوگ کہ بے ایمانی سے کام کرتے ہیں بیشک آن کو چند روزہ ترقی اور عروج ہو جاتا ہے۔ لیکن آخر کو ترقی اور عروج انہیں لوگوں کا قائم رہتا ہے جو دیانتداری اور ایمانداری سے کام کرتے ہیں۔ وکیل جو ایمانداری سے کام کرتے ہیں بیشک کمپنی ٹیشن میں بے ایمان لوگوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مگر آخر کو انہیں کا بول بالا ہوتا ہے اور وہی مشہور ہوتے ہیں۔ جو نیک نامی اور دیانت داری سے کام کرتے ہیں۔ البتہ صبر درکار ہے تاکہ وہ زمانہ آوے جس میں وہ اپنی نیکنامی اور دیانت داری کا پھل پاویں۔ یہ خیال کر لینا کہ وکالت میں خلاف کاتشنس کے کام کرنا پڑتا ہے۔ سب سے رائے میں صحیح نہیں ہے۔ وکیل کے پاس جو مشتملات آتے ہیں درحقیقت اُس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اصلیت اُس مقدمہ کی کیا ہے۔ صرف وہ آن ہی باتوں کو جانتا ہے

جو موکل نے اُس سے بیان کیں اور اُن پر یقین نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت سچ کیا ہے لیکن وکیل کو جو عدالت میں کام کرتا ہے اُس سے بحث نہیں ہوتی کہ سچ کیا ہے بلکہ اس بات کا تجویز کرنا کہ سچ کیا ہے حاکم کا ذمہ ہے نہ وکیل کا۔ میں چند مثالیں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ مثلاً ایک تمسک کی نالش ہوئی اور وہ دعویٰ خارج از حد سماعت ہے۔ مدعا علیہ کے وکیل کو اس بات سے بحث نہیں ہے کہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا۔ بلکہ صرف یہ بحث کرتا ہے کہ حد سماعت سے خارج ہے اور حاکم کو اُس کی تجویز کا اختیار نہیں یا مثلاً ایک دعویٰ تمسکی یا دعویٰ قتل پیش ہے اور مدعا علیہ اُس سے منکر ہے مدعی کے وکیل کا تو یہ کام ہے کہ یہ دلائل ثبوت دعویٰ کو حاکم کے سامنے پیش کرے۔

مدعا علیہ کے وکیل کا یہ کام ہے کہ حاکم کو بتائے کہ جو ثبوت مدعی کے وکیل نے پیش کیا ہے اُس سے اُس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اس بات سے تمسک درحقیقت واقعی ہے یا مدعا علیہ واقعی قابل ہے وکیل کو کچھ بحث نہیں ہوتی۔ علیٰ هذا القیاس وکالت میں کوئی ایسا امر نہیں معلوم ہوتا کہ جو وکیل برخلاف اپنے کانشنس کے کام کرنے پر مجبور ہو۔ جو وکیل کہ اس طرح پر کام نہیں کرنے اور گواہوں کے بتائے میں اور اُن کو تعلیم کرنے میں مدعی یا مدعا علیہ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں وہ بے شک بے ایمان ہوتے ہیں اور خلاف کانشنس کام کرتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں وکیل ہی بے ایمان نہیں مانے جاتے بلکہ وہ لوگ بھی جو وکیل نہیں ہیں ایسے ہی بے ایمان اور خلاف کانشنس کام کرنے والے ہیں پھر آپ کا یہ لکھنا کہ بعض دفعہ وکیل کو خلاف کانشنس کام کرنا پڑتا ہے صحیح

نہیں ہے۔ ایمانداری اور سچائی سے کام کرنا چاہئے اور اس بات کو کہ اور لوگ بے ایمانی سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں اس پر ہرگز خیال کرنا نہیں چاہئے۔ اگر مسلمان پیشہ وکالت سے علیحدہ ہو جاویں تو ہر طرح پر قوم کو بہت سے نقصانات پہنچنے کا احتمال ہے جو اس زمانہ میں پیش ہیں اور جن میں کچھ عزت یا آن پیشوں کے ذریعہ سے انسانوں کی بہتری متصور ہے مسلمانوں کو ضرور ہے کہ آن پیشوں میں مشغول رہیں۔ لیکن ہر پیشے میں خواہ وہ وکالت ہو یا اور کوئی پیشہ نہایت سچائی اور ایمانداری سے کام کرنا چاہئے۔ خدا آپ کو بھی توفیق دے کہ سچائی اور ایمانداری پر اپنی زندگی بسر کریں۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۳ جون ۱۸۹۴ء

(۳۵)

مخدومی مکرمی نیاز محمد خان صاحب

آپ کا عتاب نامہ اور رائے نسبت انتظام بورڈنگ ہوس پہونچی۔ آپ نے جو رائے نسبت انتظام بورڈنگ ہوس کے لکھی ہے اس سے مجھ کو حد سے زیادہ خوش ہوئی ہے۔ میں ایسے ہی دلی دوستوں کی رائے کا (جیسے کہ آپ) خواہشمند ہوں۔ جس قدر رائیں اس باب میں آتی ہیں وہ سب جمع کی جاتی ہیں، صرف رائے ہی ہر کارروائی نہیں ہونے کی بلکہ دوستوں سے زبانی ہر قسم کی گفتگو کی جاوے گی اور بعد اس کے جو امر قرار پاوے گا اس کے مطابق کارروائی کی جاوے گی۔ اگرچہ محمدن ابجو کیشنل کانفرس کے اجلاس کے لئے کسی اور شہر کے لوگ مستعد نہیں ہوئے اور اس لئے ہمجبوری علیگڑھ میں اجلاس ہونا

قرار پایا۔ لیکن علی گڑھ میں اجلاس ہونے سے مجھ کو بڑی غوشی یہ ہے کہ پنجاب کے دوست ضرور آویں گے اور ان سے زبانی بات چیت نسبت انتظام بورڈنگ ہوس کے کی جاوے گی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ پنجاب ہی کے زیادہ طالب علم بورڈر ہیں۔ دو سخت مشکلیں بورڈنگ ہوس کے متعلق ہیں۔ اول یہ کہ مربیان طالب علمان اخراجات کے رویہ بھیجنے میں نہایت دق کرتے ہیں اور بعضوں پر باقی رہ جاتا ہے، پس کوئی تدبیر ایسی سوچنی چاہئے جس سے طالب علموں کے مربی ہر مہینے کے اخراجات پیشگی بھیج دیا کریں۔ پس تجویز یہ ہے کہ اگر نہ بھیجیں تو کیا کیا جاوے۔ صاحب ڈائریکٹر پبلک انشورکشن سہلی کی یہ رائے ہے کہ جس طالب علم کا رویہ پیشگی ایک ماہ کا نہ آوے اس کو فی الفور بورڈنگ ہوس اور سکول سے خارج کر دیا جاوے میں نے ان کی اس رائے کو نہیں مانا کیونکہ اس میں قوم کا نہایت شدید نقصان تھا اور اس کی کارروائی نہایت بے رحمی کی تھی۔ مگر باوجودیکہ ماہواری حساب ان کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ اخراجات طلب کرنے کے لئے میں لکھتا ہوں ہیڈ ماسٹر صاحب لکھتے ہیں، پرنسپل صاحب لکھتے ہیں، اس پر بھی جب رویہ نہ آوے تو کچھ علاج کرنا ضروری ہے ورنہ بورڈنگ ہوس کا کام کیونکر چلے۔ دوسرا اس جو مشکل ہے یہ ہے کہ لوگ جا و بیجا امداد کے خواستگار ہوتے ہیں، پہلے نہایت سختی سے اس بات کا التزام تھا کہ جب تک وہ اپنے ضلع کے لوگوں کا سرٹیفیکٹ نہ پیش کریں کسی کو امداد نہ دی جاوے اس وقت ہر ایک طالب علم ایک سرٹیفیکٹ مفلسی کا لکھوا لاتا تھا، ایسی بھی مثالیں ہیں کہ باوجود سرٹیفیکٹ ہونے کے مدد دینے سے انکار کیا اور بعد انکار کے وہ طالب علم داخل ہوا اور

کل خرچ دینا قبول کیا۔ سرٹیفکٹ لکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہماری سفارش سے کسی کو کچھ مل جاوے تو ثواب کا کام ہے۔ جو قید کہ سرٹیفکٹ کی پہلے تھی وہ اب نہیں رہی مگر یہ اب ہمہ پرنسپل صاحب کسی قدر جہاں تک مناسب سمجھتے ہیں کچھ تحقیقات کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں آنسٹی (دیانت) جو ایک چیز ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ خیر جو کچھ ہے اس خط میں اسکو طول دینا بے فائدہ ہے۔ آپ کانقرنس میں شریف لاویں گے اور اور بزرگان پنجاب بھی تشریف لاویں گے اُس وقت ایک خاص کمیٹی اس باب میں کی جاوے گی اور کوئی امر قرار دیا جاوے گا۔ مولوی سید مہدی علی صاحب اب تک بدلی سے واپس شریف نہیں لائے انہوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ شروع اکتوبر میں آویں گے اُن کے آنے کے بعد جو کچھ قرار پاوے اس وقت اُس کی نسبت میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔

میں دوبارہ آپ کو لکھتا ہوں کہ آپ نے جو رائے لکھی ہے اس سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی۔ والسلام۔

خاکسار سید احمد

علیگڑہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء

(۳۶)

مخدومی مکریمی منشی نیاز محمد خان صاحب

آپ کو معلوم ہوگا کہ مسٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ صاحب مدرستہ العلوم علی گڑھ کے پروفیسر نے انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”پرچنگ آف اسلام“ ہے اور اُس کا مقصد یہ ہے۔ ”اسلام بزور شمشیر شایع نہیں ہوا بلکہ وعظ و نصیحت سے زیادہ تر شایع ہوا ہے“۔ عزہزہد عنایت اللہ ہی۔ اے نے اُس کتاب کا ترجمہ اردو میں کیا ہے اور میں خود اُس ترجمہ کا اصل

”کتاب سے مقابلہ کرتا ہوں اور اس سبب سے مجھے اس کتاب پر زیادہ غور کرنے کا موقع ملا ہے اور میں اس کتاب کو مسلمانوں کے لئے نہایت مفید سمجھتا ہوں۔ میری اور میرے چند دوستوں کی یہ رائے ہے کہ مسلمان انگریزی خوان طالب علم جو گورنمنٹ کالجوں میں اور مشنری کالجوں میں پڑھتے ہیں ان کو یہ انگریزی کتاب بلا قیمت دی جاوے، یعنی مسلمان ہر ایک مقام کے چند کاپیاں اس کتاب کی خریدیں اور مسلمان طالب علموں کو جو کالج کلاسوں میں پڑھتے ہوں ان کو بلا قیمت تقسیم کردیں۔ غرض یہ ہے کہ اس کتاب کا مسلمان انگریزی خوان طالب علموں میں شایع ہونا نہایت مفید ہے اور بہت سے تاریخی حالات متعلق اسلام اور اشاعت اسلام اور نیز بہت سے مفید امور ان کو معلوم ہوں گے۔ پس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کچھ ایسے مسلمان پیدا کر سکتے ہیں جو اس کتاب کو خرید کر لاین طالب علموں کو جو مشنری کالجوں اور گورنمنٹ کالجوں میں پڑھتے ہوں بلا قیمت تقسیم کردیں۔ دس روپیہ اس کتاب کی قیمت ہے۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو مجھے اطلاع فرمادیں اور جس قدر کتابیں چاہیں آپ مجھ سے منگا لیں، میرے نزدیک اس قسم کی تدبیریں انگریزی خوان طالب علموں کے دل میں اسلام کی خوبی نقش کرنے کے لئے نہایت مفید ہیں اور ایسا کرنا درحقیقت اسلام کی خیر خواہی ہے۔ ممکن ہے کہ چند مسلمان آپس میں تھوڑا تھوڑا چندہ کر کے چند کتابیں خریدیں اور لائق مسلمان انگریزی خوان طالب علموں کو دیں۔ امید کہ اس باب میں آپ کوششی فرمائیں گے اور اس عریضے کے جواب سے مجھ کو معنوں کیجیے۔ والسلام

خاکسار سیداحمد

علی گڑھ ۲۹ مئی ۱۸۹۹ء

مشتی مکرسی

آپ کا عنایت نامہ درد انگیز پہنچا - جو رنج آپ کو ہے وہ بلاشبہ ہمدردی کے لائق ہے لیکن اسر لا علاج کا یہ علاج نہیں ہے کہ انسان کسی میں غلطان و بیجاں اور سب کاموں کو جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے چھوڑ بیٹھے - رضا بہ قضا جو اہل اللہ کا مقولہ ہے نہایت عمدہ اور فلسفیانہ ہے - حتی المقدور انسان کو اس پر عمل کرنا چاہئے - تعارف جسم سے متعلق نہیں ہے بلکہ روح سے متعلق ہے - پس بعد فنا ظاہری اگر روح اپنے جسم مثالی سے بھی ترقی کرے تو تعارف صاف نہیں ہوتا - میری دانست میں آپ کو اتباع والدہ صاحبہ جن کا حق جمیع امور پر مقدم ہے لازم ہے - آپ ان کی صلاح کو مان لیں اور شادی کر لیں امید ہے کہ آپ کی حالت موجودہ اور آئندہ درست ہو جاوے گی - ایک بیوی کی وفات کے بعد دوسری بیوی کرنی کسی طرح اخلاق کے برخلاف نہیں ہے آنحضرت صلعم کو بھی حضرت خدیجہ کبریٰ سے نہایت محبت تھی اس کے بعد آپ نے بھی نکاح فرمایا کون شخص ہے جو کائنات میں اخلاق میں آنحضرت صلعم سے زیادہ اپنے تئیں قرار دے سکتا ہے - تمام حالات و مشکلات جو آپ نے لکھے ہیں وہ سب واردات حالیہ ہیں جو کبھی قائم نہیں رہیں - انسان کو چاہئے کہ ان حالات حالیہ کو دل سے علیحدہ کر کے سوچے کہ اس کو کیا کرنا چاہئے میری سمجھ میں والدہ صاحبہ کی اطاعت اور ان کو رنج کی حالت میں نہ رکھنا تمام اخلاقوں اور عبادتوں اور کائنات کے جذیوں سے افضل ہے - والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ - ۶ فروری ۱۸۹۷ء

(اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید دعا کے کسی درجہ قائل تھے حالانکہ ان پر بعض لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ دعا کے قائل نہ تھے)

محبی مکرمی منشی نیاز محمد خاں صاحب

آپ کا عنایت نامہ اور منی آرڈر ۵ کا بابت چندہ مسجد پہونچا
مستون عنایت ہوا۔ آپکی علالت طبع سے السوس ہوا مگر آپ یقین
رکھیے کہ خدا تعالیٰ بہت جلد صحت کامل عطا فرمائے گا۔ میں
بھی دعا کروں گا اور کرتا ہوں۔ ہمارے خالہ زاد ایک بھائی
تھے ان کو نہایت درجہ کا سراق تھا یہاں تک کہ وہ ہائے
کو کئے چلایا کرتے تھے ایک نہایت بزرگ نے ان سے کہا کہ مہاں
تم خود ہر روز سورۃ یسین پڑھ کر اپنے ہر دم کر لیا کرو اور دل
پر بھونک لیا کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور صحت کامل ہو گئی
وہ ہمیشہ وہ سورۃ پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر ان کو کبھی سراق
نہیں ہوا تم بھی ایسا ہی کرو خدا صحت دے گا۔ ہم اور
تم دونوں قیامت کے دن انشاء اللہ تعالیٰ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔ مسلمان کا خاتمہ یہی لالہ اللہ
محمد رسول اللہ پر ہوتا ہے۔ اس کے دل پر اس کا نقش ہوتا ہے۔ ہر
کسی مسلمان کو خاتمہ بخیر ہونے میں شک کرنا نہیں چاہئے۔
جب تم کو میرے ساتھ ایسی محبت ہے جس کے ہرگز میں لائق
نہیں تو تصویر کیا کرو گے محبت ہی کافی ہے مگر تمہاری
خواہش کے مطابق اپنی تصویر جو ایک دوست کی فرمائش سے حال
میں لی گئی ہے۔ مرسل خدمت ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ اٰلہکم

خاکسار سید احمد

علی کڑا - ۱۲ اگست ۱۸۹۷ء

شیخ میراں بخش صاحب کے نام (۳۹)

(سرمد مرحوم نے اس خط میں مقام حدیث کے تعین سے باعث کی ہے)

مخدومی مکرمی شیخ میراں بخش صاحب

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷ اگست ۱۸۹۷ء پہنچا۔ آپ کی عنایت اور مہربانی کا ممنون ہوا۔ آپ نے جو شبہ ارقام فرمایا ہے وہ بلا شبہ ہر ایک مسلمان کے دل میں آتا ہوگا اور میں خوش ہوں کہ آپ کے دل میں بھی شبہ کزرا۔ مگر ہر ایک مسلمان دل سے یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کو خدا اور رسول کی اطاعت فرض ہے اور ہر ایک شخص سمجھتا ہے کہ خدا کی اطاعت تعمیل احکام قرآن مجید میں اور رسول کی اطاعت اس کے اقوال اور افعال کی پیروی میں جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے منحصر ہے۔ قرآن مجید کے باللفظ خدا کا کلام ہونے اور واجب تعمیل ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے پس قرآن مجید تو بموجب مذہب مسلمانوں کے ایک امر مسلم ہے جس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی حدیث اس باب میں تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ احادیث قریباً کل بالمعنی روایت ہوئی ہیں نہ باللفظ۔ یعنی ان کے الفاظ بعینہ وہ نہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے بلکہ جو کچھ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے اس مضمون کو راویوں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ پس احادیث میں دو امر کی تنقیح لازم آتی ہے۔ اول یہ کہ جو کچھ حدیث میں بیان ہوا ہے وہ درحقیقت رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا۔

دوم یہ کہ جو کہ الفاظ ان حدیثوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ اس مضمون اور مفہوم کو ادا کرتے ہیں جو رسول خدا صلعم نے فرمایا۔

تیسری ایک اور بات بھی ہے کہ جو قصص اور حکایات یہودیوں یا عیسائیوں یا اوروں کے مشہور تھے اور ان کو راویوں نے خواہ آنحضرت صلعم سے یا اور کسی سے سنا اور یہ سمجھ کر کہ یہ اصلی فرمودہ رسول خدا صلعم کا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے یا نہیں غرضیکہ احادیث خواہ بخاری کی ہوں خواہ مسلم کی قرآن مجید کے برابر نہیں ہیں اور ان سے بجز خلق کے کوئی امر یقینی پیدا نہیں ہوتا۔ پس ہر ایک مسلمان کا کام ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے احادیث کو جانچنے کی کوشش کرے۔ محدثین کے حالات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کے جمع کرنے میں بے انتہا کوشش کی ہے۔ خداوند ان کو جزائے خیر دے مگر سب کا دارومدار یہاں تک کہ بخاری اور مسلم کا بھی راویوں کے معتد اور غیر معتد سمجھنے پر رہا ہے۔ جس راوی کو نا معتبر سمجھا اس حدیث کو معتبر نہ جانا۔ مگر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ صحیح بخاری ہو یا موسطاً امام مالک کی۔ ان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک تین تین چار چار راوی ہیں اور حضرت امام مالک نے یا محمد اسمعیل بخاری نے اس راوی کے سوا جس نے وہ حدیث نقل کی ہے اوپر کے راویوں کو نہیں دیکھا تھا۔ پس اس بات پر یقین کرنا کہ تمام راوی معتد تھے اور نیز انہوں نے اس مضمون کے بیان کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی نہایت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے اسماء رجال کی جو کتابیں ہیں وہ اور مشکلات پیدا کر دیتی ہیں۔ یعنی ایک کتاب میں ایک راوی کو معتبر لکھا ہے اور دوسری کتاب میں اس راوی کو نا معتبر۔ پس ہم کو اس بات کے کھدینے سے کہ راوی اس کے معتبر ہیں کوئی طما نہایت اور یقین نہیں ہو سکتا۔ حدیثوں کے

جانچنے اور صحیح قرار دینے کے لئے ظاہراً یہی طریقے معلوم ہوتے ہیں جو اگلے محدثین نے اختیار کئے ہیں مگر ایک اور طریقہ بھی ان سب سے اسلم ہے جس کا نام درایت ہے۔ یعنی نفس حدیث پر غور کرنی اور سمجھنا کہ وہ شان نبوت کے مناسب ہے اور فی نفسہ صحیح بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جامعین حدیث نے راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر زیادہ تر خیال کیا ہے اور درایت پر بہت کم خیال کیا ہے بلکہ نہیں کیا۔ پس اگر ہم درایت کو جھوڑی مثلاً بخاری و مسلم کی حدیثوں کو اس خیال سے کہ اس کے جمع کرنے والے نہایت بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے تھے تسلیم کر لیں اور بلا درایت کے مان لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بچائے ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی اور حنبلی رحمۃ اللہ کے امام بخاری اور امام مسلم کی تقلید کرتے ہیں۔ پس ہم کو ان ائمہ کی تقلید میں کیا پرائی نہیں کہ ان کو جھوڑ کر امام بخاری اور امام مسلم کی تقلید کرنے لگے۔ میں حدیث کا خصوصاً بخاری اور مسلم کی حدیثوں کا نہایت ادب کرتا ہوں مگر ان پر درایت سے کام لینے کو ضروری خیال کرتا ہوں۔

جو لوگ ایک ادنیٰ حدیث کی بھی تحقیر کرتے ہیں میں ان کو نہایت نالائق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو۔ حدیث کی تحقیر کرنا دوسری چیز ہے اور کسی حدیث کی نسبت یہ بات کہنا کہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں دوسری چیز ہے اور لوگوں کو اختیار ہے ہماری بات کو مانیں یا نہ مانیں

علمائے حدیث نے بھی حدیث کی تہقیق کے لئے بہت سے اصول درایت کے قائل ہیں مگر ان کو صحاح ستہ کی حدیث

ہر کام میں نہیں لانے ان کے سوا اور حدیثوں پر کام میں لاتے ہیں ۔ مگر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ انہی اصولوں کو صحاح ستہ کی حدیثوں پر کیوں کام میں نہیں لاتے ۔ آپ کا یہ تحریر کرنا کہ میں بڑے بھاری رکن اسلام یعنی حدیث کو اکھاڑنا چاہتا ہوں۔ معاف کہجئے یہ آپ کی غلطی ہے مگر احادیث کو مثل قرآن مجید کے بلا شبہ نہیں سمجھتا۔ محدثین رحمۃ اللہ نے حدیث کے جمع کرنے میں جو کچھ محنت کی ہے تمام مسلمانوں کو ان کا شکر گزار ہونا واجب ہے ۔ انہی کی بدولت ہم اقوال و افعال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہوئے ہیں ۔ مگر اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اس بات کی تبلیغ کریں کہ درحقیقت وہ قول یا فعل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں اگر ہم کو یقین ہو کہ درحقیقت وہ قول و فعل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو بغیر چون و چرا کے اس کے آگے سر جھکا دیں ۔

جس شخص میں محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگزیں ہوگی ۔ نہ زید و پکر کی وہ تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتے گا جو میں نے بیان کی ۔

غرضیکہ جو مسئلہ آپ نے پوچھا ہے وہ بہت عمیق اور غور طلب ہے اور بہت زیادہ وسیع تقریر اس کے لئے چاہئے ۔ اسے مختصر خطوں میں اس کے لکھنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ والسلام

سید احمد

علی گڑھ ۹ اگست ۱۸۹۷ء

مولوی سید شرف الدین صاحب بلخی (گیا صوبہ بہار) کے فام (۴۰)

مخدومی مکرمی سید شرف الدین صاحب بلخی

آپ کا نواز شنامہ پہونچا معنون عنایت ہوا۔ جو خیال آپ کا سیری طرف ہے وہ صحیح نہیں ہے اس کو دل سے دور کر دیجئے۔ میں صرف ایک گنہگار شرمسار آدمی ہوں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی مجھ گنہگار سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

آپ نے مجھ سے سوال کیا ہے اگر بعض اس کے آپ مجھ ہی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو میں نہایت خوشی سے اس کا جواب دیتا۔

(۱) نماز پنجگانہ فرض ہے یا نہیں۔

(۲) ہر مسلمان کو عالم ہو یا جاہل، درویش ہو یا دنیا دار نماز پنجگانہ اس کو فرض مذہبی سمجھ کر ادا کرنا فرض ہے یا نہیں۔

(۳) جو مسلمان اس کو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہیں۔

(۴) نماز نہ پڑھنے یا قضا کر دینے سے مسلمان گنہگار ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں۔

(۵) نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہو اور اپنے تئیں گنہگار سمجھتا ہو اور سخت گناہ کا مرتکب تسلیم کرتا ہو وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے۔

(۶) اس کے ساتھ یہ بھی سوال کرو جو لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں اور اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ لوگ ان کو نمازی اور نہایت پاک سمجھیں ان کا کیا حال ہے۔

میرے نزدیک جمع بین الصلوٰتین جائز ہے ۔ میں ایک گنہگار آدمی ہوں ۔ نماز پڑھتا بھی ہوں قضا بھی ہو جاتی ہے ۔ جب قضا ہو جاتی ہے شامت اعمال سے اس کی ندامت ہوتی ہے ۔ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہوں خدا سے معافی چاہتا ہوں ۔

۔ جس شخص نے آپ سے کہا کہ میں نماز مغرب میں جو مسجد مدرسہ میں ہوتی ہے شریک نہیں ہوا ۔ سچ کہا ہے ۔ کیونکہ جب تک میں مدرسہ سے واپس نہ آؤں اور کپڑے نہ تبدیل کروں وہ کپڑے نمازی نہیں ہوتے ۔

۔ بہر حال میری اندرونی تفتیش محض بیجا ہے ۔ نہ میں مقدس ہوں نہ مقدس ہونے کا دعویٰ ہے ۔ نہ کسی کا ہادی بننا چاہتا ہوں ۔ ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا ۔ البتہ مسلمانوں کی بھلائی اور ترقی کا خیال ہے اس میں کوشش کرتا ہوں والسلام ۔
خاکسار

سید احمد علی گڑھ ۲ ۔ اگست ۱۸۹۲ء

تعارف

ولادت اور تعلیم

مولانا شبلی مرحوم کی ولادت کا شرف اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ بندول ہی کو نہیں پورے ہندوستان کو ۱۸۵۷ء میں حاصل ہوا۔ مولانائے مرحوم کا شمار عالم اسلام کے معدودے چند برگزیدہ علما اور خدام اسلام میں رہیگا۔ بندول کو انہوں نے اپنے بہار آفریں قلم سے بہشت کا ہم پایہ بنا دیا۔

فضل بندول اگر توفشناسی آدمی نیستی تو نشناسی
 نہ توان یافت هیچ جائے چو او غرم و سیز و دل کشائے چو او
 هست از غایت فرح سرشت مرغزارے مگر ز باغ بہشت

والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا جنہیں فارسی شعر و ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ وکالت کرتے تھے۔ زمینداری سے سالانہ تیس ہزار کے قریب آمدنی تھی۔ والدہ کی نیک بختی کا یہ عالم تھا کہ تہجد کبھی ناغہ نہ کی۔

مولانا کے والد شیخ، نو مسلم خاندان کی نسبت سے کہلاتے تھے۔ ان کے خاندان کے قبول اسلام کی داستان نہایت دلچسپ ہے۔

شاہان شرقی کے زمانے میں اس قصبے کے ہندو راجپوتوں کے ایک ممتاز خاندان کے ایک فرد شیو راج سنگھ کو 'خاقانہ' کے کسی مسلم بزرگ کا فیض صحبت میسر تھا۔ شیو راج سنگھ ایک روز گرمی میں طویل سفر کی خستگی و ماندگی کے عالم میں جس میں بھوک اور پیاس کی شدت نے بیتابی پیدا کر رکھی تھی گھر پہنچنے ہی باوجودی خانہ میں گھس گئے جہاں ان کی بھوی بیاسی بھانج کھانے کے لئے ان کا انتظار کر رہی تھیں، یہ صورت

حال دیکھ کر آن پر برس پڑی اور کہا ”کیا نرے ترک ہی ہو گئے۔ جوئے پہنے چلے آئے۔ مارا کھانا بھرشت کر ڈالا۔“۔ شیوراج سنگھ کی بھوک پیاسی روح کے اندر اس طعنہ کا تیر کچھ ایسا ہیوست ہوا کہ وہ آٹنے پاؤں نکل کھڑے ہوئے اور مسجد میں پہنچ کر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہہ کر سچ سچ ترک ہو گئے۔ شیوراج سے سراج الدین بن گئے اور دین و دنیا کی سیرایاں اور شادایاں آن کے حصے میں آ گئیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے جو کہ شبلی کے شاگرد خاص بلکہ جانشین تھے ”حیات شبلی“ میں اس واقعہ کے تذکرے کے بعد شبلی کے کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”اسی خاندان میں مولانا شبلی مرحوم کی پیدائش ہوئی کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہندی نژاد راجپوت آگے بڑھ کر اس قابل ہوا کہ رسول مطلبی و ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدارج معارف سے دنیا کو آشنا کرے۔ فاروق اعظم کی سطوت کا دلوں میں سکھ بٹھائے۔ نعمان بن ثابت کوئی امام اعظم کے فقہ اور قانون کے مصالح اور حکم کو نیا جلوہ دے۔ فصحاء عرب و ایران کی نکتہ سنجیوں کی شناسائے داد دے اور غزالی و رازی اور مولانائے روم کے اسرار حقیقت کو بر ملا فاش کرے۔ ڈاکٹر اقبال نے جو خود ایک ہندی نژاد برہمن تھے کیا خوب کہا ہے۔

مرا بنکر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی

برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است“

سید سلیمان کا یہ تبصرہ دیکھ کر میرا ذہن اقبال کے مصرعہ

یاسباں مل گئے کہ بہ کو صنم خانے سے

کی طرف منتقل ہو گیا۔ بعض سعادتیں بعض انسانوں کے لئے مقدر ہو چکی ہوتی ہیں۔ شو راج سنگھ کے لئے شرف اسلام کے بعد شبلی کے اسلاف میں ہونے کی سعادت مقدر ہو چکی تھی۔

تحصیل علم

مولانا شبلی کو اپنے زمانے کے نادر روزگار استادوں کی سرپرستی میسر آئی۔ کچھ انتظامات والد نے کئے اور بعض بیٹے کے ذوق و جستجو نے سپا کئے۔ شبلی کے اساتذہ کی فہرست میں علی عباس چریاکوٹی، ہدایت اللہ جون پوری، فاروق چریاکوٹی، اوشاد حسین رامپوری، احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا فیض الحسن کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ شبلی مرحوم اس زمانے میں لوکان بھین کے مصداق لاہور پہنچے اور عرسیم کی تکلیف و تنگ دستی گوارا کی۔ لاہور میں مولانا فیض الحسن مکان سے کالج آنے کے وقت ان کے ساتھ ساتھ چلے جاتے اور اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے جاتے تھے۔ کالج گرسی کی تعطیلات کے لئے بند ہوا تو استاد کی معیت میں سہارنپور پہنچے۔ مولانا فیض الحسن نے ۱۸۸۷ء میں وفات پائی۔ شبلی اس وقت علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے۔ شاگرد نے استاد کا مرثیہ لکھا نمونہ کے دو چار اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

یہ تحسین عبوری چند ہریں مرا ناصح
دے بگذار تا دو ماتم فیض الحسن کریم
یہ مرگش علم و فن در نالہ ہاسن ہمنوا باشد
هنر بر خویشتن گرید چو من بر خویشتن کریم
نہ گویم من تو خود انصاف ده تا از کہ می آید
عرب را زندہ کردن و انکہ از ہندوستان بودن

بہ آئین دری بر جادہ پیشیناں رفتن
بہ آہنگ حجازی یادگار ہستان بودن

مولانا شبلی نے قریباً چودہ برس عربی اور فارسی پڑھی۔ قرآن حدیث، تفسیر، فقہ، منطق وغیرہ تمام علوم اسلامی میں دسترس حاصل کی۔ درس حدیث سے رہے تھے کہ آئیس برس کی عمر میں والد کے ساتھ سعادت حج میسر آئی۔

مشاغل معاش والد کے اسرار پر ۱۸۸۰ء میں قانون کا امتحان پاس کیا، وکالت شروع کی لیکن خلاف تقویٰ سمجھ کر ترک کر دی۔ اور دس روپے ماہوار پر نقل نویسی اور قرق امینی اختیار کر لی لیکن آٹھ بھی چھوڑ دیا۔

علی گڑھ کا قیام شبلی اول مرتبہ ۱۸۸۱ء میں والد کے ساتھ بھائی سے ملنے علی گڑھ گئے۔ سر سید کی خدمت میں اپنا عربی نصیذہ پیش کیا اور سر سید کے دل پر اپنا نقش بٹھا کر چلے آئے۔ ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ کالج میں پہلے چالیس روپے ماہوار پر ملازم ہوئے بعد میں سو روپے ماہوار ملنے لگے۔ علی گڑھ میں انہیں سر سید کی صحبت میسر آئی، قوم کی حالت کا اندازہ ہوا، اصلاح حال کا ولولہ پیدا ہوا، قومی نظموں کا سلسلہ شروع کیا۔ شاعری نے رونق پائی، تحقیق و تدقیق کا میدان میسر آیا، انگریزی تعلیم کی ضرورت کا احساس ہوا، نوجوانوں میں تعلیم دینی کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی، طلباء میں قرآن سے شیفتگی اور سیرت سے شغف پیدا کیا، میلاد کی محفلوں میں چمکے اور اجرا درس قرآن کی سعادت حاصل کی اور کتنے ہی نوجوانوں کے دلوں میں اسلام

کی محبت کا بیج بویا - مولانا ہد علی جوہر مرحوم اسی زمرہ شاکردان میں سے ایک تھے جس نے محبت قرآن کا سبق شبلی کے درس میں حاصل کیا - اسی شاکرد رشید نے خود ایک مدت بعد بڑودہ میں شبلی کی میزبانی کے ساتھ ساتھ استاد سے تصنیف سیرت کے لئے فطمی آبادی کی سعادت حاصل کی -

علی گڑھ کے بانی ، علی گڑھ کے نوجوان ، شاکردوں اور علی گڑھ کی زندگی ، علی گڑھ کے طریقوں اور علی گڑھ کے نصب العین نے مولانا کی زندگی پر گہرا نقش چھوڑا اور آجے ایک سانچے میں ڈھال دیا - سر سید اور آرنلڈ کی صحبت نے ان کی علمی اور تحقیقاتی صلاحیتوں کو فروغ بخشا آرنلڈ سے انہوں نے فرنچ سیکھی - علی گڑھ سے آرنلڈ کی روانگی پر مولانا نے لکھا -

آرنلڈ آنکھ دریں شہر آمد و رفت
دلبرے بود کہ بکشتار آمد و رفت
آمد آن گونہ بکالج کہ بہ کزار نسیم
رفت زانساں کہ تو گوئی کہ بہار آمد و رفت

سفر قسطنطنیہ دوران قیام علی گڑھ میں شبلی کا فطری ذوق تعلیم و تحقیق علمی اپنے شباب پر آگیا - بعض علمی کاموں میں ہانہ ڈالا ، ان کے نتائج سے محظوظ ہوئے "الفاروق" کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا لیکن ہندوستان کے کتب خانوں کو اس کام کے لئے ناکافی پایا اور علمی سیاحت کی ٹھانی مئی ۱۸۹۲ء میں مصر و روم و شام کے سفر پر روانہ ہوئے - ان ملکوں کے کتب خانے کھنگال ڈالے ، نادر کتابوں کا ہتہ لگایا ، ان سے یادداشتیں مرتب کیں ، بعض خریدیں ، بعض کی نقلیں تیار کروائیں - وہاں کی درسگاہوں کے حالات معلوم کئے اور سر سید کو لکھے -

غلام آباد ہند کے رہنے والے اسلامی مورخ کے لئے اپنے وقت کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی شوکت و عظمت کے نظارے باعث حد ہزار افتخار و مسرت تھے۔ اس زمانے کے خطوط پڑھنے اور سفر نامہ ملاحظہ کیجئے تو شبلی کی سیاست اسلامی اور جذبہ اخوت کی عالمگیری کا مزا حاصل ہو سکتا ہے۔ انہیں سلطان عبدالحمید نے تمغہ مجیدہ بھی عطا فرمایا جسے اس زمانے کے انگریز حکمران ہند کی فرعونیت برداشت نہ کر سکی اور مولانا کو تمغہ استعمال کرنے کی مسرت سے محروم رکھا گیا بلکہ بعد میں تو مولانا کو اس تمغہ کی چوری کا غم کھانا پڑا۔ علی گڑھ میں ۱۸۹۳ء میں انہیں ۳۹ برس کی عمر میں سرسید کی تحریک پر شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

علی گڑھ سے قطع تعلق سرسید کی وفات پر مولانا علی گڑھ سے چھ ماہ کی رخصت پر چلے گئے اور اس مدت کے بعد اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔ اور اس طرح علی گڑھ سے آن کا سولہ سالہ تعلق ختم ہو گیا۔

علی گڑھ سے جا کر مولانا کا وقت خدمت دینی کے مختلف منصوبوں مگر قسم قسم کی پریشانیوں میں گزرا۔ والد اور بھائی فوت ہو گئے۔ تیس ہزار روپے کا قرض ترکے میں ملا۔

حیدر آباد ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک حیدر آباد میں رہے سرورشتہ علوم و فنون کی نظامت پر متمکن ہوئے، چار سال میں پانچ کتابیں شائع کرائیں، ادب کی محفولوں کو گرماہا اور تصنیف و تالیف کے لئے نئے نئے میدان پیدا کئے۔

تصانیف شبلی

(۱) اسکاف المتعدی (عربی)

(۲) ظل الفحام مسئلہ القراء خلف الامام - اردو

یہ دونوں کتابیں عہد طالب علمی کی یادگار ہیں - قیام علی کڑہ میں حسب ذیل کتابیں تیار ہوئیں -

(۳) گذشتہ تعلیم مسلمانوں ۱۸۸۶ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں یہ مقالہ پڑھا گیا -

(۴) العامون ۱۸۸۷ء میں ہارون الرشید کے خلاف ہمارے کتاب کا جواب -

(۵) سرورۃ الفغان ، چار سال زیر تصنیف رہی ، امام ابو حنیفہ کی خلعت میں مولانا کا ہدیہ عقیدت -

(۶) سفر نامہ مصر و روم و شام ۱۸۹۳ء - اردو

(۷) رسائل شبلی ، اسلامی شفا خانے ، اسلامی کتب خانے حقوق اندمشین -

(۸) الجزیہ اردو اور عربی -

(۹) الفاروق ۹۸-۱۸۹۳ء تک زیر تصنیف رہی -

(۱۰) الغزالی ، اردو ۹۰۲ء سرسید ۱۸۹۳ء میں اس کے لکھنے کی تحریک کی تھی -

(۱۱) علم الکلام - اردو ۱۹۰۳ء -

(۱۲) الکلام اردو ۱۹۰۳ء -

(۱۳) سوانح مولانائے روم - مدتوں مطبع میں پڑی رہی اور ۱۹۰۶ء میں آگرے سے شائع ہوئی -

(۱۴) موازنہ انیس و دہر - ۱۹۰۶ء -

(۱۵) شعرالمعجم پانچ جلدیں -

سیرۃ النبی مولانا کی آخری تصنیف تھی جسے وہ خود مکمل نہ کر سکے ، اس تصنیف کو بجا طور پر اپنا سرمایہ نجات سمجھتے تھے ۱۹۱۲ء میں اس سلسلہ میں مالی امداد کے لئے علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم والیہ بھوپال کی خدمت میں جو درخواست گذاری اس کے خاتمہ پر دو شعر پڑھ کر سنائے

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستان لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر رہنا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

دو برس بعد جب تجدید اعانت کا سوال پیدا ہوا تو مولانا نے لکھا ”اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشا اللہ دنیا کو ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع سو برس تک نہیں ہو سکتی“ جب مدت امداد تا تکمیل کتاب بڑھا دی گئی تو لکھا :-

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابراہیم سلطان جہاں بیگم زر النشان ہے
رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر میرا دل ہے میری جان ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جس میں اکس فقیر بینوا ہے ایک سلطان ہے

انتخاب 'مکاتیب شبلی'

مرتبہ
سید سلیمان ندوی

فاشر
دارالمصنفین اعظم گڑھ

مولانا شبلی کے مکاتیب دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں
مرتبہ 'انتخاب، جناب ناظم 'دارالمصنفین' کا نہایت ممنون احسان
ہے کہ انہوں نے اس انتخاب کی خوش دلی سے اجازت مرحمت فرمائی ۔

سر سید احمد خاں کے ذام (از قسطنطنیہ)

(۱)

سیدی ،

تسلیم ، میں ۲۲ مئی کو یہاں پہونچا ، لیکن ترددات کی وجہ سے خط لکھنے کی مہلت نہ مل سکی ، یہ خط بھی مختصر اور ہرائیوٹ ہے ، کچھ کچھ باتیں آپ انتخاب فرما کر چھاپ دیں تو ممکن ہے ، میں نے سر دست ایک مختصر سا حجرہ ۱۰ روپے مہینہ کرایہ کا لے لیا ہے ، لیکن کھانے کا صرف یہاں بہت زیادہ ہے ۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ آپ دو تین سو یا اس سے زیادہ روپے بھیج دیں کہ جو کتاب جس وقت ہاتھ آئے لے لی جائے یا نقل و کتابت کا انتظام کیا جا سکے ۔ کتابیں یہاں بہت ہیں اور نادر ہیں ، لیکن کہاں تک لکھوائی جا سکتی ہیں ۔ امام غزالی کی تصنیفیں یہاں موجود ہیں ۔ اور بوعلی سینا کی تو شاید کل تصنیفات مل سکتی ہیں ، امام غزالی کے خطوط بھی موجود ہیں ۔ خیر جو ممکن ہوگا کیا جائیگا ۔ یہاں اکثر لوگوں سے ملاقات ہوسکتی ہے ، لیکن مشکل زبان کی ہے ، بعض بڑے کالج دیکھے مگر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے حالات معلوم کرنے میں نہایت دقت ہوتی ہے ، میں نے ترکی پڑھنی شروع کی ہے اور انشاء اللہ کچھ نہ کچھ بقدر ضرورت واپسی کے وقت تک سیکھ لوں گا ، اس وقت تمام کالجوں وغیرہ کی رپورٹ تیار کر سکوں گا ۔

حالات دلچسپ ہیں اور سفر نامہ کے لئے بہت سامان مل جائیگا لیکن اس وقت بلکہ زمانہ قیام تک مطلق فرصت نہیں مل سکتی ، ہر روز تین چار میل کا چکر کرنا پڑتا ہے ، بہت بڑا شہر ہے اور تمام کتب خانے وغیرہ دور دور واقع ہیں ۔

روپیہ بھیجنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کک کمپنی کے
ہاں سے نوٹ منگوا کر میرے یہاں رجسٹرڈ بھیج دیجئے ، میں بھی
کک کے نوٹ ساتھ لایا ہوں اور یہاں کک کے کارخانے میں
مے تکلف چل سکتے ہیں ۔

یہاں آج کل عینی کی شرح بخاری چھپ رہی ہے ، ۹ جلدیں
چھپ چکی ہیں بہت بڑی کتاب ہے ، حنفیوں کو اس کی تلاش
تھی وہاں کسی متصلب حنفی کو درکار ہو تو منگوا سکتے ہیں ۔
بیروت کے علماء نے تمام نصاریٰ عرب خواہ جاہلیت کے ہوں
خواہ اسلام کے ان سب کے اشعار کا ایک مجموعہ تیار کر کے چھاپنا
شروع کیا ہے ، ایک جلد چھپ چکی ہے ، اسی میں اخطل کا
دیوان بھی ہے ، لیکن وہ مستقل تین جلدوں میں چھپ چکا ہے ،
یہ آج تک کہیں نہیں مل سکا تھا ، یورپ میں بھی اس کی
تلاش تھی ۔

معتزلہ کی کتابیں یہاں بھی نہیں ہیں ۔

وہاں کے حالات جس قدر تحریر فرمائیے گا میری تشفی کا
باعث ہو گا ۔ لڑکوں کو میں حضور کے بھروسہ پر چھوڑ آیا ہوں ،
یہاں حمید کو نگرانی کی تاکید فرمائیے گا ۔

یہ خط والد قبلہ کو بھیج دیا جائے یا اس کی نقل ، متعدد
خطوط لکھنے کی اصرحت نہیں ، حالات سفر میں ایک قصیدہ موزون
ہو گیا ہے وہ خط کے ساتھ شامل ہے ، مطبع مفید عام میں چھاپ
کر علی گڑھ کڑ کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو مناسب ہوگا ،
اس کی چند کاپیاں والد قبلہ کو بھی بھیج دیجئے گا ۔

یہاں کا اخبار اختر جو فارسی زبان میں ہے اور جس کی اشاعت
دو ہزار ہے ، میں نے آپ کے نام روانہ کرنے کے لئے کہہ دیا

ہے ، اس کی ششماہی قیمت چھ روپے ہے وہ انہیں روپیوں کے ساتھ بھرجدیجئے کا ممکن ہے کہ اس اخبار میں ہمارے کالج کے حالات چھپتے رہیں ، اور وہ ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ دیں گے ، یہاں اکثر لوگ ہندوستان کے نام سے بھی واقف نہیں ، ورنہ اگر مسلمانوں کے تمام حالات اور ضرورتیں معلوم ہوں تو کالج کو مدد ملنا یقیناً مشکل نہیں ، ہزاروں میل تک یہاں کے اوقاف کا فائدہ پہونچنا ہے ۔

شیل نعمانی

۲۵ مئی ۱۸۹۲ء

قسطنطنیہ ۔ مقام تختہ خان ، قریب خان محمود پاشا

(۲)

سیدی و سولائی

یہ تیسرا خط ہے جو استنبول سے لکھ رہا ہوں ۔ آپ کو اور بزرگان وطن کو میرے خطوط کا انتظار نہ کرنا چاہئے یعنی سکوت کی حالت میں قیاس بلکہ یقین کر لیجئے کہ میں بغیرت ہوں ۔ باقی حالات سفر، اس کی نسبت میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہاں سے کچھ نہ لکھوں گا ۔

قلمی کتابیں یہاں نہیں ملیں ، مصر میں کبھی کبھی ہاتھ آ جاتی ہیں ۔ اس لئے صرف مطبوع کتابیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن ان کی تعداد بھی معتد بہ ہے ۔ یہاں امام غزالی کی تمام کتابیں اور رسالے موجود ہیں ۔ مکاتبات کا نسخہ بھی ہے ۔ بوعلی سینا کی اس قدر تصنیفات ہیں کہ کہیں نہ ہوں گی ۔ ارسطو وغیرہ کی کتابوں کے اصلی ترجمے نہایت قدیم خط میں موجود ہیں ، لیکن کیا حاصل ؟ کتابت کی شرح ۴ روپے جز سے کسی حال میں کم نہیں

معزلہ کی کتابیں البتہ ناپید ہیں ، عبدالقادر جرجانی کی تفسیر ہے مگر اس میں کوئی نئی بات نہیں ۔

ہرسوں میں عثمان پاشا سے ملا ، نہایت اخلاق سے ملے ، عربی سمجھ لیتے ہیں اور دو چار معمولی باتیں بھی کر سکتے ہیں ۔ میں نے انکے ہاتھ کا ہوسہ دینا چاہا لیکن راضی نہ ہوئے بلکہ الٹی خود میری تقلید کرنی چاہی ، رخصت کے وقت فرمایا کہ آپ جب چاہیں تشریف لائیں ، بہت خوش سے ملونگا ۔ تمام اور بڑے بڑے پاشاؤں سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے ، لیکن اول تو زبان کی اچنیت ثانیاً مجھکو اور کسی کی ملاقات کا شوق بھی نہیں ۔

یہاں کا ٹائپ بے انتہا عمدہ ہے ، تمام دنیا میں اس کا نظیر نہیں ، علی گڑھ گزٹ کے لئے یا مستقل مطبع کے لئے ضرور خریدنا چاہئے ، بیروت و ہالینڈ کے حروف میں بھی یہ نوک ہلک نہیں ۔

افسوس ہے کہ عربی تعلیم کا پیمانہ یہاں بہت ہی چھوٹا ہے اور جو قدیم طریقہ تعلیم تھا اس میں یورپ کا ذرا ہر تو نہیں جدید تعلیم وسعت کے ساتھ ہے ، لیکن دونوں کے حدود جدا رکھی گئی ہیں اور جب تک یہ دونوں ڈانڈے نہ ملیں گے اصلی ترقی نہ ہو سکے گی ، یہی کمی تو ہمارے ملک میں ہے ، جس کا رونا ہے ۔

میں نے کالج کا نتیجہ اکمل الاخبار میں دیکھا اور بے انتہا خوش ہوا بلکہ سچ یہ ہے کہ اسی عالم میں خط لکھنے بیٹھ گیا ورنہ معمولی باتیں روز روز کیا لکھوں ۔

روپے فوراً جس قدر کتاب کے لئے بھیجنے ہوں بھیجنے ، یہاں سے میں اٹھا تو پھر مجھ کو خط وغیرہ کوئی چیز نہ مل سکے گی ، یہاں کی جو چیزیں مشہور ہیں وہ آپ کو معلوم ہیں ، اگر

کوئی چیز مطلوب ہو تو تحریر فرمائیے کہ سب لیتا آؤں میں چاہتا ہوں کہ کالج کھلنے چند ترکی زبان کی عملہ کتابیں خریدی جائیں جن سے یہاں کی ترقی کا اندازہ ہو سکے گا۔

یہ خط والد قبلہ کے پاس بھیج دیا جائے ، یہاں حمید کو تاکید فرمائیے کہ مجھکو نہایت مفصل خط لکھیں اور عزیزوں کے امتحانات کے نتیجے بھی لکھیں۔

میری تصنیفات تیار ہو جائیں تو چند نسخہ یہاں کھلنے چاہئیں لیکن دیر ہوگی تو مجھکو نہ مل سکیں گی ، میرا انشا اللہ ۱۵ اگست تک یہاں رہوں گا۔

ہاں آج میں حسین حبیب آفندی سے جو بھٹی میں سفیر تھے اور اب یہاں پولیس جنرل ہیں ، ملا ، بے انتہا مہربانی کی ، گھر کے تمام کمرے دکھائے ، دعوت کی اور بہت سی مہربانیاں کہیں ، وہ اردو بخوبی بولتے ہیں ، آپ فوراً سیرۃ النعمان کا ایک نسخہ جو وہاں میں دیکھ آیا ہوں اور اس پر کالج کی سہر نہیں لگی ہے ، بھیج دیجئے ، ضرور میں ان کو ہدیہ دوں گا ، وہ اسی مذاق کے آدمی ہیں۔

والسلام

۱۵ جون ۱۸۹۲ء شنبہ - قسطنطنیہ

باب عالی - ادارہ اختر

ذواب محسن الملک مولوی مہدی علی خان مرحوم کے نام

(۳)

جناب من

آپ کا خط پڑھکر بے اختیار ہنسی آگئی ، آپ لوگ مجھ کو اس قدر بھولا اور سادہ دل سمجھتے ہیں ، اسکول کے لئے میرا

یہاں رہنا مفید ہوتا تو کیا رہ جاتا لیکن یہاں کا رویہ ہمیشہ
 یہیں خرچ ہوتا ہے باہر نہیں جاتا ، مجھ کو سر دست - سو روپے
 ماحوار سے زیادہ نہیں مل سکتے اور یہی یہاں کا خرچ ہے ، پھر
 جس قدر تنخواہ بڑھتی ہے خرچ بڑھتا جاتا ہے ۔ البتہ اگر یہاں
 کی سوسائٹی میں مبتذل ، بد حیثیت ، بے وقعت ہو کر رہوں تو
 اس انداز ہو سکتا ہے ، باقی وہاں کے لئے یہاں کے لوگوں سے
 چندہ یہ کسی قدر حماقت کا خیال ہے ۔

مولوی صاحب رویہ اور دولت کی قدر مجھ سے زیادہ کسی
 کو نہیں میں کچھ ابراہیم ادھم اور بایزید نہیں ہوں ، میرا تو
 رواں رواں دنیا کی خواہشوں سے جکڑا ہے ، لیکن دنیا کو سلیقہ
 کے ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہوں ، مجھ سے جوڑ توڑ ، سازش ،
 دہار داری ، خوشامد ، لوگوں کی چھوٹی آؤ بھکت نہیں ہو سکتی
 اور بغیر اس کے کامیابی معلوم ۔

اس لئے میں نے گوشہ عاقبت پسند کیا ۔

یہاں مجھ سے میری خواہش کا استفسار ہوا میں نے کہا
 موجودہ آمدنی کے ساتھ کالج کے تعلق سے آزادی ، چنانچہ اسی
 قدر ماحوار کا منصب مقرر ہو گیا ، الفاروق کے بعد غالباً ۱۵۰
 یا ۲۰۰ ہو جائے ، روپے میں اضافہ کا وعدہ درج کر دیا گیا ہے ،
 کو مقدار کی تعین نہیں ، بس میری تنہا زندگی کو یہ بہت ہے ۔
 قافل کا ارادہ نہیں ، زیادہ دھوم دھام کی خواہش نہیں ، بے
 زحمت خدا نے اس قدر دیا تو لاکھ لاکھ شکر ہے اور یوں تو ع
 کاسہ چشم حریصان الخ رہا قوم کی خدمت کرنی ، اس کی تدبیر
 یہ نہیں کہ چھوٹی سفارشی کر کے دو چار کو نوکری دلا

دیجائے ، ان کو اس قابل بنانا چاہئے کہ وہ خود اپنی سفارش کر سکیں ۔

زیادہ نیاز شبلی نعمانی

۱۵ ستمبر ۱۸۹۳ء

شیخ حبیب اللہ صاحب کے فام

(شیخ حبیب اللہ مولانا کے والد تھے)

(۴)

قبلہ ام ، تسلیم

گو میرا قلم خامہ نقاش کی ہمسری کرے جس سے میں اس عجیب و غریب مقام (نہنی تال) کی پوری تصویر کھینچ سکوں ، تاہم مجھ کو یہ امید نہیں کہ اس کوشش سے عزیزان وطن کو جو میرے خط پر آنکھ لگانے پڑے ہوں گے اپنے شوق و انتظار کا صلہ مل جائے گا ۔

میں بے تکلف تسلیم کرتا ہوں کہ نہنی تال ایک عجیب اور ”حیرت انگیز“ مقام ہے لیکن اگر ”عجب انگیز“ اور دلچسپ و فرحت زا ہونا دو جداگانہ چیزیں ہیں تو مجھ ایسے ایشیائی خیال کے آدمی سے یہ امید رکھنا عبث ہے کہ میں اس کو ”فرحت زا“ بھی مان لوں گا ۔ ہاں جو لوگ انگریزوں کی ہر ادا پر جان دیتے ہیں ، ان کا مذہب کیا ہوچھتا ، ع

ہر چہ آید در دلم غیر تو نیست

اب حالات سنئے ۔

کلٹ گودام تک ریل ختم ہوتی ہے اور پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ، کلٹ گودام سے نہنی تال ۱۲ میل ہے مگر تمام راستہ قدرت الہی کی نیرنگی و عظمت کا مرقع ہے عرض میں

پانچ چھ ہاتھ زمین چھوڑی ہوئی ہے جس پر راستہ چلتا ہے ، باقی ایک طرف پہاڑ کی وہ ہیبت ناک دیوار ہے جس کی طرف دیکھنے سے نگاہ کانپ جاتی ہے ، دوسری جانب نہایت عمیق ہولناک غاروں کا سلسلہ ہے اور اگر اس پہاڑ میں سخت سردی نہ ہوتی تو یہ غار بڑے بڑے اژدھا اور موذی جانوروں کے دارالسلطنت ہوتے ۔ نینی تال جب تین میل رہ جاتا ہے ، تو پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی ہے ، سطح زمین سے اس مقام کا ارتفاع تین میل سے کم نہیں مگر اس کچ و پیچ سے راہ نکالی ہے کہ بے اختیار انگریزوں کی ہمت پر آفریں کی صدا بلند ہوتی ہے ، آپ خود خیال کر سکتے ہیں ، کہ جو کوئٹہ تین میل کا اونچا ہوگا اس کے زینے کیسے پر پیچ اور دشوار گزار ہوں گے ۔ کوئی شخص کیسا ہی بے حس یا مستقل دل رکھتا ہو یہاں پہنچ کر ممکن نہیں کہ حیرت کے صدمہ سے بچ سکے ۔ تال جو ایک میل سے زیادہ لمبا ہے ، یہ ایک نہایت گہرا غار تھا جس کی تہا اب بھی غیر معلوم ہے ، اس میں مدت سے قلعہ جیچوں کا پانی گرتا رہتا ہے اور اب وہ بھر گیا ہے اور تال کے لقب سے مستاز ہے ، شام کو اس کے کنارے میمون اور مسوں کا مجمع ہوتا ہے اور مختلف طرح کے کھیل کھیلتے ہیں ، سامنے ایک میدان ہے جس میں انگریز کرکٹ کھیلتے ہیں ، یہ سب کچھ ہے مگر چونکہ اس کے دونوں طرف پہاڑ کی نہایت اونچی دیواریں کھڑی ہیں ۔ مجھکو یہ جگہ ہر طرف سے نہایت ہند اور گھٹی ہوئی معلوم ہوئی مجھکو یقین ہے کہ جو شخص صحرائیت اور فضائیت کا دلدادہ ہے میرے دعویٰ کی شہادت پر فوراً آمادہ ہوگا ، جس کوئٹہ میں میں ہوں بہت بلندی پر نہیں ہے تاہم دو دن کی مشق میں نیچے تک پہنچنے اور واپس آنے میں میرا دم ٹوٹ جاتا

ہے، اور کئی جگہ ٹہرنا پڑتا ہے، ہر ایک کوٹھی سے انگریزوں کی بے روک ہمت اور ہرجوش محنت کی شہادت ملتی ہے، یہاں جو کچھ آرام ہے صرف یہ ہے کہ کسی وقت یہاں آفتاب کی عملداری نہیں ہونے ہاتھی بھی بات ہے، جس کے لئے انگریزوں نے لاکھوں کروڑوں روپے صرف کر دیئے ہیں، درحقیقت ہم کو انگریزوں سے سبق سیکھنا چاہئے کہ صحت سب چیزوں پر مقدم ہے، اور کوئی کام دنیا میں ناممکن نہیں، رمضان تو خوب گذریگا، مجھ کو اگر کچھ دلچسپی ہے تو اسی سے، جس کوٹھی میں میں ہوں سید صاحب کے حقیقی بھتیجے بھی مع اہل و عیال کے تشریف فرما ہیں اور مجھ کو بھی مشکل سے جگہ ملی، یقیناً اگر میان ہجہ آئے تو نہایت تکلیف اور سید صاحب پر بار ہوتا۔ تحریر فرمائیے کہ مدرسہ کے لئے کیا ہوا منشی جی نے رقم لکھا یا نہیں۔ میرا خط ہجہ سمیع کو نہایت ہو تاکہ تمام لوگ یہاں کے حالات سے مطلع ہو سکیں، میرا ہتہ یہ ہے۔ نینی نال کوٹھی نمبر ۱۹۰ ایٹونیسٹوایار پالٹا فرودگاہ سید احمد خان۔

شبلی نعمانی

۲۵ مئی ۱۸۸۷ء

(۵)

از قسطنطنیہ

قبلہ ام - تسلیم

میں بفضلہ اچھا ہوں اب میں ایک دوسرے مکان میں آئے آیا ہوں جو نہایت خوش منظر اور تمام ضروریات کا جامع ہے، کرایہ زیادہ تھا مگر بغیر اس کے چارہ نہ تھا۔ یہاں کے حالات خط میں نہیں سما سکتے اس لئے اس کو سرے سے موقوف رکھتا ہوں، الفوس ہے کہ یہاں بجز ترکی زبان کے کسی اور زبان کا رواج نہیں، تمام چیزوں میں دقت پیش آئی ہے اور اکابر کی

ملاقات تو بالکل بے معنی ہوتی ہے ، نہ وہ میری سمجھتے ہیں نہ میں ان کی ۔

کتابیں یہاں عجائب و غرائب ہیں لیکن حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں نہ نقل ہو سکتی ہے نہ حافظہ ان کیلئے کافی ہے ۔ میں ہر روز دو تین میل پیادہ سیر کرتا ہوں کیونکہ کتبخانے دور دور واقع ہیں ، یہ سیر صحت کے لئے بہت مفید ہے ۔ ترکی پڑھنی میں نے شروع تو کی ہے دیکھنے پوری بھی کر سکتا ہوں یا نہیں ۔ یہاں بعض بعض ہندوستانی بھی ہیں اور سرکاری عہدوں پر مامور ہیں ، لیکن تنخواہیں کم ہیں ، یہاں تنخواہیں عموماً کم ہوتی ہیں ۔ چونکہ میں زیادہ قیام کرنا نہیں چاہتا اس لئے خط بھیجنے میں مطلق تاخیر نہ ہونا چاہئے ورنہ مجھکو نہیں مل سکے گا ، ۲۰ ، ۲۲ دن میں خط پہنچتا ہے ۔

ماموں صاحب سے فرما دیجئے کہ آج کل یہاں عینی ، بھاری کی شرح چھپ رہی ہے ، و جلدیں چھپ چکیں ، نہایت عمدہ چھپ رہی ہے ، میں خیال کرتا ہوں کہ بعض تحقیقات اس میں ایسی ہیں جو فتح الباری میں نہیں مل سکتیں ، قیمت ابھی متعین نہیں ہوئی ۔ ایک مشترک کمپنی ڈیڑھ دو لاکھ سرمایہ کی ہے ، جس نے ایک عظیم الشان مطبع قائم کیا ہے ، اسی میں یہ کتاب چھپ رہی ہے ، اس مطبع میں تمام کام انجن اور کلوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے ۔

یہاں بکے کالجوں کی ایک بات مجھ کو بہت پسند آئی ہر کالج کا خاص لباس ہے اور کوٹ پر گریبان سے قریب ہر کالج کا نام لکھا ہوتا ہے ، مجھ کو یہ بات پسند ہوئی ۔ ہمارے کالج میں یہ طریقہ کیوں نہیں اختیار کیا جاتا ، سید صاحب قبلہ بغیر کسی پس و پیش کے کالج کا ایک خاص لباس قرار دیں تو بہت اچھا ہے ۔

جناب سلطان المعظم ہر جمعہ کو مسجد حمیدیہ میں تشریف لاتے ہیں ، اور وہ نہایت عمدہ نظارہ ہے ، کہتے ہیں کہ عید کے دن عجیب سماں ہوتا ہے ، خدا سے امید ہے کہ میں دیکھ سکوں ۔ میں یہاں دو تین سہینے سے زیادہ ٹھرنا نہیں چاہتا ، اس کے بعد انشاء اللہ طرابلس اور دمشق کی سیر کر کے قاہرہ جاؤں گا ، اور وہاں چند روز قیام کروں گا ۔

اگرچہ میری امیدیں مسلمانوں کی ترقی و قوت کی نسبت بالکل برباد ہو گئی ہیں ، کیونکہ یہاں کی حالت وہاں سے کچھ اچھی نہیں ، تاہم سفر پر شبہ ضروری تھا جو اثر اس سفر سے میرے دل پر ہوا وہ ہزار کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہو سکتا تھا ، مجھ کو معلوم ہوا کہ انسان جب تک دنیا کے بڑے بڑے حصے نہ دیکھے انسان نہیں ہو سکتا ، افسوس ہے ان لوگوں پر جن کی تمام عمر ایک مختصر سی چار دیواری میں بسر ہو جاتی ہے ۔

میرے نام اس پتہ سے خط بھیجنا چاہئے ، قسطنطنیہ ۔ باب عالی ادارہ اختر ۔ لیکن لفافہ پر انگریزی اور عربی دونوں خط میں ہونا چاہئے ۔ میرے تمام احباب و اعزاء کو سلام و نیاز ۔ میاں محمد اسحاق کا نام معلوم نہیں کہ درج امیدواران منصفی ہو گیا یا نہیں ۔ جواب خط میں کالج کے نتیجہ امتحان کی تفصیل ضرور ہو ۔ یہ خط یا اس کی نقل سید صاحب قبلہ کو بھیج دی جائے ، جناب موصوف کی خدمت میں عرض ہے کہ علی گڑھ گزٹ میرے نام جاری کر دیں ۔

والسلام ۔

قسطنطنیہ ۔ چادہ باب عالی معرفت ادارہ اختر

۵ جون ۱۸۹۲ء

شیل نعمانی

قبلہ ام

ایک خط خدمت عالی میں روانہ کر چکا ہوں ، سید صاحب کو آج کی ڈاک میں ایک خط لکھا ہے وہ بھی آپ کو ملے گا ۔

میں حسین آفندی سے جو پہلے سفیر بمبئی تھے اور اب یہاں محکمہ پولیس کے سرکل میں مل کر نہایت خوش ہوا ، ان کے اخلاقی نے مجھ کو نہایت گرانبار کر دیا ہے اور میں کسی قدر سیکندوش ہونا چاہتا ہوں ، اس لئے عرض ہے کہ نہایت اہتمام نہایت تلاش اور جدوجہد کے ساتھ نظام آباد کے برتن ارسال فرمائیں ، کسی ہوشیار شخص کو نظام آباد بھیجنے جو وہاں کے کسی رئیس کی معرفت فرمائشی بنوا کر لائے ۔ یہاں ہندوستان کے ظروف گلی آئے ہیں مگر اچھے نہیں آئے ، اگر یہ ممکن نہ ہو تو لکھنؤ کی چکن کا ایک تھان مگر نہایت عمدہ فردی ہوٹیاں ہوں ، نہایت باریک اور نازک کام ہو اور تیس سے کم قیمت کا نہ ہو ، خواجہ عزیز الدین صاحب کی معرفت اگر خریدنا جائے تو غالباً اچھا ہوگا ، میں یہاں آخر اگست تک رہوں گا اس وقت تک آجائے ، یہ بھی نہ ہو تو مراد آباد کا کوئی برتن مگر نہایت عمدہ ، غرض کوئی نادر چیز ضرور بھیجنے ۔

والتسلیم

تسلطانیہ ۔ ادارہ معارف ، باب عالی

”شبلی“

قبلہ ام

آج میں نے ”عجیب دلاویز“ خواب دیکھا ہے ، ”عجیب“ اس لئے کہ دوپہر کا وقت تھا اور آنکھیں بیدار تھیں اور ”دلاویزی“ کی یہ کیفیت ہے کہ جاگے ہوئے مدت ہو چکی ہے اور اب تک آنکھوں میں وہی سماں پھر رہا ہے ، مفصل سنئے ۔ آج جمعہ کا دن تھا اور معمول کے موافق موکب سلطانی کا نظارہ گاہ تھا ، میں بھی ہمہ تن شوق بن کر گیا ، جامع حمیدہ میں داخل ہوا ، سلطان المعظم بڑی شان و شوکت سے آئے لیکن میں کچھ نہ دیکھ سکا کیونکہ یہ سیر صرف ان لوگوں کو نصیب ہوسکتی ہے جو گذرگاہ سلطانی پر پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور پھر نماز کے ختم ہونے تک جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے ۔

محل سلطانی سے تھوڑی دور کے فاصلے پر ایک نہایت پر تکلف جامع مسجد ہے جو سلطان کے نام سے حمیدہ مشہور ہے ، اس گذرگاہ میں ایک مکان ہے ، اور دور دور ملکوں سے آئے ہوئے معزز سیاح یا عہدہ دار جو موکب ہمایونی کی سیر کرنا چاہتے ہیں وہ کسی معزز شخص کے ذریعے سے اجازت حاصل کرتے ہیں اور اس مکان کی چھت پر بیٹھ کر یہ تماشا دیکھتے ہیں ، اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہے ، کیونکہ سواری کے وقت دور تک چاروں طرف فوج کا دائرہ ہوتا ہے اور کوئی شخص اس کے اندر داخل نہیں ہوسکتا ، حسین حبیب آفندی (سابق سفیر بمبئی) نے مجھکو اجازت دلانے کا وعدہ کیا تھا مگر اتفاق سے وہ دیر میں آئے آدھر سواری کا وقت قریب آگیا اور طرقتو اور دور ہائی کی صدائیں بلند ہونے لگیں مجبوراً میں مسجد میں داخل ہوا اور صف اول میں جا کر بیٹھا ، سلطان کی گاڑی زینہ تک آتی ہے اور وہ اتر

کر فوراً مسجد کے بالائی حصہ پر جہاں نہایت مقرب اور مخصوص
 لوگوں کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تشریف لے جاتے ہیں، اور وہاں
 ایک منصوبہ ہے جس کا دروازہ منبر کے بائیں طرف ہے، یہ سلطان
 کی نماز کی جگہ ہے، جب سلطان تشریف لائے ہیں تو اطمینان پر دے
 چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو دیکھ نہیں سکتا۔
 خطیب نے جب سلطان کے منصوبہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بڑے جوش
 سے یہ کہا کہ اللہم انصر مولانا السلطان السلطان الغازی عبدالحمید
 خان تو میرے بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور دیر تک
 دل کا یہ حال تھا کہ امڈا چلا آتا تھا۔ خطیب نے پہلے صحابہ کا
 نام پڑھا اور سلطان کا نام آیا تو ایک زینہ اتر آیا تاکہ ظاہر ہو کہ
 سلطان اگرچہ آج ظل اللہ ہیں تاہم ان کا رتبہ حضرت صدیق و
 حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ نماز کے
 بعد حسین حبیب آفندی نے اتفاقاً سجدہ کو دیکھ لیا اور مسجد کے
 صحن میں جہاں پاشا اور سرداران فوج حلقہ باندھے کھڑے تھے
 لیجا کر کھڑا کر دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ ان سے کوئی
 تعرض نہ کرے سلطان منصوبہ سے اتر کر زینہ کے قریب پردہ
 کے اوٹ میں بیٹھے اور فوجیں سامنے سے گزرنی شروع ہوئیں،
 دو گھنٹہ کامل ایک عجیب تماشا نظر آتا رہا، قریباً دس ہزار
 فوج تھیں، مختلف رسالے اور ہر رسالے کے تمام ساز و اسلحہ
 جدا جدا تھے، میں کیا کہوں، ترکی جوانوں کی دلیرانہ صورتیں
 چمکنے ہوئے اسلحہ، سوزوں اور باقاعدہ رفتار، گھوڑوں کی
 جست و خیز، پاشاؤں کا زرکار لباس، جگمگاتے ہوئے تہفے،
 عجیب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں کیا جاسکتا، اخیر میں
 دونوں شہزادے آئے، بڑے کی عمر نو دس برس کی ہے لیکن جس
 شان و شوکت سے وہ گھوڑے پر سوار تھا بڑے بڑے دلیریوں

کے وہ ثبوت نہیں ہو سکتے۔ فوجیں گذر چکیں تو سلطان گڑی پر سوار ہوئے اور ہمارے سامنے سے گذرے سواری مقابل آئی تو تمام حلقہ نے رکوع کے قریب جھک کر سلام کیا، سلطان دونوں ہاتھوں سے ان کا جواب دیتے تھے۔ یورپ کے اکثر معزز اشخاص یہ تماشا دیکھنے آئے تھے، حالانکہ یہ معمولی چیز ہے اور ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔ عید کے دن کہتے ہیں کہ قیامت کا سماں ہوتا ہے۔ خدا وہ دن بھی دکھلائے۔

قسطنطنیہ

”شبلی نعمانی“

۱۹ جون ۱۸۹۲ء

ماسوں کے قام

(۸)

ماسوں صاحب قبلہ

لوگوں سے معلوم ہوا کہ آپ کو میری تقریر سے ملال ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے میرے مبہم طعن آمیز فقروں کو اپنے اوپر محمول کیا۔ میری عادت غلط بیانی کی نہیں ہے، اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو میں ہرگز انکار نہ کرتا، لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرے کسی فقرہ سے آپ مقصود نہ تھے اور نہ حاضرین نے آپ کی طرف اس کا اشارہ سمجھا۔

میں وہیں تک کسی شخص کی نسبت کچھ کہتا سنتا ہوں جب تک وہ وعدہ یا اہد کا سلسلہ قائم رکھتا ہے، ورنہ جب کوئی شخص صاف انکار کر دیتا ہے تو اس کی نسبت ایک حرف بھی جلسہ میں نہیں کہتا بلکہ ایسا کہنا نہایت بد اخلاقی اور بے تمیزی سمجھتا ہوں۔ بھائی سعید مدت سے اسکول کو کچھ

نہیں دیتے لیکن میری تقریر میں ایک حرف بھی ان کے متعلق نہ تھا۔ اسی طرح شیخ عبدالحق وغیرہ کے متعلق بھر حال آپ کے متعلق میرا ایک حرف بھی نہ تھا اور نہ لوگوں نے ایسا سمجھا۔
واللہ علی ما اقول شہید۔

والتسلیم شبلی

۱۳ اگست

مسٹر محمد اسحاق صاحب بی اے ایل ایل بی کے فام
(محمد اسحاق مولانا کے منجھلے بھائی تھے)
(۹)

برادر عزیز،

کانگریس بے مثل اور تولع سے زیادہ کامیاب ہوئی، افسوس کہ تم نہیں تھے، میں نے تم کو نہیں لکھا مگر اکبر حسین سے تاکید کی تھی کہ تمام حالات سے تم کو اطلاع دیں گے، میرا مضمون علیحدہ چھپ رہا ہے جبہ جز کی ضخامت ہوگی، قصیدہ اس مضمون اور روئداد دونوں کے ساتھ چھپے گا، اس وقت ایک نہایت ضروری امر کے لئے لکھتا ہوں،

مولوی محمد عمر صاحب کا ایک خط خط کے ساتھ ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کا روئے خطاب تم سے بھی اسی قدر ہے جس قدر مجھ سے، تم اپنی پختہ رائے سے جو کامل غور کے بعد قائم کرو، مجھ کو مطلع کرو، تم کو خاص ان پہلوؤں پر لحاظ رکھنا چاہیے،

(۱) نیشنل اسکول کا قائم رکھنا کیوں ضروری ہے،

(۲) کیا بلحاظ حالات موجودہ اور توقعات آئندہ کی وہ مستقل طور پر قائم رہ سکتا ہے،

(۳) ہماری قوم کے تعلیم یافتہ نوجوان جن میں تم بھی ایک بلند پایہ پر ہونے کا حق رکھتے ہو، اس کے کچھ کام آسکیں گے،

یہ امر بھی لحاظ طلب ہے کہ تم کو بی اے کے بعد کہاں بیٹھکر ایم اے یا قانون کے لئے تیار ہونا چاہئے، غالباً اگر تم اعظم گڑھ کو پسند کرو تو اسکول کو خود تقویت ہوگی، اعظم گڑھ میں رہکر تم اگر اپنا ماحانہ صرف والد قبلہ سے وصول کرتے رہو (جس کا ذمہ میں کرسکتا ہوں) تو الہ آباد کے قیام سے وعان کا قیام مناسب تر ہوگا، کیونکہ تم ان روپیوں کو اپنے خاص مذاق اور علمی کتابوں کے خرید کرنے میں صرف کر سکو گے، شاید تم کو معلوم ہوگا کہ میں لوگوں سے تمہاری نسبت کسی قدر علمی زندگی بسر کرنے کا تذکرہ سنتا ہوں،

اب اس بات پر خیال کرو کہ یہ اسکول ہم لوگوں کے خیالات اور حوصلوں کا ایک عمدہ مشغلہ ہے ہم توقع کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کی علمی ترقی کے ساتھ اس کو بھی ترقی دینے جائیں گے، آخر وہ کیا چیز ہے جس کو مخصوص صورت میں ہم ایک قومی کام کہہ سکتے ہیں، ہم میں جو لوگ قومی مذاق پیدا کرتے جائیں گے، ان کے لئے اپنی قومی فیاضی کے صرف کرنے کا اس اسکول سے عمدہ تر کیا موقع ہوگا،

سر دست میرے نزدیک بھی وہ ایک حقیر صورت رکھتا ہے، لیکن ایک لوہار کی اس میلی چمڑی سے کم حیثیت نہیں ہے، جس کو اس نے مدت تک اپنے پاؤں کے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کیا تھا، اور جو بعد کو ایک معمولی علم پر چڑھکر تین ہزار برس تک درفش کلاویانی کے فخر آسیر لقب سے پکرا گیا،

خیر جو تمہاری رائے ہو اس سے مطلع کرو، اور اس کی نسبت جن امیدوں کا خیال ہو لکھو۔

والسلام،

شبلی نعمانی،

مولوی حکیم محمد عمر صاحب کے نام (بہ خط علی کڑا سے زمانہ برویسری میں لکھا گیا) (۱۰)

برادر م مکرم ما، فخر ما، مقتداے ما،

اس وقت مجھ سے نہ میری طبیعت کا حال پوچھئے، نہ کوئی اور واقعہ، آپ سنیے اور میں دل سے آٹھتے ہوئے جوش سے ایک تازہ کیفیت سناؤں، یوں تو مدرسہ العلوم کے قواعد میں داخل ہے، کہ لڑکے مغرب کی نماز جماعت سے پڑھیں، مگر ان دنوں ہوا کا رخ ہی بدل گیا ہے، کہ لڑکوں نے خود ایک مجلس قائم کی ہے، جس کو وہ لجنۃ الصلوۃ کہتے ہیں، ایک ہی اسے سکریٹری ہے، اور بہت سے تعلیم یافتہ اس کے سیر ہیں، چار بجے صبح کے بعد ایک نوجوان انگریزی خوان لوگوں کو اس پر اثر قمرے سے چونکا دیتا ہے، الصلوۃ خیر من النوم، پانچوں وقت کی نمازیں بہ جماعت ہوتی ہیں، اور لطف یہ کہ محض اپنی خواہش سے بیرونی دباؤ کا نام بھی نہیں۔

مغرب کی نماز سبحان اللہ! کیا شان و شوکت ہوتی ہے، کہ بس دل پھٹا پڑتا ہے، خود سید صاحب بھی شریک نماز ہوتے ہیں اور چونکہ وہ حاصل بالحدیث ہیں، آمین زور سے کہتے ہیں، ان کی آمین کی گونج مذہبی جوش کی رگ میں خون پڑھا دیتی ہے، میں کبھی کبھی اسلام پر لکچر دیتا ہوں، مسجد بننے کی طیاری ہے، سید محمود صاحب کی سرگرمی نے اس کے پیمانہ تعمیر کو نہایت وسیع کر دیا ہے، وہ مہتمم خاص ہیں، اور تین ہزار چندہ خود دیں گے میں نے بھی ۵۰ دئیے ہیں، سید محمود صاحب خود ہاتھ میں بھاوڑا لیں گے، اور مسجد کی نیوکھو دیں گے، لاگت کا تخمینہ ساٹھ ستر ہزار روپیہ ہے۔

مجھ کو اس بات کا فطر حاصل ہے کہ اس نئی زندگی کے پیدا ہونے میں میرا بھی حصہ ہے۔ اور اس جوش مذہبی کا ہر انگہختہ کرنا میری قسمت میں بھی تھا، میں اس جوش مسرت میں اور بھی لکھتا، مگر مجھ کو میرے بھائی خصوصاً میان اسحاق و عثمان یاد آ گئے، میرا سارا جوش اس طرح ٹھنڈا ہو گیا جس طرح طاؤس کا اپنے پاؤں دیکھنے سے۔

ان عزیزوں نے ترقی و لیاقت کا فطر صرف لا مذہبی کو سنبھالا ہے، حالانکہ لیاقت بھی کچھ دلیا ہے نوالی نہیں، خیر خدا توفیق دے، میرا یہ خط اور احباب کو بھی دکھلائیکا۔ والسلام،
شبلی، ۲ مارچ ۱۸۸۶ء

مولوی سمیع اللہ کے نام (مولانا کے ایک ابتدائی اور عزیز شاگرد تھے) (۱۱)

جان من

عام قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی اپنا عزیز کہیں باہر ہوتا ہے تو احباب کو اس عزیز کے یاد آنے کے ساتھ ضرور یہ خیال ہوتا ہے کہ کس مکان میں ہوگا، کیسے بسر ہوتی ہوگی، کیا شغل ہوگا، دوست احباب کیسے ہوں گے۔ بھائی یہ خیال تمہیں ہو یا نہ ہو مگر میں تمہاری طرف سے فرض کر کے اپنی طریق معاشرت کا خاکہ کھینچتا ہوں اور آمید کرتا ہوں کہ تم عبارت کی رنگینی اور شان و شوکت کی تلاش تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو گے اور سادے لقروں پر فطاعت کرو گے، میں جس مکان میں رہتا ہوں، شہر کے کنارے پر ہے، یہ مکان ایک مختصر سا مگر خوش قطع مکان ہے، دکھن کی طرف ایک خوش

نما، چراہدار چھوٹا سا دالان ہے ، اس میں خاص میں رہتا ہوں ، ایک جانب پلنگ ہے ، اور زمین پر صاف اور پاکیزہ چاندنی کا فرش کھینچا ہوا ہے ، صدر مقام کے دائیں جانب لڑکی جانماز اور سامنے ایک رنگین اور ہلکا سا ڈسک رکھا ہوا ہے ، دیوار میں لمب جڑا گیا ہے ، جو شب کو دیر تک روشن رہتا ہے ۔ اسی دالان کے متصل ایک جانب ایک حجرہ ہے ، جس میں مولوی عبدالغفور صاحب تشریف رکھتے ہیں ۔ اسی دالان کے مقابل دوسری جانب ایک گول کمرہ ہے جو عزیززی اسحاق کی سکونت کی جگہ ہے ، اور جو کرسیوں اور میز سے آراستہ ہے ، کمرے کے متصل جو حجرہ ہے ، وہ عزیززی محمد عثمان کے رہنے کی جگہ ہے ۔

میرے مکان سے متصل خواجہ محمد یوسف کا مکان ہے ، اور وہیں ایک شاعر مشہور جو سارے شہر کے استاد اور واقعی سخن سنج گردو ہیں رہتے ہیں ، مجھ سے اکثر ملتے ہیں اور قیس تخلص کرتے ہیں ، خواجہ محمد یوسف سے لطف کی ملاقات ہوتی ہے ۔

مولوی سمیع اللہ خان سے بھی ملتا رہتا ہوں اور بفضلہ عمدہ طور سے ملتے ہیں ، میر اکبر حسین صاحب مٹھف سے تو خوب چھنتی ہے ، میرے فارسی اشعار بھی انہوں نے سنے اور داد دی ، مثنوی کے لڑکے بھی میری جماعت کے مہذب اور سخن فہم ہیں ۔

افسوس کہ میرے قصیدہ کی متعدد کاپیاں نہیں ، ایک پرچہ جو میرے پاس تھا وہ اس قدر سارے مثنوی میں ہفتوں تک دست بدست پھرا کہ مل دل کر ہرزے ہرزے ہو گیا ، اگرچہ بہت لوگوں نے اس کی نقلیں بھی کر لیں مگر چھپا ہوتا تو خوب ہوتا ۔

سرائیہ (جو تم بھی دیکھ چکے ہو گئے) جن لوگوں نے اس کی فارسی دیکھی ہے از بس پسند فرمائی ہے ، میر اکبر حسین صاحب بھی ان میں داخل ہیں ۔

یہاں ایک شخص عبدالحمید نامی اہلحد محکمہ کلکٹری ہیں ، یہ صاحب دیوان ہیں ، اور کتابوں کے بڑے شائق ، بہت سا حصہ ان کی تنخواہ کا کتابوں میں صرف ہوتا ہے ، ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی دیوان وغیرہ فارسی کا ایسا نہیں جو چھپا ہو اور میرے پاس نہ ہو ، میں نے ان کو بہت سی کتابیں لکھوا دیں ہیں ، اور وہ بہت جلد ان کو منگوانا چاہتے ہیں ، یہ خوب آدمی ہیں ، ان کے ذریعہ سے کتابیں دیکھنے کو خوب ملتی ہیں ، یہ بیچارے فخریہ کتابیں بھیج رہے ہیں ۔

عثمان وغیرہ فارسی و انگریزی پڑھتے ہیں ، مگر عجب بات ہے ۔ میرا اسحاق فارسی میں بھی سب سے فائق رہتا ہے ، اور مضامین اشعار سب سے بہتر سمجھتا ہے ۔ مرا ہاتھی بھر بھی لاکھ ٹکے کا ۔ ممکن ہے کہ سلمان ساڈی جی و طالب آملی دیکھنے کو مجھے مل جائے ، خبر اچھی گذرتی ہے ، ارے میاں تم نے سنا نہیں ۔ مصرع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

سب لوگ بخریت ہیں اور سلام کہتے ہیں ۔

بارے قم کو تاریخ فرزند کا مادہ پسند آیا ۔ حمید کا خط آدھا تمہارا بھی تو تھا ، جناب حافظ حبیب اللہ خان کی خدمت میں نیاز اور دست بستہ سلام ، اتنی دور سے اور کیا ہو سکتا ہے ۔ حضرت حافظ حسن علی صاحب اور قبلہ و کعبہ منشی خدا بخش صاحب و مولوی احمد اللہ صاحب کو تسلیم ، لو بھول گیا ، میاں حسن

رضا کو سلام شوق ، بھائی مرزا کو بھی ، اب اور احباب کی کس خدمت کے قابل ہوں ، خالی خولی سلام ہی سہی ۔

لو تم سے بھی رخصت ہوتا ہوں ، خط مجبوراً بیرنگ ہے معاف کرنا ۔

والسلام

تمہارا نیاز مند شبلی نعمانی

۲۸ اپریل ۱۸۸۱ء

(۱۲)

شریف من،

مدت سے کوئی خط نہیں آیا، ہمارے مولوی پد عمر صاحب تو

ء گویا کہ ان تللوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا

میاں حمید صاحب تو خفا ہو بیٹھے ہیں، میاں عبد الغفور نے سمجھ رکھا ہے کہ دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے، تم بھی چپ ہو، مولوی صاحب کے پاس اشعار جو بھیجے تو تقویم ہارینہ، میرا مرثیہ، یا نامہ فارسی بھیجنا تھا ۔

چہ کدم کی ردیف کی غزل ہر یہاں ایک لطیفہ ہوا، چند لڑکوں نے کہا کہ استاد کی غزل ہر غزل لکھتی اس سے کیا حاصل،

ء ہمتائے فلک نہ ہوکا ہادل،

میں نے کہا :-

ء دریا نہیں کار بند ساقی،

غرض میری اور علی حزیں کی غزل خواجہ عزیز الدین صاحب
عزیز مصنف قیصر نامہ اور نیر دہلوی کے پاس بغرض محاکمہ
ارسال کی گئی یہ وہی نیر ہیں جن کو غالب نے لکھا ہے ۔

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی،

فارسی نہایت عمدہ کہتے ہیں اور غالب کے تلمیذ ارشد ہیں۔

دونوں نے تسلیم کیا کہ اہل زبان کا کلام ہے نیر نے تو بہت

تعریف لکھی اور لکھا کہ سلف کے کلام کے ہم پلہ ہے ۔

دونوں صاحبوں کا خط میں نے رکھ چھوڑا ہے، خط میں یہ

نہیں ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ غزلیں کس کی تصنیف ہیں، بلکہ

اسی لئے دونوں کے مقطع اڑا دئے تھے ۔

یورنگ خط کا برا نہ ماننا میں ان دنوں دیوالیہ ہوں، ابھی

۲۵ روپے ایک تاریخ کی کتاب کے لئے روانہ کر چکا ہوں ۔

ان دنوں غزلیں اور یہ تبتغ علی حزیں لکھی گئی ہیں، اور

دلچسپ ہیں، افسوس ہے کہ گھر پر نہ لکھ سکوں گا، یہاں کچھ

سامان پیدا ہو گئے ہیں اگرچہ ضعیف ہیں ۔

واسوخت فارسی کے پندرہ بند ہیں یعنی ہم شعر اور اسی قدر

نامنہ اردو کے۔ حضرت استاد نے بھی واسوخت کو نہایت پسند کیا،

میرا قصد تھا کہ صرف واسوخت اور نامہ سر دست چھپ جائے مگر

روپہ نہیں، کہیں سیع نہ سن پائیں نہیں تو روپیوں کے ڈھیر لگا

دیں گے، کہ اقمے کے لئے چھینا کیوں بند رہے ۔

مدرسہ کی مفصل کیفیت معلوم نہیں ہوئی، مولوی قربان علی

صاحب نے لکھا ہے کہ میں مدرسہ انگریزی کی تلاش میں سرگرم

ہوں، ہاں قواعد مدرسہ کے نہ آنے کی شکایت لکھی ہے، یہ سچ ہے

کہ میرا کوٹھا گرمی کے قابل نہیں، مگر میں عبد اللہ خان کے

مکان پر رہنا پسند نہیں کرتا، مجھ سے گم لوگوں کے بغیر کہیں
رہا جائیگا ؟

اچھا ذرا سلاموں کا پشتارہ تو سر پر لے لو اور سب کے حصہ
کا تقسیم کر آؤ، جناب حافظ حبیب اللہ صاحب، جناب حافظ حسن
علی صاحب، جناب منشی خدا بخش صاحب، بوڑھے تو شاید ہولٹے
چلو اب جوانوں سے شروع کرو، مولوی احمد اللہ صاحب فخرالملتہ
والدین کہیں ف اڑا نہ جانا، منشی حسن رضا خان صاحب، منشی
ولیعاج صاحب، ہماری شادی ٹھہراتے ہی رہ گئے، میان خادم حسین
صاحب سے سخت غلطی ہوئی ان کا نام کسی کے نام کے ساتھ
ملا کر یا نیچے لکھنا تھا، اگرچہ ٹاٹ میں سوچ کا پخیہ سمجھا
جاتا، مکرمی مولوی محمد عمر صاحب کیا خطوں کا جواب نہیں دیتے
تو سلام کا جواب بھی نہ دینگے۔ افتخار القوم حضرت ماموں محمد
سلیم صاحب دام فیضہ علینا، جناب مولوی محمد حسین صاحب مگر
جانے وہ کہاں ہوں میرا سلام مفت میں خاک چھانتا پھرے، کوئی
بھول تو نہیں گیا، آہا مرزائے مختصر میان سلیم اللہ صاحب رہ گئے،
اتنا سا توفد مجمع میں نظر آئیں تو کیونکر، ایک اور میرا مائیہ
فخر و ناز رکھیا، جناب مولوی سرزا محمد سلیم صاحب غیر انہیں کے
صلقے مرزائے مختصر بھی یاد آ گئے تھے۔

ع بہ نیکان بہ بخشد کریم،

اب تو چھوٹے چھوٹے عزیز رہ گئے، ان کو میرا سلام و دعا،
چھوٹے ہی مزے میں رہے سلام و دعا دونوں، سب کے نام کی تو اب
جگہ نہیں (کاغذ میں ورنہ دل میں تو سبھوں کی جگہ ہے) ایک
دو کا نام سن لو، محمد عثمان، و سلیمان، ہونس، علاء الحق۔
والسلام،

شبلی نعمانی

۲۳ اپریل ۱۸۸۳ء

میاں بچہ سمیع ،

بھائی عجیب معاملہ ہے ، ذرا تم بھی سنا اور انصاف کرو کہ کون حق بجانب ہے ، میں نے وہ دو سو روپیہ (۲۰۰) ، (ہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ دو سو (۲۰۰) نہ تھے ، کیونکہ ایکسچینج کی وجہ سے مجھ کو صرف (۱۹۰) یا اس سے کچھ زیادہ پہونچے تھے ، میں نے یہاں آ کر اپنے پاس سے دو سو روپیہ (۲۰۰) ہورے کر دئے) مولوی بچہ عمر صاحب کے پاس بھیج دئے کہ دادا مرحوم کی یادگار میں چھوٹے چچا کے نام سے جمع کر دیں ، اور چچا کو نہایت شکر گذاری کا خط لکھا ، اور اطلاع دی ، کہ وہ روپے آپ کے نام سے اس طرح جمع کر دئے گئے ، چونکہ مجھ کو خیال تھا ، کہ وہ واپس لینا گوارا نہ کریں گے ، اور میں خود اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرتا تھا ، اس لئے ایسی صورت نکالی ، کہ دونوں مطلب نکل آئیں ، اب تماشا یہ ہے کہ چچا صاحب وہ روپے لئے لئے ہیں ، اور میاں اسحاق بھی ان کی تائید پر آمادہ ہیں ، میں سخت حیرت میں ہوں کہ جو روپے کسی کو دیدئے ان کا واپس لینا کون سی ہمت ہے ، میاں اسحاق کہتے ہیں کہ ہندول کے دائرہ میں ہمت کا یہی پیمانہ ہے ، تم علی گڑھ کی باتیں کرتے ہو ، مجھ کو افسوس ہوتا ہے کہ آج چچی مرحومہ زندہ نہیں ورنہ میں دکھا دیتا کہ ہندول میں ہمت کا اور بھی معیار ہے ، انہوں نے نیشنل اسکول میں پانچ سو روپے دینے کیسے تھے اور سو روپے (۱۰۰) دے بھی دئے اور تقاضا کیا جاتا تو سب وصول ہو جاتا ، واللہ مجھ کو تعجب اور سخت تعجب ہے ، غالباً چھوٹی چچی کو ایسی ہست ہستی پسند نہ ہو ، لیکن میاں اسحاق اور چچا نہیں مانتے ، غیر اچھا ہوا ، میں سبکدوش ہو گیا ، اور ہندول کی نئی

اصطلاح سمجھ میں آگئی ، ذرا تم بھی تو اپنی رائے ظاہر کرو ،
لیکن خدا لکھی کہنا ، رو وعائیت کو دخل نہ ہو ۔
والسلام ،

شبلی ، ۴ فروری ۱۸۹۳ء

(۱۴)

لو بھائی ہم میں کا ایک عنصر کم ہو گیا ، عزیز میسری
نے جان دی ، اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے ،
میں بد بخت پاس تھا ، اور اس لئے جتنے تیر پھینکے سب
میرے ہی جگر پر لگے ، ہائے اس کی جوانہ مر کی ! ہائے کیا معلوم
تھا کہ وہ اس قدر جلد دنیا سے جائیگا ، ورنہ مجھ پر لعنت اگر
میں اس سے ناراض رہتا ،

ہائے سب برائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا ، آج چوتھا دن
ہے لیکن خدا کی قسم اس وقت تک دل نہیں ٹھرتا ، سو بار روچکا
ہوں اور دل نہیں ٹھرتا ، اس کی ایک محبوب یاد گار ہے ، جس کو
وہ بین کہتا تھا یعنی شافیرہ ، اس سے بارہا لپٹ کر رویا ہوں ،
لیکن کچھ بھی تو تسلی نہیں ہوتی ، اس کو تسلی دینا چاہتا ہوں
لیکن خود بیمار ہو جاتا ہوں ، ایک اور اسکے نام سے وابستہ بد قسمت
ہے جو پہلے چھوٹی بھانج تھی لیکن اب بیماری بہن ہے ،

تم لوگ مزے سے باہر ہو ، ہاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے
سر چھوڑا ہے ، ہائے میسری وائے میسری ،

بد بخت ازلی

شبلی نعمانی ،

۲ جولائی ۱۸۹۷ء اعظم کڑہ ،

خط پہونچا جو خبریں مشہور ہیں وہ صحیح نہیں، بے شبہ یہاں میری بڑی آؤ بھکت ہوئی، میرے لکچر میں جو لوگوں کے اصرار سے دیا گیا، بہت بڑا مجمع ہوا، خود وزیر عدالت صدر انجمن ہوئے، نواب مدار العمام بہادر یعنی وزیر اعظم نے نہایت احترام سے شرف نیاز دیا، اور مجھکو یہاں کے قیام کی ترغیب دی، لیکن کام کی بات ابھی کوئی نہیں، میری ملازمت کا تحریری حکم ان کا آگیا، لیکن میں نے اس کو منظور نہیں کیا۔

بہت بڑی کامیابی ہوئی لیکن بد قسمتی سے وزیر اعظم اور حضور کے تعلقات کشیدہ ہیں، وزیر اعظم کے اختیارات حسب قانون حضور نے بالکل گھٹا دیئے ہیں اور اس وجہ سے ہر کام میں حضور سے اجازت لینی پڑتی ہے، یہ صرف چند روز سے ہوا ہے،

بہر حال دیکھنے کیا ہوتا ہے، بے شبہ اگر میں ملازمت کر سکتا اور کسی قدر دنیا داری بھی مجھ سے بن پڑتی تو دنیاوی فائدے بہت حاصل ہوتے، لیکن میں مجمع اعمار کا بڑا حصہ صرف ہوچکا، چند برسوں کے لئے دامن زندگی کو کیا آلودہ کروں، دعا کرو کہ جو گردن ہمیشہ بلند رہی بلند ہی رہے، گھر کے مصائب نے یہاں تک بھی پہونچایا، وزنہ میں اپنے گوشہ عاقبت کو فلک نما سے کم نہیں سمجھتا ہوں،

میاں کے تیرو نشتر آتے رہتے ہیں اور کلیجے کو چھلنی کٹے دیتے ہیں، بہت کچھ ارادہ ہجرت کا ہے اگر عرب پہونچ گیا تو تمام جھگڑوں سے نجات ہو جائیگی، والسلام،

شبلی نعمانی،

۱۲ اپریل ۱۹۱۱ء، حیدر آباد،

عزیزی،

شعر العجم، کا نام قبول ہونا معلوم تھا، لیکن ”ایک کس مردہ
 باشد مردہ باشد، از قاعدہ، حکمت نباید گذشت،“ ایک علمی کتب ناول
 نہیں بنائی جاسکتی تھی، جب سے شائع ہوئی ہے، ہر طرف سناٹا
 ہے، حسن ظن کی بنا پر کچھ لوگوں نے منگوائی وہ بھی پچھتاتے
 ہوں گے، لاکٹ بھی وصول ہونے کی امید نہیں، مقدور والوں کو
 کتاب مستعار دینا یورپ کے اصول کے خلاف ہے،

مسلم لیگ کے تقاضہ پر دلی جا رہا ہوں، وہاں سے آکر جون پور
 آسکوں گا، جو خط کسی قدر خاص ہوں، ان کو سید سلیمان کے
 پاس نہ بھیجوں، فرصت کے وقت میں خود دیکھ کر فیصلہ کر لوں گا،
 شعر العجم، کے دوسرے حصے کسی قدر دلچسپ ہیں،
 شبلی ندوہ

۲۷ جنوری ۱۹۱۰ء

مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی

رئیس بھیکم پور (علی گڑھ) کے نام

(۱۷)

جیسے آج معارف آیا، ریویو پڑھا اور بار بار پڑھا، خدا کی قسم
 دیر تک ایک کیفیت طاری رہی، اگر خود سنائی کا پہلو نہ نکلتا تو
 میں اس کو الفاروق کے ساتھ شامل کر کے شائع کرتا، زور قلم،
 ندوت استعارات، واقعہ طرازی، کس کس چیز کی داد دوں، ہاں اب
 ایک بات سنئے یہ زور نام مضمونوں اور رسالوں پر ہی ختم نہیں
 ہونا چاہئے، وسعت خیال اب مستقل تصنیف کا میدان چاہتی ہے،
 متوجہ ہو جئے اور کوئی ملید سلسلہ چھیڑ دیجئے -

ہاں ایک اور بات ہے، اب کی کانفرنس اٹلی میں ہے، آرنالڈ
۲۶ جولائی کو روانہ ہونگے، مجھ کو بلانے ہوں، میں ضعف کی وجہ
سے رکتا ہوں، اگر آپ کی ہمسفری کی امید ہو، تو میں قوی ہو
جاؤنگا، کیا آپ قصد کر سکتے ہیں؟ اسی سیر میں معالک اسلامیہ
کو بھی لہٹتے آئیں گے، ہانچ سات سو کا خرچ ہے، آپ چاہیں تو
ذرا ٹھہر کر بھی چل سکتے ہیں۔ والسلام۔

شبیل

۵ جولائی ۱۸۹۹ء

(۱۸)

مغربیوں میں نسبتاً بہت اچھا ہوں تاہم ضعف اس قدر ہے
کہ ۱۔ منٹ تک بات نہیں کر سکتا، میں نے اپنے لئے تین نجویزیں
پیش نظر رکھی تھیں۔

قرآن مجید پر ریویو (نمود) باللہ جرح مراد نہیں) اس میں فن
بلاغت و فلسفہ کلامیہ کے دقیق مطالب ادا ہوئے، عرب کی شاعری
کی تاریخ، امام غزالی کی لائف جس میں علم کلام پر پورا ریویو ہوتا
کیونکہ موجودہ علم کلام کے موجد وہی ہیں، ان میں سے آپ جو
پسند کریں میں اس کو چھوڑ دوں، ہاں ایک مضمون اور تھا یعنی
مسلمانوں کے فن تاریخ کی تاریخ، لیکن یہ بہت استقراء چاہتا ہے
جس کے لئے آپ ابھی طیار نہیں ہو سکتے۔

آپ کو اگر مرغوب ہو تو فارسی شاعری کی تاریخ اور عہد
ہد عہد کی خصوصیتیں اور ترقیاں لیجئے، ان تمام مضامین میں آپ کو
استثنائی کام دے سکتا ہوں، سوائے تحریر، عنوانات مضامین وغیرہ
وغیرہ سب سامان مہیا کر دوںگا، یہ بھی ممکن ہے کہ ہم آپ مل
کر کوئی کتاب لکھیں اور ترکوں کی طرح وہ مرکب نام سے شائع

ہو، مثلاً حبیب شبلی، غرض جدھر رخ کھینچے میں غائبہ برادری کے لئے حاضر ہوں، یورپ کی سیر سے ناحق آپ نے جی چرایا، ایسا موقع قیامت تک نصیب نہ ہوگا۔

شبلی،

۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء

(۱۹)

مخدومی

ہات تو کچھ نہیں لیکن مولوی عبدالغنی صاحب کی بہانہ جوئی اور آپ کے خارق العادت ہونے پر تعجب آتا ہے۔ یہ امر معمولی حیثیت سے نہیں بلکہ رد و کد کے ساتھ ظہور میں آیا تھا، جب میں نے دیکھا کہ انگریزی کے مسئلہ پر گفتگو نہیں ہوتی تو میں نے کسی قدر سختی کے ساتھ کہا کہ اس سے کیوں گریز کیا جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص محرک نہیں، میں نے کہا کہ میں ہوں اور میرا نام لکھا جائے، مولوی یونس خان نے کہا میں تائید کرتا ہوں۔

البتہ آپ کی خاطر سے میں نے پھر اس پر بحث نہیں کی، اب بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ میں نے نائب ناظم سے کہا یا نہیں کہ میرے نام سے یہ تحریک لکھی جائے، اگر میں نے کہا تو انہوں نے لکھی یا نہیں؟ نہیں لکھی تو کیوں؟ اور لکھی تو اس کے درج کارروائی کرنے سے کیوں انکار ہے، صدر انجمن کو یہ حق البتہ ہے کہ کسی تحریک کو پیش کئے جانے سے روک دے، یہ حق نہیں کہ یہ بھی کارروائی میں درج نہ ہونے دے، کہ فلاں شخص نے اس کو پیش کرنا چاہا تھا، یا پیش کیا۔

جلسہ کے بعد میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیوں اس قدر اس بحث سے کتراتے ہیں، آپ نے کہا تمہاری بدنامی کے ڈر

ہے ، باوجود ان تمام باتوں کے اگر آپ کو یہ تمام سرکہ بھول
گیا تو نظیری کا یہ مصرع سچہ میں آگیا - ع

آنکہ نسپاں آورد خاصیت یاد من است

مجھ کو اس تمام بے اعتنائی پر واقعی رنج و افسوس ہے -

والسلام

شبلی - علی گڑھ

دسمبر ۱۸۹۹ء

(۲۰)

تسلیم - والا نامہ پہونچا ، میری حالت اب بھی کالمعلقہ ہے ،
شاید دو ایک مہینہ میں کوئی فیصلہ ہو -

نصاب دینیات کے متعلق آپ نے جو مجبوریاں لکھیں ، ان
کا علاج میری سچہ میں بھی کچھ نہیں آتا ، علم کلام کے متعلق
میری کتاب اگر کبھی تیار ہوئی تو شاید اس کے کچھ اجزاء
آپ کے کام کے نکلیں - عبدالواسع پہنچ گیا ، اس کی نقل کا
انتظام کیا جا رہا ہے - ہاں مولوی سید علی صاحب کی علیحدگی کی
وجہ سے کتاب آلات کی تصاویر کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا ،
اب آپ کی کتاب واپس بھیجنوں یا کیا کروں - غزل دیکھی ماشاء اللہ
اب تو آپ بہت پختہ کہنے لگے ، اب کے بھی نکتہ چینیاں کرتا
ہوں ، لیکن زبردستی ڈھونڈ کر نکالی میں -

ز رشک حسن تو تلخ است عیش شیریں را

زقاب زلف سیاہ است روئے لیلیٰ را

ترصیح کا توازن چاہتا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں بھی
خطاب کا حرف ہو ، زقاب زلف تو الخ ۔

زعمس روے تو آئینہ رو کش گلزار
بہ نطق شاد کن طوطی شکر را

پہلے مصرعہ میں فعل نہیں اور دوسرے میں ہے ، اس سے
دونوں مصرعوں کا توازن اور تقابل کم ہو جاتا ہے ، ترصیح میں اس
کا لحاظ رکھتے ہیں ۔

میں نے ابھی ایک نظم لکھنی شروع کی ہے ، جس کا پہلا
مصرعہ یہ ہے ۔

اے دکن ایکہ بہار چمن جان از تست
جان نالیہ ، اس کا ایک شعر زمانہ حال کے موافق ہے ۔

چون تواند کہ زہر پردہ بر آرد صد نقش
گر نہ نیرنگی این گنبد گردان از تست

اور سنہیے ، حیدر آباد کی جامعیت جہاں بیان کی ہے ، اس
انداز سے بیان کی ہے ۔

ہندپان نیز چو از حلقہ بگوشان تواند
ہرجہ زیشان بود آن نیز کنوں ہاں از تست
ہاں تودعوئی کن و مانیز مسلم داریم
شبلی سحر فن و داغ غزل خان از تست

والسلام

شبلی ۔ حیدر آباد

مکرمی ،

والانامہ اور اشعار پہنچنے ، علمائے ادب کہتے ہیں کہ
حسان جاہلیت کے نامور شعراء میں تھے ۔ لیکن اسلام آیا
اور نعت کہنی شروع کی ، تو ان کا کلام رتبہ سے گر گیا ،
فارسی میں دیکھئے ، نعت گو بہت کم بولتے ہیں ۔ خسرو کے
سوا ، اور خیر جاسی بھی سہی ، باقی جتنے ہیں نہایت کم رتبہ ہیں ،
اور صاف نظر آتا ہے کہ نعت کوئی نے ان کو ایسا بنا دیا ہے ،
سچ ہے ، ع ۔ رہ بردم تیغ است قدم را ۔ مقصود اس دراز نفسی سے یہ
ہے کہ آپ بھی اس میدان میں نہ آئے ، ثواب مقصود ہے تو
دروہ پڑھ لیا کیجئے ، معاف فرمائیے نعت کی غزل صرف بھیگی نہیں
بلکہ غلطیوں سے ملو ہے ، سنئے ، ع پر آستان پاک رساں زار نالیم
زار نالی اردو ہے فارسی نہیں ، یا شاید میری نظر کا قصور ہو ، لغت
وغیرہ میں ہو تو لکھ بھیجئے گا ، ع ۔ اے فخر اولیں ومباہات آخریں ،
موجب مباحث ، یا اس قسم کا اور کوئی لفظ مباحث سے پہلے
چاہئے ورنہ معنی صحیح نہ ہوں گے ۔

جود ہدیمان خالیم ، خالی جود کو ہدامن کہنا صحیح نہیں ۔
”حب وولائے تو ہسر خاکسار من“ اس موقع پر سر کے ساتھ
خاکسار کی قید خلاف مذاق ہے ، ”رو سرخ شکر حق ژتولای آلیم“
روسرخ کی ترکیب بدمزہ ہے ، خصوصاً اس موقع پر ، مدینہ کی غزل
بھی بہت بھیگی ہے ، اس کو یوں ہی چھوڑتا ہوں ۔

مزمیہ غزل نہایت چست اور فارسی انداز پر ہے ۔

بردہاں ہذلہ سنج و ہستہ لب غنچہ کے دارد مجال بورتی

ہستہ لب کو غنچہ سے کیا مناسبت ؟ ”چان قربان ادای
دلیری“ میں جان کی نوں کا اعلان جائز بھی ہو تو یہاں بالکل
خلاف فصاحت ہے ۔

”از ہر نو حسن محبوب است کہ افتادہ“ ، ساقط الوزن ہے ۔
یابی ہر قطرہ بکف ریختہ عمانی را کردی قربان بہ ہر شعر صفاہائی را
یابی میں ی گرتی ، کردی ، ایضاً ۔

مدراس ضرور تشریف لائیے ، مجاز قنطرة الحقیقتہ ہے ۔

شبلی کا گھر بھی خانہ دشمن کے پاس ہے

محشر خرام اور بھی دو اک قدم سہی

دسمبر ۱۹۰۱ء

(۲۲)

مکرمی ،

خط پہونچا ، خدا کی قسم غزل کی غزل مرصع ہے ، اور یہ شعر
تو دل میں رکھ لینے کا ہے ، ،

اگر ہر افگند از رخ نقاب را چہ کنم

لیکن داد دینے کا مزہ رو درو ہے ، خدا کے لئے مدراس ضرور

آئیے ، حیدر آباد گرجہ دیکھنے کے قابل نہیں رہا ، سید حسن ، سید علی

میں سے کوئی نہیں ، عزیز مرزا باہر ہیں تاہم مصرعہ ،

خزان کشمیر ہم بہارے دارد

آپ کی کتابیں بھیجدونگا لیکن بلا تصویر ، ایک راز کی بات

کہتا ہوں اپنے ہی تک رکھنے کا ۔ آپ کو معلوم ہے ، والد قبلہ

نے تیس ہزار قرض چھوڑا تھا ، اس میں سے اب چھ ہزار اور رکھنے

ہیں ، اس کے مارے میں غربت کی خاک چھانتا پھرنا ہوں ، اور کس

کمبخت کو نوکری کی غرض ہے ، میں چاہتا ہوں کہ اپنا کتب

خانہ کل فروخت کر ڈالوں، کتابیں میرے پاس تعداد میں بہت نہیں ہیں، لیکن اکثر نایاب، مطبوعات یورپ، اور بعض نایاب قلمی کتابیں ہیں باقی تین ہزار کا اور کچھ سامان کڑوں کا، اگر یہاں استقلال ہو جاتا تو میں کل سامان کر لینا لیکن ہر نفس نفس واپسین ہے۔
والسلام،

شبلی، ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۳۳)

مکرمی،

تسلیم خدا کے فضل ہے۔۔۔ ب کام شروع کر دیئے گئے، ترجمہ قرآن مجید کے لئے متعدد شخصوں کو خط لکھے، کسی نے کوئی تسلی نہ بات نہ لکھی، لیکن حماد الملک بلگرامی نے خط لکھا کہ وہ نہایت مستعدی ہے اس کام کو کر رہے ہیں، ان کے خط کے اقتباسات آئندہ چھاپوں گا۔

اشاعت اسلام کے لئے مجھ کو خود ایک بار دورہ کرنا ہے، میں ایک مہینہ سے پنجٹی میں مبتلا ہوں اسی غرض سے الہ آباد بھاگ گیا تھا، لیکن نواب وقار الملک اپنے لڑکے کو داخل کرانے آئے تو مجھ کو بلا بھیجا، اس لئے آنا پڑا، اسی حالت میں وائے بریلی گیا اور وہاں جلسہ کر کے اس کی بنیاد ڈالی، چھوٹا بڑے ہر عام دورہ شروع ہوکا۔

وقف کے دستخط کے لئے ہمد ظہور کو جو بھیجا ہے تو اشاعت اسلام کے متعلق لوگوں کو خطوط لکھ کر دیدیے ہیں، دیکھنے لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

وقف کی مہموریل لکھنے کو کوئی مسلمان نہیں ملتا، مجبوراً الہ آباد میں تیج بہادر سہرو جو ہندوستان رہو ہو نکالتے ہیں ان سے

خواہش ظاہر کی، وہ فارسی سے آشنا ہیں اور شعرالہجہ کے معترف ،
اس لئے خود ملنے آئے ، اور مجھ سے تمام کاغذات لے لئے اور کہا
کہ یہ سب پڑھ کر جواب دوں گا ۔

صیفہ تصبیح اغلاط تاریخی کے متعلق سید سلیمان سے خط
شائع کرا دیا ، اور لوگوں نے خطوط بھی بھیجے سید سلیمان اب کام
شروع کرتے ہیں ۔

بڑی دقت یہ ہے کہ دیہات میں جا کر نلقین اسلام کرنے
والے واعظ نہیں ملتے ، اس کا کیا علاج ہوگا ؟ اشاعت اسلام کی
کارروائی تمام تر اس پر موقوف ہے ۔

آزاد کلکتہ پہونچے ، سخت پریشان ہیں ۔

سید سلیمان میرے خطوط جمع کر رہے ہیں، کیا آپ کے
باس میرے کچھ عنوانات غلطی سے محفوظ ہونگے ؟

ہاں عربی زبان میں الیڈ کا ترجمہ ہوا، مصنف دائرۃ
المعارف نے کیا اور بڑے اہتمام سے کیا۔ یہاں تک کہ مصر کے
پرو (۱۰۰) فضلا نے اس تقریب میں ڈنر دیا ، مترجم نے دو سو (۲۰۰)
صفحوں کا دیباچہ بھی لکھا ہے ، ۲۳ قیمت ہے، میں نے ایک نسخہ
منگوا یا ہے، آپ چاہیں تو آپ کو بھی منگوا دوں ۔

شبلی ۵ مئی ۱۹۱۰ء

(۲۴)

مکرمی،

تسلیم میں اردو ورنیکولر اسکیم کمیٹی کی شرکت کی غرض
سے الہ آباد گیا تھا، مسٹر برن نے چند نہایت مفید تجویزیں اردو
کے حق میں پیش کی تھیں، ایک یہ بھی تھی کہ رامائن بھاشا
انٹرنس کے امتحانات میں لازمی کر دیجائے ، اور اردو جو مدارس

میں ہے، وہ ایسی کردی جائے کہ ہندی بن جائے عجیب منطقی دلائل کھڑے تھے، پنڈت سندھلال وغیرہ کمیٹی کے ممبر تھے۔

تیسرے جلسہ میں کامل فتح ہوئی تمام تجویزیں اڑ گئیں، اگرچہ افسوس ہے، کہ مسلمان ممبروں نے کوئی مدد مجھکو نہ دی، اور دیتے کیا، دینے کے قابل بھی نہ تھے۔

الہ آباد سے کلکتہ گیا، اور تمام وائسرائے کونسل کے ممبروں کو ایک جلسہ میں جمع کر کے تمام مراتب طے کر لئے، انشاء اللہ اسی سہنہ میں بل حسب مراد پاس ہو جائیگا اور سب کمیٹی ریشہ جائیگی۔

سیرۃ نبوی کا کام واقعی بڑے پھیلاؤ کا ہے، ادھر اشاعت اسلام کی یہ حالت ہے کہ بیسویں خطوط اور رپورٹیں آرہی ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں نو مسلم ارتداد کے خطرہ میں ہیں، آریوں کی مقامی کمیٹیاں جا بجا دیہات میں قائم ہوتی جاتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے، کہاں کہاں واعظ مقرر کئے جائیں، کہاں مکتب قائم ہوں، یہ تو سلطنت کا کام ہے۔

آج ایک ایبل بھیجتا ہوں، کاشفات جلسہ میں پیش کروں گا، کلکتہ میں ایک انجمن سے کام لیا، اور نواب ڈھاکہ کو راضی کیا ہے کہ وہ انجمن اشاعت اسلام کے پریسیڈنٹ ہوں، لطف یہ ہے کہ ادھر شاہ سلیمان صاحب نہ کچھ کرتے ہیں، نہ مجھکو اجازت دیتے ہیں کہ میں باقاعدہ کام کروں، مجبور ہو کر ندوہ کے دائرہ سے نکل کر کام کرنا پڑیگا۔

میں امین آباد ہارک نمبر ۸۴ میں ہوں۔

۱۵ مارچ ۱۹۱۲ء کو پھر الہ آباد وونیکولر اسکیم کمیٹی میں جانا ہے، ہاں ایک نہایت عمدہ خوشخبری سنئے۔

ورٹمنٹ نے ایک کمیٹی قائم کی ہے کہ سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم جاری کی جائے، مجھ کو بھی سبب بتایا ہے، اپریل کی ۶- تاریخ کو اس کا اجلاس ہوگا۔

شبلی،

۱۰ مارچ ۱۹۱۲ء، لکھنؤ۔

(۲۵)

(ایک عام خط جو بعض اربابِ علم کو مولانا نے بھیجا تھا)
جناب من -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، سیرت نبویؐ جو زیر تصنیف ہے، میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے، اس سے پوری واقفیت حاصل کی جائے، تاکہ ان کے تائیدی بیان حسب موقعہ حجت الزامی کے طور پر پیش کئے جائیں، اور جہاں انہوں نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں، نہایت زور و قوت کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جائے۔

اسی بناء پر انگریزی کی کثرت سے تصنیفات مہیا کی گئی ہیں، جو آنحضرت کے متعلق تصنیف ہو چکی ہیں، لیکن ان سب کا اردو میں ترجمہ کرنا ناممکن ہے، اس لئے یہ رائے قرار پائی ہے، کہ جن صاحبوں کو اس سے ذوق ہو ان کے پاس ایک ایک کتاب بھیج دی جائے، وہ مطالعہ فرما کر قابل ترجمہ مقامات پر نشانات کرتے جائیں اور پھر کتاب واپس بھیج دیں، تاکہ دفتر کے مترجمین سے ترجمہ کرایا جائے۔

اس بنا پر آپ سے درخواست ہے کہ کیا آپ بھی اس کام میں حصہ لینا پسند فرمائیں گے۔

شبلی نعمانی،

۱۳ اگست ۱۹۱۲ء

(۲۶)

منشی محمد امین کے نام

منشی محمد امین صاحب زہری اس زمانہ میں بھوپال میں مہتمم دارالانشا تھے۔ ہندوستان کے ممتاز مصنفین میں ان کا شمار ہے۔ اب کراچی میں مقیم تھے اور باوجود پیرانہ سالی تصنیفی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ علی گڑھ سے بھی ان کا نہایت گہرا تعلق رہا ہے۔ نواب وقارالملک کے سوانح زندگی پر وقارحیات کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ستمبر ۱۹۵۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(مرتب انتخاب)

محبتیں - سچ پہچانے تو

اے اے باد صبا میں عہہ آوردہ تست۔

واقعہ یہ ہے کہ علی گڑھ اور ندوہ کو ریاست سے جو فوائد پہنچ رہے ہیں، اس کی سنگ بنیاد آپ ہیں، فجزاک اللہ خیرا۔

ریاست کے عطیہ کی درخواست تو کی لیکن اب قبول کرنے ایک بڑا ہار محسوس کرتا ہوں۔

میں آج کان پور روانہ ہوتا ہوں، نو مسلموں پر آریہ جو جال ڈال رہے ہیں وہ سخت خطرناک درجہ تک پہنچ گیا ہے، اس غرض سے تمام اضلاع میں دفاعی انجمنیں اور دہیات میں مکاتب قائم کرنا مقصود ہے، لیکن چونکہ گرمی سخت ہو رہی ہے اس لئے یہ دورہ مختصر ہوگا، اسی طرف سے بھوپال آؤنگا، پھر بتکلور یا بمبئی جاؤنگا۔ کتابیں ساتھ نہیں جاسکتیں، نہ اسٹاف ساتھ جا سکتا ہے، اس لئے سیرۃ نبوی کا کام باضابطہ باوش سے شروع ہوگا، یہ بھی خیال ہے کہ یہ کام کسی طرح دو برس میں انجام نہیں پاسکتا، اس پر مستزاد یہ ہے کہ ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے، اس لئے

جلدی بھی کرتا ہوں کہ کچھ کڑیوں ورنہ جس قدر میں کر سکتا ہوں اتنا کرتے والا بھی نظر نہیں آتا، کتابوں کی فہرست طیار ہو رہی ہے، بہت سی کتابیں تو خود ندوہ میں موجود ہیں، زائد جو مطلوب ہیں ان کو منگوانا ہے، اشاعت کی فکر نہ کیجئے میں خود کر سکتا ہوں۔

شبلی، ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء

(۲۷)

مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال کے نام

مولانا ابوالکلام آزاد نے کم سنی میں الہلال ہفتہ وار جاری کیا اور اس ملک میں صوری و معنوی اعتبار سے آج تک کوئی دوسرا مجلہ الہلال کی گرد نک کو چھو نہیں گیا۔ ہندوستان کی قوم پرستی کی تاریخ میں غالباً وہ واحد مسلمان تھے جنہوں نے تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ وہ اس زمانہ کے ایک عالم بے بدل تھے اُن کی خطابت اور صحافت دونوں بے مثل تھیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ذہن رسا اور علم دین بخشا، اُن کے قلم کو بہار کی رنگینی اور ذوالفقار کی سی تیزی میسر تھی۔ ہندوستان میں انگریز کی حکومت کے خلاف وہ مسلسل جہاد میں مصروف رہے۔ بڑے بے بدل انسان تھے۔ مسلمانوں سے اُن کی سیاسی عایدگی عام بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کے لئے وجہ شکایت بنی رہی۔

(مرتب انتخاب)

برادر،

یہ تو ظاہر ہے کہ اس وقت کان پور کے سوا کوئی آواز کچھ اثر نہیں رکھ سکتی لیکن اب گورنمنٹ بھی سختی اور ہا بردی پر آمادہ ہے، ہزاروں سفارت کو سوکھا جواب دیا، لکھنؤ میں

اعانت کا جلسہ حکماً روک دیا گیا، حسن نظامی وغیرہ کو کلکڑ
نے بلایا، میں نے نظم مختصر کان پور کے متعلق ریستدار میں
بھیج دی ہے، گو کسی قدر مؤثر ہے، تاہم بہت احتیاط کی ہے۔

کلکتہ آنے کو سو سو بار جی چاہتا ہے، لیکن کیا کروں،
سیرۃ کے لئے کتابوں کی کئی کاریاں ساتھ رکھنی پڑتی ہیں،
ان کو کہاں کہاں لئے بھروں، یہاں سورتی سے مستعار بھی
کتابیں مل جاتی ہیں، اس پر بھی بہت سی خریدنی پڑیں، ایک کافی
ذخیرہ ساتھ آیا تھا، پھر بھی ہر قدم پر ضرورت پیش آتی ہے۔

چونکہ بہت کچھ کام ہو بھی چکا ہے، اس لئے اب ہر منٹ
گراں معلوم ہوتا ہے، اور جی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد پریس
میں جا سکے۔

عمادالملک بلگرامی تفریحاً حیدرآباد بلاتے ہیں لیکن
بس و بیش میں ہوں اتنے دن کیوں ضائع جائیں، عمادالملک ترجمہ
قرآن میں مصروف ہیں، لکھا ہے کہ ہندوہ پارے ہو چکے۔

آپ نے بہت اونچا نصب العین رکھا ہے، ورنہ جی یہ چاہتا
تھا کہ سب طرف سے نظر کر کے وہیں آ رہتا، اور آپ کے ساتھ
مل کر کوئی ضروری خدمت انجام دیتا، اس وقت مسلمان سخت
ہراگندہ اور پریشان خیال اور پریشان عمل ہو رہے ہیں، کسی خاص
مرکز پر ان کو لانا ہے، ورنہ ہر طرف سے بھٹکنے بھٹکنے آخر بالکل
برباد ہو جائیں گے۔

مریضہ کی نسبت آپ نے نہیں لکھا کہ ان کو کہاں
تک لاندہ ہوا۔

یہ تو آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میری جدید نظمیں علی گڑھ والے چھاپ رہے ہیں، کشافیات پر بھی ان کی نظر ہے، لیکن اس کا سلسلہ اگر ہوگا تو الگ ہوگا۔

ہاں عطیہ فیضی کے بہودی شوہر نے جو آرٹسٹ ہے، میری تصویر ہانڈ سے کھینچی ہے، ابھی پوری طیار نہیں ہو چکی، میں اس کا فوٹو لیکر آپ کو بھیجوں گا، نائب سفیر ٹرکی جو نہایت خوبصورت شخص ہے، اس نے خواہش کی کہ اس کے ساتھ تصویر کھنچواؤں، چنانچہ ایک انگریزی کارخانہ میں فوٹو لیا گیا، تولید آئندی بھی گروپ میں ہے۔

شبلی

۲۰ اگست ۱۹۱۳ء

(۲۸)

عبدالماجد بی - امے کے فام

مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر صدق لکھنؤ جس کی سچی باتیں، پاکستان کے اخبارات میں التزام کے ساتھ شائع ہوتی ہیں آن خوش نصیب انگریزی خوانوں میں سے ہیں جنہیں ذوق سلیم اور علم دین کے ساتھ مذہبی خدمت کی توفیق ارزانی ہوئی ہے آپ کو اس دور کے علماء اور سیاسی رہنماؤں کی صحبت میسر آئی اور ان کے کاموں میں وہ شریک رہے۔ انہیں انگریز زبان پر ایک قابل رشک عبور حاصل ہے اور اردو میں تو ان کا کوئی حریف نہیں۔ آج ہندوستان میں ان کی حق گوئی اور بیباکی قابل داد و ستائش ہے۔ (مرتب انتخاب)

محیی،

سلام مسنون، دوسری قسط بھی ترجمہ کی پہونچی، ترجمہ کی خوبی مستثنیٰ عن الوصف ہے، آپ مجھے تحریر فرمائیے کہ آپ کس شغل میں ہیں، اور آپ کی اسکیم کیا ہے ؟

میرے اشتہار ورجن لوگوں نے درخواستیں بھیجیں، ان میں سے میں نے ہاشمی کو بلایا ہے، ابھی تک وہ نہیں آئے، فرض کیجئے وہ نہ آئیں تو کیا چار پانچ مہینہ کے لئے آپ اسٹاف میں مستقل تعلق نہیں رکھ سکتے، اصل یہ ہے کہ پہلی جلد میں اب انگریزی اقتباسات کی جو جگہیں خالی ہیں، ان کے بغیر کام رکا پڑا ہے، آپ صرف مترجم نہیں بلکہ مصنف بھی ہیں، اس لئے آپ کے سوا کوئی اور شخص مشکل سے میرے ارادوں اور خواہشوں کے موافق کام کر سکے گا، بہر حال جو فیصلہ ہو مطلع کیجئے گا۔

ترجمہ میں آنحضرت کے متعلق واحد کی ضمیر نہ استعمال کیجئے بلکہ جمع کی۔

میں اپنی مستقل قیام گاہ کا فیصلہ ابھی نہ کر سکا، ممکن ہے کہ پیری اور ضعف کی بددھمتی مجھ کو وطن کی پابندی اور ”یہ شہر خود روم و شہر یار خود ہاشم“ پر آمادہ کرے، وہاں مکان ہے، رعایا ہے، احباب ہیں، عزیز ہیں، غرض ایثار کے سوا سب کچھ ہے۔

بولٹیکل معاملات میں جو طوائف الملوکی پیدا ہوگئی ہے، سخت قابل نفرت ہے، وزیر حسن امیر علی کا کیا مقابلہ ہے ؟ قوم حقیقت میں سرسید مرحوم کے وقت میں بھی اندھی تھی، اور اب بھی ہے۔

شبلی،

محبی

خطا پہونچا ، سید کرامت حسین کی کتاب مولوی ابوالکلام
محبی سے لے گئے ، کہ وہ خود ریویو لکھ دیں گے ۔

حیدر آباد کی نسبت آپ کا خیال صحیح نہیں ، مولوی سید
حسین صاحب کی نسبت یہ خیال کہ بحیثیت پریسیڈنٹ انجمن
اردو آپ کی کتاب پڑھ چکے ہوں گے ، عجیب حسن ظن ہے ۔
مولوی صاحب موصوف نے مشاہیر مصنفین کی کتابوں کے بھی دو
ہی ایک صفحے پڑھے ہوں گے اس کے علاوہ بڑی چیز وہاں شہرت
ہے ، جب تک کوئی شخص عام شہرت نہ پیدا کرے لوگوں
کو خود حضور نظام سے سفارش کرنے میں تامل ہوتا ہے ، اس
کے لئے ابھی دیر ہے اور نہ اس کی کوئی مثال موجود ہے ۔ میرے
لئے جب مولوی صاحب موصوف نے سفارش کی تھی تو حضور نظام
نے خود جواب میں لکھا تھا کہ مجھکو خوشی ہوئی کہ ایسے
شخص کے لئے آپ نے سفارش کی ، اور میں ان کی سب تصنیفات
اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں ، بہر حال اس کی امید سر دست نہیں
ہو سکتی ، فلسفہ کے باب میں میری سفارش تحسین نائمناس ہوگی ۔
البتہ اگر مولوی عبدالحق ان کو خوب یقین دلا دیں تو شاید کوئی
صورت ہو سکے ۔

آپ نے مذہب پر آج ایک ٹکڑا بھجوا ، لیکن ابھی تو نولدیکی
کا مضمون قرآن ناقدی ہے ، وہ پورا کر لیجئے میں نے اور عنوانات جو
پہلے لکھے تھے ان کا بھی خیال رکھئے ۔

مولویوں نے میرے کفر کے فتوے چار پانچ لکھ کر بھجوا دیے
بھجوائے ہیں اور اشاعت کفر میں سرفارے ندوہ سے کام لیا جا

رہا ہے ، آفتاب احمد خان اور علی گڑھ کی سخت پارٹی اصلاح
ندوہ کی مخالفت اور حالات موجودہ کی حمایت پر جان لڑا دینے کے
لئے آمادہ ہے ۔

یہ ہے ہمارا خلوص ، پھر زمانہ کو حقیقت شناس نہیں ہے ،
تاہم سچ ہمیشہ نقاب میں نہیں رہے گا ۔

شبلی

۱۱ جون ۱۹۱۳ء - بمبئی

ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب دسنوی کے نام
(۳۰)

مولانا کے حلقہ احباب و معتقدین میں ہیں ، دسنہ
ضلع پٹنہ وطن ہے توسی کاموں سے بے انتہا دلچسپی
لیتے ہیں ، مولانا کی تمام تحریکوں میں سب سے پہلے
حصہ لیتے تھے ۔ اخبارات میں ان کی تائید میں
مضامین لکھتے تھے ۔

جناب من

سلام مسنون ، کارڈ پہونجا ، مشکور فرمایا ، لکھنو میں جو
پارٹی میری مخالف پہلے سے تھی اس نے موقع پا کر اس قصہ کو
طول دیا اور ایک جتھا بنا لیا ہے ، جو مختلف اخباروں میں
مضامین لکھتا ہے ۔ یہ ایک باقاعدہ اور مسلسل کوشش ہے جو
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ کی طرف سے کی جا رہی ہے ۔

حیرت یہ ہے کہ میں نے اس معاملہ کو گورنمنٹ نک
پہونجانے میں مطلق حصہ نہیں لیا ، البتہ جب سب نے ہی کہا
تو میں نے بھی اتفاق کیا ۔ اس پر یہ حال ہے کہ آپ الگ ہیں ،
نفاق کا یہ حال کہ ہیلک میں اپنی علیحدگی دکھاتے ہیں ۔ اور
گورنمنٹ آفیسر سے مل کر تمام کام انجام دیتے ، مجھ کو خبر

تک نہیں ہونے پائی ، حکام سے ملنا ، خط و کتابت کرنا ، چھ مہینہ کی معطلی کا مہیروں سے منظور کرانا ، مجھکو ذرہ بھر اس سے تعلق نہیں ۔

سیرۃ نبوی کے متعلق روحانیت سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ اگر اخلاق اور تقدس نفس مراد ہے تو یہ لازماً ثبوت ہے ، بلکہ ثبوت اس کا نام ہے ۔ اس میں کیونکر کوئی شخص کمی کر سکتا ہے اور اگر اور کچھ مراد ہے تو تحریر فرمائیے ۔

آج کل کے ریاکاروں نے دوسروں سے ہدگان کرنے کے لئے بہت سے الفاظ تراشے ہیں ، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فلاں شخص میں روحانیت نہیں ، فلاں شخص عالم ہے ، لیکن دہندار نہیں ۔ لیکن انہی دہنداروں کو مہینوں دیکھا ہے کہ نماز فجر کبھی نصیب نہیں ہوئی باوجود اس کے ان کی دہنداری اور روحانیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا ۔

بائیں فرمائیے زمانہ کی خر بازاری دیکھ کر دنیا میں زندگی وہال معلوم ہوتی ہے ، خواص تک عوام بن گئے ہیں ، حق و باطل کی تمیز کا مادہ مسلوب ہو گیا ہے ۔ مدینہ یونیورسٹی کے نصاب پر جو کچھ یہ حضرات لکھ رہے ہیں ، کیا سچائی پر مبنی ہے ، صرف یہ کاوش ہے کہ ان کا نام کیوں نہیں لیا گیا ۔

قرآن شریف پر نقطے حجاج بن یوسف نے لگائے ، اور کسی نے یہ نہ کہا کہ حجاج ہر قوم کو بھروسہ نہیں ، بلکہ وہی منقذ قرآن آج تمام دنیا میں بھیلایا ہوا ہے ، موجودہ عمارت کعبہ بھی حجاج کی ہے ۔

بلاغت کا پورا فن جس سے قرآن مجید میں ہر جگہ کام لیا جاتا ہے جاحظ ، عبدالقادر جرجانی ، سکاکی ، کا بنایا ہوا ہے ، یہ

سب معتزلی تھے۔ کسی نے نہیں کہا کہ ان پر قوم کو اعتماد نہیں۔ تفسیر کشاف تمام محدثین تک پڑھنے تھے حالانکہ اس میں اعتزال بھرا ہوا ہے۔

قوم میں جب نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے تو وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی، اس کو خود بھروسا ہوتا ہے کہ وہ خدما صفا کر لے گی، جب علم نہیں رہتا اور حسد اور شک کے سوا اور کوئی جوہر نہیں موجود ہوتا تو لوگ اس قسم کی باتیں کہہ کر اپنا دل خوش کرتے ہیں، اور لوگوں کو ہدیمان بناتے ہیں۔

ارباب دیوبند نہایت زاہد اور متشف ہیں۔ اس کے ساتھ وسیع النظر بھی نہیں ہیں، تاہم چونکہ مخلص ہیں، اسلئے شور و شر نہیں مچاتے، کوئی ہوجھتا ہے، تو جو جانتے ہیں بنا دیتے ہیں۔ غرض یہ قصہ طویل ہے، میں اب تک لکھنے سے بھی عاجز ہوں جوش میں آ کر کیا کیا لکھ گیا۔ یغفر اللہ لی

شبلی

۲۹ مئی ۱۹۱۳ء - بمبئی

چودھری سید ظہیر الحسن صاحب رضوی کے نام

(۳۱)

مہا بن ضلع متھرا کے علم دوست رئیس ہیں، موازنہ ایس و دیور کا انہوں نے جواب لکھا ہے، مصنف نے طرز تحریر، مباحث ترتیب ہر چیز میں مولانا کا تتبع کیا ہے۔ اور وہ تمام خصوصیات جو مولانا نے میر صاحب کے کلام میں دکھائیں وہ مصنف نے میرزا صاحب کے کلام میں دکھائی ہیں، اس کے جواب کا نام العیزان ہے۔

مکرمی

تسلیم ، آپ کی قدر دانی کا مشکور ہوں ۔ آپ حضرات امام حسن علیہ السلام کے حالات مبارک لکھ رہے ہیں ، بہتر اور باعث اجر ہے ۔ لیکن پہلے جناب امیر کا درجہ تھا ۔ امام حسن علیہ السلام کے حالات کم ملیں گے ۔ اور خلافت تو کل چھ مہینے کی ہے ۔

جناب امیر رضی اللہ کی عمدہ سوانح عمری کی سخت ضرورت ہے ، نہایت ناتمام کتابیں اب تک لکھی گئیں ۔ عربی میں کوئی جامع تصنیف نہیں ۔ ان کے غزوات اور معاریات کے علاوہ ان کے علمی کارنامے بہت ہیں ۔ اگر آپ عربی سے خوب واقف ہیں تو میں بہت مدد دے سکتا ہوں ۔ اکثر اہل سنت ان کے بہت سے فضائل سے بے خبر ہیں ۔ اکثر خواص میں یہ بھی خیال پھیلا ہوا ہے ۔ کہ جناب موصوف کے اصول سیاسی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے ۔ اس کو بھی رفع کرنا ہے ۔ میں حضرت عمر رضی اللہ کے بارہ میں سنی اور حضرت امیر رضی اللہ کے بارہ میں شیعہ ہوں ۔

شبلی

۱۲ جولائی ۱۹۱۳ء

مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کے نام
(۳۲)

پنجاب کے مشہور قائد اور اخبار نویس جنہوں نے چالیس سال انگریز سے ٹکر لے کر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور خطبوں اور ترقیوں کے بڑے بڑے ہمت شکن مالی نقصانات برداشت کئے ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بیداری اور اسلام دوستی میں انہوں

نے رہنمائی نہ حصہ لیا۔ ملت اسلامیہ کے مفاد کی
 ہندوستان میں ہمیشہ حفاظت کی۔ وہ ممالک اسلامیہ
 کے درمیان اتحاد کے علمبردار تھے۔ شعر خوب
 دلاویز کہتے تھے۔ اور قدرتِ قوائی میں ان کا
 کوئی حریف نہیں۔ شبلی مرحوم کے علی گڑھ کے
 شاگردوں میں تھے۔ ۱۹۵۶ء میں پچاسی برس کی عمر
 میں وفات پائی۔ ملت اسلامیہ ہندو کی حیاتِ نو
 ان کی قربانیوں کی مرہونِ منت ہے۔ (مولف انتخاب)

عزیزی مولوی ظفر علی خاں صاحب دامِ قدس

السلام علیکم! میں نے جو فتویٰ لکھا اس سے علمائے فرنگی
 محل بھی متفق ہیں۔ اور مولوی عبدالباری صاحب کا خط بھی
 شائع ہو چکا ہے۔ عداہ میں اس کا جزیہ موجود ہے۔ البتہ عداہ
 میں صرف جواز ہے اور میں نے افضلیت کا فتویٰ دیا ہے۔ اس قدر
 میرا اجتہاد ہے۔

بھائی! ترکوں کی اعانت اس وقت فرضِ عین ہے۔ اور قربانی
 کا درجہ واجب سے زیادہ نہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ سنتِ ابراہیمی
 موافق نہ ہو۔ ہاں وہی سنتِ مقصود ہے۔ فرق یہ ہے کہ آپ
 اس سنت کو لیتے ہیں۔ جس کا مینڈھے پر عمل ہو، اور میں
 وہ پیش نظر رکھتا ہوں جو اسماعیل علیہ السلام پر مقصود
 تھی۔ کیا ترکوں کی جان مینڈھے سے بھی کم ہے؟

یہاں کے جلسے میں، میں نے چند شعر پڑھے تھے۔ مناسبت
 موقع سے چند شعر درج ہیں۔

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے

کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریضِ سخت جان کپتک

بکھرتا جاتا ہے شیرازۃ اوراق اسلامی
 چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک
 حرفوں کو گلہ ہے آسمان سے خشک سالی کا
 ہم اپنے خون سے سینچینگے انکی کھیتیاں کبتک
 " حرم کے سمت بھی سید انگٹوں کی جب نگاہیں ہیں
 تو پھر سمجھو کہ سرغان حرم کا آشیان کبتک
 جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
 کہ اب ابن و ابان شام و نجد و نیروان کہہ تک
 شبلی

لکھنو - ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء

جرائد اسلامیہ کے نام

(۳۳)

جناب من! بعض صاحبوں کا خیال ہے کہ ترکوں کی ہمدردی
 میں اگر قربانی کے بجائے قیمت دی گئی تو اس سے احتمال ہوگا
 کہ قربانی خود غیر ضروری ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں۔ شریعت میں فرائض کے درجات میں
 بھی ترتیب ہے۔ اور وقتی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ غزوہ
 خندق میں جہاد میں مصروف ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلعم کی
 نماز عصر قضا ہوئی تو کیا حجت ہو سکتی ہے کہ نماز کا قضا
 کرنا جائز ہے؟

ترکوں کی اعانت اس وقت فرض عین ہے۔ اس لئے اس خاص
 موقع اور ضرورت کے وقت اگر یہ فرض مقدم رکھا گیا تو اس سے
 آئندہ کے لئے کیا حجت ہو سکتی ہے۔

قربانی شعار اسلام ہے ۔ مسلمان اس کو نہیں چھوڑ سکتے
 نہ کوئی قوم ان کو اس پر مجبور کر سکتی ہے ، نہ وہ اس کے
 مقابلہ میں دنیا کی کسی قوم کی پروا کر سکتے ہیں ۔
 امید ہے کہ میرا خط اور صاحبان اخبار بھی اپنے بڑوں میں
 نقل کر دیں گے ۔

شبلی

۱۷ نومبر ۱۹۱۲ء

(۳۴)

مولوی حمید الدین صاحب کے فام

برادر م

مفصل شان نزول سنکر جواب لکھو ،

ترجمہ کا خیال امیر عبدالرحمن والی کابل کو پیدا ہوا ہے ،
 اور بڑے وسیع پیمانہ پر اس کے لئے انہوں نے اپنے سفیر ہندوستان
 کو لکھا ، اور سفیر نے مجھ کو و مولوی حالی صاحب و نذیر احمد
 کو ، میں نے پہلے انکار کیا ، پھر یہاں کے تمام اعزہ و احباب
 کے اصرار پر رضامندی ظاہر کی ، سفیر صاحب نے یہ معلوم کر کے
 کل ترجمہ اور اسکا تمام اہتمام میرے ذمہ کر دیا ، اور دس ہزار
 کی رقم منظور کی ، جو بہ تفاریق لیجائیے خواہ یکمشت ۔

ابن خلدون کا ترجمہ تم بے شبہ خود کر سکتے ہو ، لیکن اس
 میں تاریخی تلمیحات اور اجمال اور حوالے اس قدر ہیں کہ میں اچھی
 طرح اندازہ کرتا ہوں کہ ابتدائی جلدوں میں تم کو دقت پیش
 آئیگی ، کتاب مذکور کے سات ہزار صفحے ہیں ، اور وہ بھی ٹائپ
 کے در آورد خط میں ، میں نے تین برس کا وعدہ کیا ہے ، اب چند
 ہائیں بطور تذکرہ کے سنو ۔

۱ - مستقل تمہارے نام سے ترجمہ ہونے پر سفیر راضی نہیں ہو سکتے ، بلکہ میرا انتساب بھی ضروری ہے ۔

۲ - کتاب اس قدر ضخیم ہے ، کہ دو ایک برس مستقل اشتغال کے بغیر اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا ۔

۳ - بہت سے ضروری مشوروں کے لئے میری قربت ضرور ہے ۔
۴ - تم اپنا قائم مقام کسی ہندوستانی شخص کو پوری تنخواہ پر کر سکتے ہو ۔

۵ - صرف ابتدائی کام اور خاکہ قائم ہونے تک تمہارا یہاں رہنا درکار ہے ، پھر جہاں چاہو رہ سکتے ہو ۔

۶ - یہ کام شہرت اور عزت کا ذریعہ ہے ، اور آگے راہیں نکلیں گی ، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کی سر پرستی میں یہ کام ہوگا ۔
۷ - گھر پر رہ کر کام کرو گے تو تمہارا خرچ مختصر ہوگا اور تم کو کم از کم ۱۵۰ ، کی بچت ہوگی ، امیر صاحب انگریزی کتابوں کے ترجمہ کا بھی محکمہ قائم کرنا چاہتے ہیں ، چار انگریز اور سولہ ہندوستانی مترجم ملازم ہونگے محکمہ کا صدر مقام کلکتہ ہوگا ، اس محکمہ کا سکرریٹری مجھ کو مقرر کرتے ہیں ، لیکن میں نے انکار لکھ بھیجا ، اور زیادہ تر امید ہے کہ اگر تمہارے لئے مناسب تحریک کرونگا ، تو تم کو یہ عہدہ مل جائیگا ، اس صورت میں اتنے بڑے وسیع کام کا تمہاری مانتحتی میں انجام پانا بہت سے فوائد کا شمر ہوگا ، اب اپنی رائے لکھو ۔

شبلی ،

۱۸ جولائی ۱۹۰۰ء

برادر دم !

بھائی اچھا ہوتا کیا ، ولن یصلح العطار ما انس الدھر
دو دن اچھا رہا تو چار دن بیمار رہتا ہوں ، لیکن بات چیت
کرتا رہتا ہوں ، لوگ جانتے ہیں کہ کوئی شکایت نہیں ، نظام
جسم برہم ہو چکا ، ابھی ابھی سخت سردی لگی حالانکہ دوپہر
کا وقت ہے ۔

افسوس یہ ہے کہ سیرت پوری نہ ہو سکی ، اور کوئی نظر
نہیں آتا کہ اس کام کو پورا کر سکے ۔

وقف نامہ میں اسٹامپ کا جگھڑا تھا اس لئے کلکٹر کے یہاں
درخواست دہدی ۔ وہ طے کر دیں ۔ تو تکمیل ہو جائے ۔ تو ہم
کو متولیوں میں رکھا ہے ، اور اگر دارالمصنفین قائم ہوا تو
تمہارے سوا کون چلائیگا ۔

الہ آباد کا معاملہ امید ہے کہ طے ہو جائے ۔ دس ہزار ہر
خانمہ لہرا ، دستاویز لکھدی گئی ، رجسٹری ہائی ہے ۔

آج سید سلیمان ندوی آویں گے ، اور کل پرسوں چند طلبہ
تکمیل ، لیکن بیماری سب منصوبے غلط کر رہی ہے ۔ سید سلیمان
یوں ہی ملنے کو آتے ہیں ۔

ماسوں صاحب کا کتب خانہ یہاں آ گیا ، قلمی کتابیں اکثر
برباد ہو گئیں ۔ اور کچھ مطبوعہ بھی قریباً سو کتابوں کی جلد
بنوائی ہے ۔

شبلی

۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء - اعظم گڑھ

سید سلیمان کے فام (۳۶)

عزیزی

تم نے اپنی حالت کے متعلق حجامانہ طریقہ میں اظہار خواہش کیا ہے۔ عزیزی، کیا اس کے کہنے کی حاجت ہے۔ تم ہر وقت میری آنکھوں میں ہو اور میں موقع ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ لیکن اتنی جلد کون کامیاب ہوا ہے۔ میاں حمید اس لیاقت پر جو زمانہ کے موافق بھی تھی، کتنے دنوں کے بعد ٹھکانے لگے، خود میرا کیا ہوا۔ عمادی کس حالت میں ہیں۔

سب سے پہلا موقع جو ملے گا میں تم کو پیش کروں گا۔ بھوپال میں تو عالم کی کوڑی برابر قدر نہیں، حیدرآباد میں شاید کوئی صورت نکلتے۔ لیکن ابھی تم کو شہرت کے عام منظر پر زیادہ نمایاں ہو کر آنا چاہئے۔ لہذا وہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ اور میں تو ہر جگہ تمہاری ثقاہت کرتا ہی رہتا ہوں میں خود متفکر ہوں کہ موجودہ حالت میں بھی تم کو کیونکر زیادہ مالی فائدہ پہونچاؤں۔

والسلام

شبلی

۳ فروری ۱۹۰۸ء

مولوی مسعود علی صاحب فدوی کے فام (۳۷)

عزیزی، سلام و دعا

خط پہونچا، تمہارے وداعی جلسے کا حال پہلے خط سے معلوم ہوا تھا۔ میں ایک نہایت ضروری لیکن پرکیف خدمت

میں مصروف ہوں (سیرۃ نبوی) وہ جس قدر زیادہ ختم کے قریب آتی جاتی ہے ذوق بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے اکثر یہ ارادہ ہوتا ہے کہ پہلی جلد تمام کر کے یہاں سے نکالوں، وہاں یہ یکسوئی کم ہاں لیکن بظاہر پہلے آنا پڑے گا۔ اس غرض سے کہ بعض امور میں میان حمید سے مشورہ رہ سکے۔

ندوہ سے تعلق منقطع ہونا محال ہے۔ لیکن یہ وہیں آ کر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کہ تعلق کی نوعیت کیا ہو۔ لوگ تو لکھتے ہیں کہ ابھی سے حالت بالکل بفل گئی ہے۔ درحقیقت اب وہ محض لونٹوں کا مکتب رہ جانے کا۔

تمہارے اشغال کی نسبت وہیں آ کر فیصلہ ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ باتیں خط و کتابت سے انجام نہیں پاسکتیں۔ دیر تک بالمعاشقہ تبادل خیالات رہنا چاہئے۔

حالت موجودہ کا اندوس ضرور ہے لیکن ہم کو اس پر بے مغز سے یہ سیکھنا چاہئے کہ اس نے دس برس متواتر کوشش میں کبھی ناکامی سے ہمت نہیں ہاری۔ پہلک کی قوت ملک میں بڑھتی جائیگی اس سے کام لینا چاہئے۔ چند سازش آدمی مفت میں ایک بڑے قومی کارخانہ کو دبا بیٹھیں۔ اس کو قوم کیونکر دیکھ سکے گی۔ لیکن قوم کے متوجہ کرنے کی تدبیریں کرنی چاہئیں۔

نم عملی آدمی ہو اس لئے قومی اشغال میں اہل قلم سے تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔

شبلی

۱۴ اگست ۱۹۱۳ء

(۳۸)

مولوی عبدالسلام (مولانا کے شاگرد عزیز تھے)

بھائی تم ناراض ہو گئے ، البشیر وغیرہ کا مجھ پر کیا اثر
پڑ سکتا ہے ، ہمدرد یا کسی نے تمہارے متعلق ایک حرف بھی
نہیں کہا یہ خبر بھی تمہیں نے دی ، میری غرض تو صرف قدر اس
تھی کہ تم کام بھی کرتے جاؤ ۔

تم کہتے ہو کہ اپنے ہوا خواہوں کی میانہ آمیز سفارش
کرتا ہوں ۔ بھائی تم سے بڑھکر کون ہوا خواہ ہو گا کہ باوجود
میرے منع کرنے کے تم نے سلسلہ مضامین نہ چھوڑا ۔

مولوی ابوالکلام یہاں نہیں ہیں ، لیکن تمہارے بہت
طالب ہیں ، اور مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ الہلال میں جانے کی
اجازت دوں گا ۔

اور الہلال میں جاؤ تو ناراض ہو کر کیوں جاؤ ۔

نم میری وجہ سے یا میں تمہاری وجہ سے بدنام ہو چکے ، پھر
اخیر میں ناچائی یہ کس قدر افسوس کی بات ہے ۔

شبلی

دہلی - ۲۱ اپریل ۱۹۱۳ء

پروفیسر مولوی عبدالباری صاحب کے نام

(۳۹)

عزیزی

سلام و دعا ، خط ملا ، کشمیر کیا آؤں ، اب بمبئی کے قابل
نہیں رہا یعنی دن بھر دروازے بند رکھتا ہوں ، ہوا ذرا خنک
ہو گئی ہے تو اس کی برداشت نہیں ہو سکتی ۔ ایک مرتبہ صرف

اس بے احتیاطی سے بخار آ چکا ، بھائی تیل تمام ہو چکا ۔ بخدا اب سچہ میں کچھ نہیں رہا ۔ غذا ۲۴ گھنٹوں میں سب ملا کر پاؤ بھر ، بات کرنا گراں ہوتا ہے ، حالانکہ بخار وغیرہ کی کچھ شکایت نہیں ۔

میرے خلاف اس قدر طوفان برپا رہا لیکن لکھنے کی طاقت نہ تھی اور اب تک کوئی مفصل تحریر نہ لکھ سکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گو بہت دنوں سے جانتا ہوں ۔ ان کا سفلہ پن تو ہمیشہ سے معلوم ہے ، لیکن اس قدر بد نفسی کا خیال نہ تھا ، سخت حیرت یہ ہے کہ اب تک میری طرف سے ان کی نسبت کوئی بات وجود میں نہیں آئی ، میں نے کسی کی شکایت تک نہیں کی ۔

ابتدا یوں ہوئی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ نے ان کو یقین دلا دیا کہ اس سے آپ کی آزاد گوئی ثابت ہوگی ۔ اس بھڑی میں وہ آئے ، اور پھر یہ لوگ اور بڑھاتے گئے یا شاید کوئی اور وجہ ہو ۔

بھائی بات یہ ہے کہ ۔

۱۔ خاطر یک دوکس از شاد شود از تو پس است

زندگانی یہ مراد ہمہ کسی نتوان کرد

یہاں بعض عمدہ کتابیں ہاتھ آئیں ۔ انساب سمعانی نہایت

نایاب اور ضخیم کتاب یورپ نے نوٹو میں چھاپی ۔ جامع مسجد

کے کتب خانہ میں قتال کی کتاب محاسن الشریعہ کا قلمی نسخہ

ہے ، جو نایاب ہے ۔

سیرت ہوتی جاتی ہے ۔ عزوات پر ریوں و لکھ رہا ہوں ۔
 افسوس سید سلیمان کو آزاد نے چھین لیا ، عبدالسلام اچھے ہیں ،
 لیکن لا یعنی مغناہ ۔

بھائی میں تو اب چراغ سحر ہو رہا ہوں ۔ تم اپنی
 ذمہ داری کو محسوس کرو ۔ میں اپنے عیوب کو سب سے بہتر
 جانتا ہوں ، عالم ، اعرف بنفسہ لیکن علمی مذاق کا پھیلانا اپنا کام
 سمجھتا رہا ، اگر اس میں ذرا بھی کامیابی ہوئی ہو تو مسلم
 گزٹ کے مصنوعی معائب کے قبول کرنے پر آمادہ ہوں ۔ سخت
 افسوس یہ ہے ، کہ ہر حیثیت سے زمانہ میں خراب کاری بڑھ گئی
 ہے ۔ نیک و بد کی تمیز مطلق نہیں ، ابھی آغا خان ، علی محمد خان ،
 محمد علی کو آسمان پر چڑھایا ، ابھی اوپر سے زمین پر دے پٹکا اپنی
 گرہ کی عقل نہیں ۔ مسلم گزٹ کی ہر تحریر کو ایک لونڈا
 بڑھ کر سمجھ سکتا ہے ، کہ معاندانہ اور یک طرفہ ہے ۔ لیکن
 سینکڑوں احمق اس کی حریت کے قائل ہیں ۔

ایک نظم الملال میں اپنے نام سے یہ جندی ہے ۔ زیادہ
 ہرجوشی ہے لوگ اور برا مانیں گے ۔

مدینہ یونیورسٹی کی تجویز میں قسطنطنیہ کو لکھنو سے توارف
 ہوا ، خیر ، لیکن بہت ضروری چیز ہے ۔ افسوس ہے کہ اب ہمت
 نہیں کہ اس کے متعلق کچھ کر سکیں ، پہلی سی بات ہوتی
 تو مدینہ جانا کیا مشکل تھا ۔

شبلی

ایم مہدی حسن کے نام

(۴۰)

ہایہ الغزالی من ، مدت ہوئی البشیر میں قاسوس الاسلام کے عنوان سے ایک مضمون دیکھا ، نیچے مہدی حسن کے دستخط تھے ۔ حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزا پوری دوست ہیں یا نذیر احمد و آزاد کی دو روحوں نے ایک قالب اختیار کیا ہے ۔ کئی دن تک دیکھتا اور احباب کو دکھلاتا رہا ۔

دو تین ہفتہ ہوئے وہی برق ایک اور برق پر چمکی ، لیکن اس سے زیادہ ہوش رہا اور خیرہ کن تھی ۔ مصمم ارادہ ہوا کہ اب کی ضرور مبارکباد لکھوں لیکن حیدر آباد کی مصائب آمیز زندگی کسی دلی جوش کے اظہار کا موقع کہاں دہتی ہے ۔ عرض وہ چوٹ زخم کا چور بن کر دل میں رہ گئی ۔ آج آپ کا بھیجا ہوا البشیر پہونچا اور وہ چوٹ ابھر آئی زیادہ کہا کہوں ، خدا آپ کو آپ کے دست و قلم کو آپ کی صنعتگری طبع کو قائم رکھے ۔ بخدا مجھ کو خوشی سے زیادہ آپ پر رشک ہوتا ہے ۔ کبھی کبھی خط بھی لکھا کیجئے ۔

میں الغزالی لکھ چکا اور مطبع میں جا چکی ، علم کلام کی تاریخ بھی ختم ہو چکی ۔ اب جدید علم کلام پر لکھ رہا ہوں ، یہ دونوں حصے ساتھ چھپیں گے ۔ اگر یہاں اطمینان سے رہنا پیش آتا تو بڑے بڑے کام انجام پاتے ۔ لیکن ہر وقت رکاب میں پاؤں ہے ، جو گھڑی ٹلنی جاتی ہے ، اسی پر حیرت ہے ۔ مولوی

سید علی صاحب پرسوں میرے پاس تشریف لائے تھے ، ۲۲ مارچ
کو ولایت جاتے ہیں ۔

ع دوستان رفتند و من ہم میروم

والسلام

شبلی

حیدر آباد - ۱۸ مارچ ۱۹۰۱ء

فارسی خطوط کا نمونہ

(۴۱)

بکرامی خدمت جناب والد ماجد ،

اعلیٰ حضرت !

آداب - بخیریت ہستم و خیریت خواہ مزاج اقدس ، ثانیہ والا
رسید و کام روائے جان و دل گردید ، در قریب روزگارے عریضہ
مع گلستان مطبوعہ لندن ارسال خدمت کردہ ام ، اگر نہ رسیدہ
است از ناوسائی بخت است ، مرا درین میان جرمے نیست - در چند
روزے مدرسہ اینجا تعطیل خواہد یافت ، تعطیل تا دو ماہ
خواہد ماند ۔

حضرت استاذ بوطن خویش یعنی سہارن پور تشریف خواہند
برد ، این قدر ناغہ نتوان کرد - مرا ہم عزم سہارن پور است ،
دیگر ہر آنچہ مرضی باشد ، طرفہ تماشاے است عزیز می
نویسد کہ ” جناب مولانا مولوی محمد فاروق صاحب در تعلیم بندہ
تماہلی بکار برند “ و جناب مدح مرا نوشتہ اند ” کہ عزیز
مذکور را در تحصیل علم التفاتے نیست “ ، خداے داند ازین میان
حق بجانب کیست ، بجناب والدہ عرض آداب ، و بہ برادر

صاحب و حضرت منشی صاحب تسلیم ، و بہ عزیزی محمد اسحاق سلام
و دعا ۔

محمد شبلی عفی عنہ
لاہور

(۴۴)

جناب عم مکرم عم فیضہ ، تسلیم و نیاز

روز دو شنبہ کہ از جنوری چہار دہم بود بہ علی گڑھ رسیدم
و از زحمت سفر آرمیدم ، چون دریں مدت از عزیزان هیچ کس با من
نہ بود کہ با و سخن بہوستم ، و درد دے گفتمے ، غریب وحشتی
روے داد ، و گونا گون اندیشہا بدامن خاطر در آویخت ، ہمہ آن
سخنہا کہ عزیزان در وطن بہن می راندند بیاد آمد ، و دیدہ دل را
بطونناہ فشانی خواند ، در دیدہ می گردد کہ انجمنے از یاران ساز
پذیرفته است و ہر یکے از ہر درے سخن بہوستہ ، تا سخن بدیتجا
رساندند کہ بدین ماہہ بر خورداری کہ در علی گڑھ داری چونست
کہ تن بہ رضا در دادہ و دست از طلب باز داشتہ سر بفرمان
حاسدان نہادہ ، من گاہے خموشم وقتی در دفع این مطاعن می
کوشم ، کہ یاران انصاف بالائے طاعت است ، چون زمام اختیار
نہ بدست من باشد ، دیگر بر من خردہ نتوان گرفت من ہم دائم
کہ این کار دون در خور من نباشد و اگر پایہ از ارزش خویش
فراتر آمدہ باشم می توانم گفت کہ آخر لختے بسامان و قدرے ازین
فراوان تر می بایست ۔ مگرچہ کنم کہ والد قبلہ را جز ہوکالت روئے
و راہے نیست و باین آزادہ دلی اگر ہوکالت تساختہ باشم ، در نظر
انصاف سرا دریں میانہ گناہے نخواہد بود ، در ظل والد قبلہ
ہستیم ہمچنین خواہد بود ، آہ ازان هنگام کہ دولت روے گرداند
و کار بدست من افتد ، دوران آشوب دے بر جامے ندارم و خواست

و ناخواست روی بوکالت آورم و خویش را اندازم نه نهم ، مردمان
را بهره و لای فریب دهم و این خواری بخویش در پذیرم ، و هم
بدین ذات و خستگی جسد و شکم باز بگیرم ، هم درین اندیشه
میگذاختم که میان محمد ابراهیم از در در آمدند ، دل بایشان پیوند
گرفت ، اکنون لخته از کشاکش غم در امان هستم .

از حالات عزیزان و کیفیت مدرسه بدول و اعظم گڑه به
تفصیل مطلع خواهد فرمود .

این عریضه را بمیزبی محمد سمیع با عبدالحمید خواهند سپرد
و ضائع نخواهند فرمود .

شبلی نعمانی

۶۱ جنوری ۱۸۸۳ء

مکاتیب شبلی پر تبصرہ

خطوط سر سید پر تبصرہ انتخاب خطوط سے پہلے لکھا گیا ۔ مکاتیب شبلی پر علیحدہ تبصرہ لکھنے کا خیال نہ تھا لیکن جب انتخاب خطوط ختم ہوا تو خیال ہوا کہ مولانا کے سینکڑوں خطوط میں سے نمونے کے یہ چالیس بیالیس خطوط کافی نہیں ۔ مکمل مکاتیب شبلی پر تبصرہ سے کچھ نہ کچھ اندازہ تو شبلی مرحوم کی گونا گوں قومی خدمات کا ہو سکیگا لہذا چند صفحات مولانا کے کارناموں کے تذکرے سے روشن ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے ۔ میں نے تبصرہ پوری توجہ سے مرتب کر رکھا تھا لیکن لاہور اور چیٹوٹ کے دوستان میری بھاگ دوڑ میں وہ کہیں ایسا احتیاط سے سنبھالا گیا کہ پھر ڈھونڈے نہ ملا اور مجھے یہ سطور دوبارہ مرتب کرنی پڑیں میں نے ہر چند چاہا ہے گذرے ہوئے لطف و وقت کو واپس ہلا سکوں مگر ایسا نہ کر سکا ۔ بہر حال کچھ نہ کچھ کوشش کی گئی ہے ۔

اشاعت و حمایت اسلام

یوں تو مولانا کی زندگی ہی حمایت و اشاعت اسلام کے جذبہ سے سرشار تھی اور وہ اس جماعت کے سرخیل تھے ۔ جس کا کام نیکی کی طرف دعوت دینا اور منکرات سے منع کرنا قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کا اہتمام کیا اور اپنی زبان میں اسے ”شدھی“ کا لقب دیا تو گویا ان کی کوششوں نے شبلی مرحوم کے لئے گویا جلتی ہر تیل کا کام دیا ۔

حبیب الرحمان خان شروانی کو لکھتے ہیں :-

”ہاں کام بہت ہیں ، لیکن میں اشاعت کے کام کو سب

پر مقدم رکھونگا قطعی طور سے معلوم ہوا ہے کہ راجپوت خاندان مرتد ہوتے جاتے ہیں آریوں کی مقامی انجمنیں چپکے چپکے کام کر رہی ہیں۔ ذرا دقت یہ ہے کہ جلسہ کے بعد ہی میرا دورہ شروع ہونا چاہئے۔ لیکن موسم ناقابل برداشت ہو جائیگا۔“

جہد امین صاحب کو بھوپال میں لکھتے ہیں :-

”میں آج کانپور روانہ ہوتا ہوں۔ نو مسلموں پر آریہ جو جال ڈال رہے ہیں وہ سخت خطرناک درجہ تک پہنچ گیا ہے اس غرض سے تمام اضلاع میں دفاعی انجمنیں اور دیہات میں مکاتیب قائم کرنا مقصود ہے۔“

مولانا نے یہ کام بڑی ہاسردی اور تدبیر و سلیقہ سے انجام دیا۔ اور اس کے ہر پہلو پر ایک مدبر جرنیل کی طرح غور کیا، اپنی چالیں مرتب کیں اور حملہ و مدافعت کی تدبیریں سوچیں۔ ایک خط میں فرماتے ہیں :-

”اشاعت اسلام کی بنیاد دو کاموں پر تقرر و عطا آمدنی مشاہرہ و عطا۔ واعظ حسب خواہش و ضرورت نہیں ملنے اور ملیں تو کئی سو ماہوار آمدنی چاہئے، انہی دونوں باتوں کے متعلق میں نے یاد داشت کے لئے لکھا تھا اس پر مکرر غور فرمائیے اور اپنی رائے قلمبند کر دیجئے کہ کیونکر اور کس طریقہ سے دونوں باتیں حاصل ہونگی“

واعظ اور مدرس مقرر کئے ، گاؤں گاؤں بھیجے ، خدام الدین کے نام سے ایک علیحدہ جماعت قائم کی جس کا مقصد دیہات میں رہ کر دین کی اشاعت و حمایت اور استحکام کے لئے کام کرنا تھا ۔ مولوی حمید الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”میں نے خدا کا نام لے کر خدام الدین کی جماعت قائم کر دی ہے ۔ ایک مکان لے دیا ہے اور الگ تربیت ہے ۔ قریباً ایک مہینہ ہوا ۔ اب تک امید افزا آثار ہیں ۔ احکام اسلام کی پابندی میں شغف اور مستعدی پائی جاتی ہے ۔ ابھی تک سات لڑکے عہد و پیمان کے ساتھ خود اپنی مرضی سے داخل ہوئے ہیں ۔ دیہات وغیرہ میں اشاعت اسلام کے کام بھی آپسکے اور جو کام ان کو بتایا جائیگا “ ۔

مولانا نے ہر گاؤں میں نو مسلموں کی مردم شماری ، تعلیم اور دوسرے حالات و کیفیات سے متعلق فرد چھپوائے ۔ جن سے ایک نظر میں پورے پورے حالات سامنے آ جاتے تھے ۔ مولانا کی خدمات دینی کا یہ سلسلہ حد درجہ دلاویز سرگرمی کا برقعہ ہے کوشش اور جان توڑ کوشش فرما رہے ہیں ۔ لیکن کام پوری خاموشی اور بغیر کسی ہتکامہ آرائی بلکہ پوری راز داری سے ہو رہا ہے کہ طاقتور حریف باخبر ہو کر پھڑک نہ اٹھے ۔ سید سلیمان کو اس سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

”دس ماہوار ہر مسلم گزٹ میں ایسے ابتدائی معلموں کے لئے اشعار دے دو جو دیہات میں جا کر اردو کی ابتدائی کتابیں اور قرآن مجید پڑھا سکیں ۔ عینہ

اشاعت اسلام کے نام کی ابھی ضرورت نہیں - آریہ
بھڑکیں گے صرف میرا نام لکھدو، -

قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ -

اشاعت اسلام کے سلسلہ اور سیرت کی تصنیف کے دوران میں
مولانا کو خیال پیدا ہوا کہ انگریزی خوانوں اور اہل یورپ کے
دلوں میں قرآن کریم کے غلط تراجم نے جو غیر مسلموں نے کئے
ہیں - غلط فہمیاں ، بد گمانیاں اور تعصب پیدا کر دیئے ہیں ان
کا ازالہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان قرآن کریم
کے انگریزی ترجمہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو - مئی ۱۹۱۰ء میں
حبیب الرحمن خان شروانی کو لکھتے ہیں :-

”ترجمہ قرآن مجید کے لئے متعدد اشخاص کو خط لکھے
ہیں کسی نے کوئی تسلی دہ بات نہیں لکھی ، لیکن
عماد الملک بلگرامی نے خط لکھا کہ وہ نہایت
مستعدی سے اس کام کو کر رہے ہیں - ان کے خط
کے اقتباسات آئندہ چھاپوں گا “ -

نواب عماد الملک بلگرامی سولہ بارہ تک ترجمہ مکمل فرما
سکے اور اس طرح یہ کام ادھورا رہ گیا -

مولانا کے دل میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کیا کیا خیالات
موجزن تھے - اس کا اندازہ اسی سے کر لیجئے کہ خواجہ کمال
الدین کی جو انگلستان میں اشاعت اسلام کے لئے ایک مبلغ کی حیثیت
سے کام شروع کر چکے تھے حوصلہ افزائی کر رہے ہیں - ایک
دوست کو لکھتے ہیں -

”خواجہ کمال الدین لندن کو مسخر کر رہے ہیں -
آپ لوگوں کو بہت تعجب ہو گا لیکن ابھی تو

صرف اوجھے وار ہیں آئندہ اصلی حملہ آور بڑھنے کے
تب دیکھنے کا ۔

سیرت کا انگریزی ترجمہ

مولانا نے جب سیرت کی تصنیف کے لئے اپنی تمام قوت و
قابلیت وقف کر دی تو اپنے شاگرد عزیز مولانا محمد علی جوہر سے
جن کی انگریزی، انشا پردازى اہل زبان سے خراج تحسین وصول
کرتی تھی وعدہ لیا کہ وہ سیرت نبوی کا انگریزی میں ترجمہ
کریں گے ۔ افسوس انہیں سیاسی مصروفیات نے بہت بہ دی کہ
یہ خدمت انجام پا سکتی ۔

مذہبی مسائل اور اجتہاد قربانی -

مولانا عالم دین تھے ، مکاتیب میں بھی بعض اوقات دینی
مسائل کے متعلق کوئی سوال پیدا ہو جاتا تھا تو قومی ضرورت اور
دینی خدمت کے پیش نظر کچھ نہ کچھ کہہ جاتے تھے ۔ عالمگیر
جنگ اول سے پہلے جب ترک دشمنوں کے ترغے میں بھنس گئے
اور انہیں امداد کی ضرورت پیش آئی تو مولانا نے ایڈیٹر زمیندار
یعنی مولانا ظفر علی خان مرحوم اور دوسرے اصحاب اخبارات کو
لکھا کہ مسلمانوں کو اس سال قربانی کی بجائے ترکوں کو مالی
امداد دینی جائے اور اس طرح وقت کی ضرورت کو پہچانتے ہوئے
ایک مسلمان قوم کو دشمنوں کے ہاتھوں ذبح ہونے سے بچا لینا
چاہئے ۔ یہ خط ملاحظہ فرمائیے ۔

سود -

مولوی سید ابو ظفر دکنوی کے استفسار کے جواب میں لکھتے
ہیں ”ہندوستان نہ دارالحرب نہ دارالاسلام بلکہ دارالامن ہے

کسی کا مال غصب کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔“ -
 سود کے متعلق ایک خط میں ارشاد ہوتا ہے ”مسلمان سود
 بے تکلف دیتے ہیں لیکن لیتے نہیں۔ حرام دونوں ہیں لیکن پہلی
 صورت میں چونکہ نقصان ہے اس لئے اس کے مرتکب ہیں اور
 دوسری صورت میں چونکہ فائدہ ہے اس لئے اس سے مجتنب ہیں۔“ -
 ایک دوسرے خط میں فرماتے ہیں: ”بینک کا سود میرے
 نزدیک جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتویٰ اس کے متعلق
 چھپ گیا ہے۔“ -

شیعہ اور سنی

ایک صاحب حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات کے
 لکھنے کی اطلاع دیتے ہیں انہیں لکھتے ہیں ”بہتر اور باعث اجر
 ہے۔ لیکن پہلے جناب امیر کا درجہ تھا۔۔۔۔۔ جناب امیر کی عمدہ
 سوانح عمری کی سہولت ضرورت ہے۔۔۔۔۔ ان کے غزوات اور محاربات
 کے علاوہ ان کے علمی کارنامے بہت ہیں۔۔۔۔۔ اکثر اہل سنت
 ان کے بہت سے فضائل سے بے خبر ہیں۔۔۔۔۔ میں حضرت عمر کے
 بارے میں سنی اور حضرت امیر کے بارے میں شیعہ ہوں۔“ -

متعہ

منشی محمد امین صاحب کو ندوہ سے ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں -
 ”نہیں قرآن مجید میں متعہ کے جواز کی کوئی آیت نہیں البتہ جنگ
 خیبر میں عارضی طور سے آنحضرت صلعم نے اس کو جائز کر دیا
 تھا اور پھر حرام کر دیا گیا۔ متعہ کا جواز زنا سے کچھ ہی
 کم درجہ پر ہے۔ ازواج کا مقصود زوجین کا ابدی تعلق ہے نہ
 کہ فوری اور وقتی۔ دوازدہ امام نے ہم لوگوں کی روایت کے
 موافق کبھی متعہ کو جائز نہیں کہا۔“ -

ادیب اور انشا پرواز

مولانا شبلی مرحوم سراپا شعر و ادب تھے ان کی انشا بردازی نے اردو کو ایک نئی اور ہرجوش زندگی بخشی اور گلاہائے رنگا رنگ سے اس کا دامن بھر دیا۔ شعر و ادب، تاریخ، سیرت، فلسفہ، علم الکلام سبھی مضامین پر انہوں نے لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ بے مثال وقار و متانت اور بے نظیر چابکدستی اور استادانہ ہنر مندی سے لکھا ہے۔ ہزارہا اوراق پر ان کی قلمکاری کے نمونے منقوش ہیں لیکن ان صفحات میں اور اس تبصرے میں صرف مکاتیب ہی سے حوالے پیش کئے جائیں گے۔

مولانا کی عمر تیس سال تھی جب نینی تال سے اپنے والد گرامی کو وہ خط لکھا جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے :-

”گو میرا قلم خامہ نقاش کی ہمسری کرے جس سے میں اس عجیب و غریب مقام (نینی تال) کی پوری تصویر کھینچ سکوں تاہم مجھ کو امید نہیں کہ اس کوشش سے عزیزان وطن کو جو میرے خط پر آنکھ لگائے بھیٹے ہونگے اپنے شوق و انتظار کا صلہ مل جائیگا۔“

اس خط کو انتخاب میں ملاحظہ فرمائے اور لطف اٹھائے ایک دوسرے خط میں والد کو تسطنتیہ سے لکھتے ہیں :-

”آج میں نے ایک عجیب دلاویز خواب دیکھا، عجیب اس لئے کہ دوپہر کا وقت تھا اور آنکھیں بیدار تھیں اور دلاویزی کی یہ کیفیت ہے کہ جاگے ہوئے مدت ہو چکی ہے اور اب تک آنکھوں میں وہی صحن پھر رہا ہے۔“

اس خط کا دوسرا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے :-

فوجیں سامنے سے گذرانی شروع ہوئی ۔ دو گھنٹہ کلکل عجیبہ عاشا نظر آتا رہا ۔ قریباً دس ہزار فوج تھی مختلف رسالے اور ہر ہر رسالے کے تمام ساز و اسلحہ جدا جدا تھے ، کیا کہوں ترکی جوانوں کی دلیرانہ سورتیں ، چمکتے ہوئے اسلحہ ، سوزوں اور باقاعدہ رفتار ، گھوڑوں کی جست و خیز ، ہاشاؤں کا زر کار لیس ، جگمگاتے ہوئے تھمے ، عجیب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا ۔ آخر میں دونوں شہزادے آئے ، بڑے کی عمر نو دس برس کی تھی لیکن جس شان و شوکت سے وہ گھوڑے پر سوار تھا بڑے بڑے دلیروں کے وہ تیور نہیں ہو سکتے ۔

حبیب الرحمان خان صاحب شروانی کو ایک خط میں یہ تفصیل یہ واقعہ یاد کرا رہے ہیں کہ ایک جلسہ میں مولانا نے ندوہ میں بعض طلبہ کو انگریزی پڑھانے کی تجویز کی اور ایک دوسرے بزرگ نے تائید فرمائی ۔ بعد میں اس قرار داد پر بحث نہ ہوئی لیکن جلسہ کی روئداد میں یہ معاملہ قلم انداز کر دیا گیا مولانا کو اصرار ہے کہ درج روئداد ہونا چاہئے تھا ۔ ایک ایک مرحلہ کا واضح حوالہ دینے اور یاد دلانے کے بعد لکھتے ہیں :-

”جلسہ کے بعد میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیوں اس قدر بحث سے کتراتے ہیں ۔ آپ نے کہا تمہاری بدنامی کے ڈر ہے ۔ باوجود ان تمام باتوں کے اگر آپ

کو یہ بھول گیا ، تو نظیری کا یہ مصرعہ سمجھ میں آ گیا ۔

آنکہ نسیاں آورد خاصیت یاد من است

اسی سلسلہ میں ایک دوسرے خط میں خود شروانی صاحب کو جن سے حد درجہ دوستانہ مراسم تھے لکھتے ہیں :-

”ایک ہمارے روشن خیال شروانی ہیں جن کو میں اپنا امام کہتا ہوں ۔ ان کا یہ حال ہے کہ انگریزی کے نام سے ان کو لرزہ آتا ہے ۔ بڑی مشکل سے مسلمانوں کے بھسلانے پر راضی ہوئے تو عملدرآمد میں حیران ہیں حالانکہ تمام طالب علموں کو انگریزی پڑھانا مقصود نہیں نہ میرا یہ خیال ہے ۔ صرف اس قدر مقصود ہے کہ دو چار لڑکے انگریزی پڑھیں ، اتنی ذرا سی بات ان کے نزدیک اتنی عظیم الشان ہے جس قدر محسن الملک کی فرضی یونیورسٹی “ ۔

کوتاہ قلمی کی شکایت

خطوں کے جواب موصول نہ ہونے کی شکایت بالعموم پیدا ہوتی ہے اور لوگ دوستوں سے ان کی خاموشی کا شکوہ کرتے ہیں ۔ لانا مرحوم کو بھی بعض عزیزوں اور دوستوں سے ایسی ہی شکایت پیدا ہوتی تھی ، دیکھئے ہر مرتبہ ایک نیا انداز ہے ، بھائی کو لکھتے ہیں :-

”استقلال و متانت کی حد ہو گئی ، والد کی حالت بیم و امید کی ہو چکی ہے ، بلکہ بیم کا ہم لو غالب ہے ۔

تمام اطراف کے آدمی روزانہ ان کو دیکھنے کو آتے ہیں ، مستورات سب آئیں ۔ خود والد ہر وقت تم کو پوچھا کرتے ہیں اور تمہارا یہ حال کہ نہ کارڈ نہ خط نہ پوچھ نہ گچھ ، میں نے خط پر خط لکھے جواب نہ دیا ،

ایک دوسرے عزیز کو لکھتے ہیں :-

” آج تمہارا خط پہونچا ، یہ بھی چشم فلک کو برا نہ لگے کہ عزیزوں میں سے ایک شخص تو میرے حال سے محبت رکھتا ہے ۔ زندہ ہاشی و جاوداں ہاشی ،“

ایک عزیز کو لکھتے ہیں :-

” منت سے کوئی خط نہیں آیا ۔ ہمارے مولوی ہند عمر صاحب تو ،

گویا کہ ان تلوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا

میاں حمید صاحب خفا ہو بیٹھے ہیں میاں عبدالغفور نے سچہ رکھا ہے دوست کا دشمن ، دشمن ہوتا ہے تم بھی چپ ہو ،“

ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

” بھئی سب نے خط لکھنے کی قسم کھالی ہے یا کسی منت پر روزہ سکوت رکھا ہے آخر بات کیا ہے ۔ مولوی عمر صاحب الگ دم بخود ہیں ، تم جدا خاموش ، مہدی نے اعظم گڑھ کے پہنچنے کی رسید تک نہیں لکھی ۔ والد قبلہ کو کام سے کہاں فرصت ، اس

مہنگی میں مولوی محمد سعید صاحب کی دو سطریں اگرچہ صرف مطلب کی ہیں غنیمت معلوم ہوئیں کیا انسان کا عالم ہے ،

ایک دوست کو لکھتے ہیں :-

” تمہارا بیش بہا و بیش قیمت کارڈ آیا ، اس اسراف کا نہایت ممنون ہوں ۔ یہ سچ ہے کہ اگر یہ بھی نہ مرحمت ہوتا تو میرا کیا زور تھا ۔ آخر مولوی محمد عمر صاحب کا میں کیا نے کر لیا جو ضروری عریضہ کا جواب بھی بے پروائی کے حوالے کرتے ہیں ،

ایک عزیز کو لکھتے ہیں :-

” تمہاری کوتاہ قلمی میرے تمام جوشوں کو بہاد کر دیتی ہے ، بھائی ٹکٹ کے دام میرے حساب میں لکھ لے مگر خدا کے لئے خط تو دسویں ہند رہویں دن بھیجا کر ،

ایک عزیز کو لکھتے ہیں :-

” تم نے شائد خط و کتابت کو خیر باد کیا کہ میں نے تمہارے ایک پیسہ کی فیاضی کی قدر نہیں کی یعنی تمہارے کارڈ کا جواب نہ لکھا ۔ خیر غلطی ہوئی معاف کرو ،

” مولوی محمد سعید صاحب کو لکھتے ہیں :-

” لیجنے اب آپ کو بھی چپ لگی ، بھائی کوئی تصور تو نہیں ہوا ، ناراض کیوں بیٹھے ہو ۔ وہ قصیدہ

یہاں نہیں ملتا تو وہاں لکھوالو یا میں آؤنگا تو خود
لکھ دوںگا ،

کتابوں پر تبصرے

مکاتیب میں کتابوں پر تبصرے ، رائیں اور تنقیدات بھی
موجود ہیں ، نمونہ ملاحظہ فرما لیجئے ۔ بعض صورتوں میں حضرت
مولانا کو ایسے ہی جلال آگیا ہے جیسے استاد شاگردوں کی
نالائقی پر بعض اوقات جھلا اٹھتے ہیں ۔ مولانا کی وفات پر پروفیسر
براؤن نے کہا تھا ۔

” وائے کہ از زیارت آن علامہ عصر محروم ماندیم “

یہ فقرہ قریباً چوالیس برس سے میرے حافظہ میں محفوظ ہے اسی
براؤن کی کتاب ’ لٹریچر ہسٹری آف پرشیا ‘ پر مولانا کا تبصرہ
سن لیجئے ۔

” براؤن کی کتاب دیکھکر سخت افسوس ہوا ۔ نہایت عامیانہ
اور سوئیاتہ ہے ۔ برادر اسحاق سے پڑھوا کر بھی سنا ، خود بھی
الٹ پلٹ کر دیکھا ۔ فردوسی کی نسبت صرف دو تین صفحے لکھے
ہیں جن میں اس کے اقتباسات بھی شامل ہیں ۔ مذاق اتنا صحیح ہے
کہ آپ فردوسی کا درجہ سابعہ معلقہ کے برابر بھی نہیں مانتے اور
فرماتے ہیں کہ کسی حیثیت سے یہ کتاب اور شعرائے فارسی کے
کلام کے برابر نہیں ، میں مع سود اور ہرجہ کے آپ سے اس کے دام
واپس لوںگا ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ “ ۔ کچھ دیر بعد مایوسی کی
تنخی میں کمی آئی تو مہدی حسن کو لکھتے ہیں ، برشین لٹریچر
کو میں نے منگوا کر دیکھا پہلا حصہ تو کچھ نہیں دوسرے کا
وعدہ ہے ۔ پروفیسر براؤن کی فارسی مہارت مسلم ہے ۔ دوسرا حصہ
لکھنا تو ضرور اچھا ہو گا ۔

محمد حسین آزاد

مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب 'سخندان پارم' پہنچی تو مہدی حسن کو لکھتے ہیں -

”آزاد کی کتاب آج ویلو آئی ، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہیں تاہم وہ ادھر ادھر کی کہیں بھی ہانک دیتا تو وحی معلوم ہوتا - لیکن خدا کا شکر ہے گیارہ لیکچر تک اس نے میری سرحد میں قدم نہیں رکھا بارہویں میں یہ میدان میں اترا ہے لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا اس لئے یوں ہی سرسری سا چکر لگا کر نکل گیا - میرے لئے بہت وسعت ہے - بحالت مجموعی کتاب پراؤن کی کہتونی ہے بہتر ہے“

دیوان انوری اور صائب

دیوان انوری ہاتھ آیا اسے دیکھا اور ایک ہی مصرعہ میں اپنا تبصرہ اور اس کا کام تمام کر دیا - ع
سنا جیسا اسے ویسا نہ پایا

ایک خط میں لکھتے ہیں ”بیاض صائب ہاتھ آگئی اور بہت مسرت ہوئی“ -

مولانا حالی

مولانا حالی کی خوب قدر کرتے تھے - ۱۸۸۶ء میں ایک عزیز کو لکھتے ہیں -

”ایک کتاب حال میں مولوی حالی نے لکھی ہے اور مجھکو تحفہً بھیجی یہ شیخ سعدی کی نہایت دلچسپ سوانح عمری ہے - میں نے بے اختیار اس کو تمہارے لئے پسند کیا اور مولوی حالی

صاحب کو لکھ دیا کہ وہ تمہارے نام بھیج دیں ۔ ۔ ۔ واقعی
یہی مثل ہے ۔“

مدتوں بعد جب مولانا حالی نے ’حیات جاوید‘ یعنی سر سید
کی سوانح عمری لکھی تو اسے ’مدلل مداحی‘ کے خطاب سے نوازا ۔

سیرت النبی پر انگریزی کتابیں

سیرت کے سلسلہ میں انگریزی تصانیف کا ایک طومار جمع
کیا گیا اور پوریں مصنفین کے خیالات سے مولانا نے تراجم کے
ذریعہ معلومات حاصل کیں تو اس طومار پر ایک ہی قترے میں
ایک سیر حاصل ریویو کر دیا ۔ مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب
کو ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

”یورپ کے خیالات کا بڑا حصہ سامنے آ گیا ۔ سب تاروں کی
ایک ہی صدا ہے کچھ غلط فہمیاں ، کچھ ناواقفیت ، کچھ تعصب
باقی ہیچ ۔“

الانتقاد

جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر نے جو عیسائی تھے اپنی
”تمدن اسلام“ میں مسلمانوں پر قسم قسم کے اعتراضات کئے ، مولانا نے
اسے نا پسند کیا ۔ دوسروں کی معین فہمی اور ستائش کا اسی سے
اندازہ کر لیجئے کہ اس کتاب کو داخل درس کرانا چاہا ۔ اب
داسن صبر مولانا کے ہاتھ سے جاتا رہا ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو
اکتوبر ۱۹۱۱ء میں لکھتے ہیں ۔

”تمدن اسلام کا ضرر بہت متعدی ہوا ۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر
ہارویٹ پروفیسر علی گڑھ نے اپنی تحریری رائے یونیورسٹی میں

بیہچی کہ امتحانات فاضل و عالم میں وہ داخل درس کی جائے۔
مجھ پر اس کا سخت اثر ہوا، اور میں سب کام چھوڑ کر اس کی
دروغ بیالیوں پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا اس وقت تک
یس صفحات ہو چکے ہیں۔ عربی میں لکھوں گا اور عربی اخبارات
طبع کراؤں گا۔ لیکن تیسرا حصہ نہیں ہے آپ کے پاس ہو تو
بیہج دیجئے پھر واپس کر دوں گا۔“

مولانا نے یہ خدمت پورے جوش و سرگرمی سے انجام دی
عربی میں تنقید پوری تفصیل اور زور کے ساتھ لکھی اور رسالہ
یورپ اور بلاد اسلامیہ میں تقسیم ہوا۔ حبیب الرحمان خان شروانی
کو لکھتے ہیں۔

”جرجی زیدان کا رد (پروف) بیہج دیا تھا۔ العناز نے بہت
احسان مندی ظاہر کی کہ بڑا اہم کام انجام پایا۔ جس کی بجا
کے لوگوں کو ہمت نہیں ہوتی تھی، گو میں ان کو ابھارا تھا۔
(العناز مصر کا ایک نہایت موثر رسالہ تھا) اس رسالہ کا اردو
ترجمہ بھی شائع ہوا۔ ’تمدن اسلام‘ کا فارسی کا ترجمہ حال
ہی میں پاکستان پہنچا ہے ایک فاضل اور ٹیک دل دوست کتاب
کے نام اور حسن ظاہری سے مرعوب ہو کر تجویز کر رہے تھے
کہ اس کا اردو ترجمہ ہو جانا چاہتے جب میں نے اس کتاب پر
مولانا شبلی کی برہمی اور مفصل تردید کا ذکر کیا تو انہیں حد
درجہ حیرت ہوئی۔“

فراکت احساس والدین اور اعزہ سے محبت

ایک عزیز کو لکھتے ہیں۔۔۔ ”معلوم ہوا کہ تمہاری
والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، بھائی یہ خط

لکھ کر تمہارا غم تازہ نہیں کرنا چاہتا ۔ میں اس درد سے خوب
 واقف ہوں اگر تمہیں صبر آ گیا ہو تو وہ بھی ایک مجبوری ہے
 ورثہ آدمی کا جگر اور یہ صدمہ ۔ ع

ابن غم آن مایہ نباشد کہ کسی بر دارد
 مگر آخر چارہ کیا ہے ،

شاد پائند زیستن ناشاد بائید زیستن

مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب کی والدہ کا انتقال ہوا
 تو تعزیت نامہ میں لکھتے ہیں :-

” نہایت الفسوس ہوا ۔ میں اس دولت کو آغاز شباب
 میں کھو چکا ہوں لیکن اب تک یہ حالت ہے کہ
 کسی کو جب دیکھتا ہوں کہ اس کے والدین
 سر پر موجود ہیں تو بخدا عجیب حسرت ہوتی
 ہے ۔ آپ کے رنج و الفسوس کا کچھ میں ہی خوب
 اندازہ کر سکتا ہوں ،“

اپنے بھائی مہدی کی وفات پر لکھتے ہیں :-

” او بھائی ہم میں کا ایک عنصر کم ہو گیا ۔ عزیزی
 مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ
 کالج کے ٹکڑے اڑ گئے ۔ میں بدبخت پاس تھا
 اس لئے جتنے توڑ پھینکے میرے ہی جگر پر لگے ۔
 ہائے اس کی جوانا سرگی ، ہائے کیا معلوم تھا کہ
 وہ اس قدر جلد دنیا سے جائیگا ،“

ڈاکٹری علاج

مولانا بیمار ہیں ایک دوست ڈاکٹری علاج کا مشورہ دیتے ہیں یہ گوارا نہیں لکھتے ہیں :-

”بھائی ڈاکٹر وغیرہ اور ان کا علاج محض فضول اور صرف شاعری ہے ۔ میں علاج تو ہرگز نہیں کروں گا ۔ تبدیل آب و ہوا بیشک مفید ہے “

خود داری قناعت اور سادگی

وہ بزرگ جن کے دل قومی درد سے آشنا ہوتے ہیں وہ میدان قناعت کے سرد اور صابر و شاکر ہوتے ہیں ، انہیں قومی خدمت کی لذت ہی میں وہ صلہ مل جاتا ہے جو دنیاوی بے سرو سامانی اور بے بسی کی تلافی کر دیتا ہے ۔ مولانا کے خمیر میں خدمت ملت کا جذبہ سمو دیا گیا تھا جس کی بدولت انہوں نے باوجود نفاست طبع اور تجربہ امارت ایک اذیت مگر ہامردی کے ساتھ دنیوی ساز و سامان سے بے نیازی اختیار کی ۔ انکی قناعت و خود داری قابل حد ہزار ستائش ہے ۔ والد نے تیس ہزار قرض چھوڑا اور خاندانی تنازعات وراثت کے لئے کافی سے زیادہ ساز و سامان ، مولانا نے بڑے انصاف و ہامردی سے خاندانی تنازعات کی کھتیاں سلجھا دیں ۔ اس سوتیلی ماں کی خدمت میں فرزندانہ اطاعت کے ساتھ حاضر ہوئے باپ کی زندگی میں جس کی صورت دیکھنی تو درکنار نام سننا تک گوارا نہ تھا ۔ والد کے قرض کی ادائیگی کی خاطر بقول خویش در در کی خاک چھاتے پھرے ، لیکن خود داری کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا ۔ حیدر آباد میں ہیں جہاں بقول ان

کے آدمی انسان کیا خدا کو بھول جاتا ہے ۔ مجھ سمیع کو لکھتے ہیں :-

”مے شبہ اگر میں ملازمت کر سکتا اور کسی قدر دنیا داری مجھ سے بن پڑتی تو دنیاوی فائدے بہت تھے ۔ لیکن میان سمیع عمر کا بڑا حصہ صرف ہو چکا چند برسوں کے لئے دامن زندگی کو کیا آلودہ کروں دعا کرو کہ جو گردن ہمیشہ بلند رہی بلند ہی رہے ، گھر کے مصائب نے یہاں تک پہنچایا ورنہ میں اپنے گوشہ عافیت کو ”فلک نما“ سے کم نہیں سمجھتا “ (فلک نما نظام کے ایک محل کا نام تھا)

انہی صاحب کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :-
 ”اگر دیہات تک کر قرضہ ادا ہو جاتا تو میں دو ہزار روپے یہاں کی بلکہ کہیں کی ملازمت نہ کرتا “
 ۱۹۰۵ء میں اپنے ماموں زاد بھائی کو لکھتے ہیں :-

”اب متاع دہنوی کی بالکل ہوس نہیں رہی ، قور کی کچھ خدمت ہو سکے تو زندگی نیک لگ جائے “

خود داری کا جذبہ اپنی ذات تک محدود نہ تھا ۔ اس کا عمل ان ادارات کے طور طریقوں میں بھی نمایاں نظر آتا تھا جن کا انتساب مولانا کی سے ذات ہوتا تھا ۔ مولوی عبدالحی صاحب ناظم ندوہ کو اکتوبر ۱۹۰۳ء میں لکھتے ہیں :-

”خط متعلق تحریر دعا نامہ موسومہ نواب بہاول پور پہنچا ۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ نہایت ذرا کی بات ہے کہ موقع جشن پر اور سنگتوں کی طرح ندوہ

کا وفد بھی اپنا بھجن گائے ۔ علماء کی شرکت اس
نسم کے خیالات پیدا کرتی ہے کیا علی گڑھ کا کالج
بھی ایسی بد ہمتی کر سکتا ہے ،

مولوی مسعود علی صاحب کو ایک خط میں وفات سے چند
ہی روز پیشتر لکھا گیا فرماتے ہیں :-

” میں تیس برس سے مسلمانوں کی حالت پر غور کر رہا
ہوں ۔ خوب دیکھا اصلی ترقی کا مانع وہی گراں
زندگی ہے جو سید صاحب سکھا گئے ہیں ہندو اسی
سے بازی بے گئے اور قیامت تک بے جائیں گے ۔
میں اپنے مصارف برابر گھٹا رہا ہوں ۔ سرمائی کچھ
نہیں بنوائی ، پرانی چھینٹ کی اچکن اس سال کو
ختم کر لیکی اور انشا اللہ آخر سادگی تک آ جاؤنگا ۔
بھائی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کیا ہوتا ہے ۔ یہ سچ ہے
لوگ بد حیثیت کی وقعت نہیں کرتے لیکن یہ ان
لوگوں کے لئے ہے جن کو دو چار دن کا تجربہ
ہو ۔ جن لوگوں میں برسوں آدمی رہ چکا ہو اور
رہے گا اور وہاں ظاہری ٹیپ ٹاپ محض بیکار ہے ،

اسی سلسلہ میں مدرسہ سرانے میر کے متعلق لکھتے ہیں :-

” اس کو گرو کل کے طور پر خالص مذہبی مدرسہ بتانا

چاہئے۔ یعنی سادہ زندگی اور قناعت اور مذہبی خدمت

مطمح زندگی ہو “

یہاں آخر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا

ہوں جس کا علم آج مولانا کے عقیدتمندوں کے علاوہ کم لوگوں

کوٹے ۔ مولانا کی ان تمام تصانیف کا حق تصنیف جو دوران قیام علی کڑھ میں لکھی گئی مدرسۃ العلوم کے وقف تھا ۔ مولانا نے خوب لکھا ، کتابیں رسالے خوب بہتے رہے ۔ مولانا کا دامن دولت دیا ہے کچھ ایسا مالا مال نہ تھا بلکہ بعض اوقات تو انہیں پیسے کی ضرورت تھی لیکن دل غنی تھا ۔ کتابوں کی کمائی کو قومی انجمنوں اور اداروں ہی کے لئے وقف رکھا ۔

قومی عزت اور تاریخ

مولانا مورخ تھے ، تاریخی غلط بیابان جو مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کے اجلے دامن پر بد نما داغ ہیں ۔ مولانا کو بہت کھٹکتی تھیں ۔ انگریزی عملداری نے مسلمانوں میں بے اکبر کو نو اکبر اعظم بنا دیا اور عالمگیر کو اس کے اسلامی رجحانات کی بنا پر یہ آسانی ہندوؤں میں ایسا بدنام کیا کہ گویا چاند کو قریب قریب تمام گہنا دیا ۔ یہ شبلی ہی کی غیرت قومی اور تاریخ دانی تھی کہ ملت نے اور تمام انصاف دوست انسانوں نے عالمگیر کے آفتاب عالمتاب کی زیارت سے اپنی روحوں کے تاریک گوشوں کو منور کر لیا ۔ ' آفتاب عالمتاب ' حضرت عالمگیر کی تاریخ ولادت ہے ' عالمگیر ' ہر ایک نظر ، تاریخی ریسرچ کا وہ نمونہ ہے جس پر آج پچاس سال سے زائد عرصہ گزر چکے پر بھی کوئی اضافہ نہیں ہو سکا مولانا کا استدلال بے بدل ہے ۔

مارسڈن صاحب بی ۔ اے

مولانا حرکت میں حرکت کے قائل تھے ۔ مارسڈن صاحب بی ۔ اے کی کتاب جانے لگی ۔ مولانا ایک خط میں لکھتے ہیں :-
 "مارسڈن بی ۔ اے کی تاریخ ہند بہت دل آزار تھی ۔
 میں نے اس کے متعلق رجسٹرار کو لکھا ، مارسڈن

خود آئے اور مجھ سے ملے اور کہا کہ بعض قہرے
میں نے نکال دیئے ہیں اور بھی نکالنے کو تیار ہوں
اس سے مطلب یہ ہے کہ لوگ مطلق ہاتھ پاؤں
نہیں ہلاتے ورنہ کوئی کوشش بے ثمر نہیں جاتی،

قومی خدمت کا اصول

نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں :-

”رہا قومی خدمت کرنی، اسکی تدبیر یہ نہیں کہ جھوٹی
سفارش کر کے دو چار کو نوکری دلا دی جائے
ان کو اس قابل بنانا چاہئے کہ خود اپنی سفارش
کر سکیں“

مولانا کو اس زمانہ کے حالات کے مانتے اس امر کا بے حد
رنج تھا کہ مسلمان اپنی تعداد کے تناسب سے کونسلوں میں
رکنیت مانگتے ہیں لیکن جو وہاں پہنچ پاتے وہ محنت اور قابلیت
دونوں کے اعتبار سے حریفوں کا پاسنگ بھی نہیں۔ اپنے بھائی محمد
اسحاق کو ۱۹۱۰ء لکھتے ہیں :-

”مسلمان زیادتی تعداد میں ہری پر تو مست ہوئے لیکن کرنے
کیا ہیں، ایک کو کھلے، نوشاد علی محمد بلکہ عزیز
مرزا اور آفتاب پر بھاری ہے“

انتخاب اقبال نامہ

حصہ اول و دوم

مرتبہ
شیخ عطا اللہ



ناشر
شیخ محمد اشرف کشمیری بازار - لاہور

اقبال نامہ

اقبال نامہ کی جلد اول ۱۹۴۵ء اور جلد دوم مارچ ۱۹۵۱ء شائع ہوئی۔ دونوں جلدوں میں پانچ سو کے قریب مکاتیب ہیں ان جلدوں میں اقبال کے خلوت و جاوٹ کے افکار و اعمال مندرج ہیں جو ایک طرف اسلامی ہند کی ملکی اور بین الاقوامی سیاست و اخوت کی تاریخ ہیں تو دوسری طرف اقبال کے کلام کی معتبر اور صحیح قرین شرح ہیں۔ مرتب ’تدبیر نامہ‘ شیخ محمد اشرف صاحب ناشر ’اقبال نامہ‘ کا ممنون احسان ہے کہ انہوں نے پوری خوش دلی سے اقبال نامہ کے اس ’انتخاب‘ کے لئے اجازت مرحمت فرمائی۔ اقبال نامہ کی جلد دوم میں مرتب اقبال نامہ کا ۸۴ صفحات کا سیر حاصل مقدمہ شامل ہے۔ اس لئے ’مکاتیب اقبال‘ پر تبصرہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور چونکہ اقبال کی یاد اور سوانح ابھی ہمارے ذہنوں میں تازہ ہیں ان کے حالات زندگی کا تذکرہ بھی فی الحال ضروری نہیں سمجھا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل

”میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اگر وقت پر موجودہ حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائیگا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے۔ آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور پھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک میں فنا ہو جائے اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے کام جھوڑنے پڑیں تو انشا اللہ جھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اس ایک مقصد جلیل کے لئے وقف کر دوں گا“

(مکتوب نمبر ۱۸۰ اقبال نامہ حصہ دوم)

قائد اعظم محمد علی جناح کے نام

(۱)

لاہور

۹ جون ۱۹۳۶ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

میرا تیار کیا ہوا مسودہ ارسال خدمت ہے۔ کل کے ایسٹرن ٹائمز کا ایک تراشہ بھی ملغوف ہے، یہ گورداسپور کے ایک قابل وکیل کا خط ہے، مجھے امید ہے کہ بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والے بیان میں تمام اسکیم کی پوری تفصیل موجود ہوگی اور ساتھ ہی اب تک اس اسکیم کے خلاف جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جواب بھی موجود ہوگا، اس بیان میں لگی لپٹی رکھے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ حیثیت کا ہندوؤں اور حکومت دونوں سے متعلق ایک واضح اور صاف صاف اعلان ہونا چاہئے۔ اس بیان میں یہ انتباہ بھی موجود ہونا چاہئے کہ اگر مسلمانان ہند نے موجودہ اسکیم کو اختیار نہ کیا تو وہ نہ صرف جو کچھ گذشتہ پندرہ برس میں حاصل کر چکے ہیں اسے ہی کھو دیں گے بلکہ اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کر کے اپنے لئے خسارے کا باعث ہوں گے۔

مخلص

جید اقبال

تھرپر ما بعد

میں نہایت معنوں ہونکا اگر اخبارات میں بھیجنے سے قبل
مجوزہ یہاں کی نقل مجھے بھیج دیں۔ اس بیان میں بعض دوسرے
مسائل کی طرف بھی توجہ لازمی ہے۔ مثلاً

(۱) مرکزی اسمبلی کے لئے بالواسطہ انتخاب نے ہمارے لئے
یہ لازمی و لاہدی کر دیا ہے کہ صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان
نمائندے ایک کل ہند پالیسی اور پروگرام پر متحد ہو جائیں
تاکہ وہ مرکزی اسمبلی میں صرف ایسے لوگوں کو بھیج سکیں
جو مرکزی اسمبلی میں اسلامی ہند کے ان مرکزی مسائل کی
تائید و حمایت کریں جو ہندوستان کی دوسری بڑی قوم کی
حیثیت سے مسلمانوں سے متعلق ہوں۔ جو لوگ اس وقت صوبائی
پالیسی اور پروگرام کے حامی ہیں۔ وہی آئین میں مرکزی اسمبلی
کے لئے بالواسطہ انتخاب کے طریق کو جزو آئین بنوانے کے ذمہ
دار ہیں۔ بلاشبہ ایک غیر ملکی حکومت کی مصلحتوں کا یہی
تقاضا تھا۔ اب جبکہ قوم بالواسطہ انتخابات کی مصیبت کا علاج
لیک اسکیم کے مطابق ایک کل ہند طریق انتخابات کے ذریعہ
جسے تمام صوبائی امیدواروں کو لازماً اختیار کرنا ہوگا کرنا چاہتی
ہے تو پھر وہی سورا دوبارہ ایک غیر ملکی حکومت کے اشارہ پر
قوم کو اپنی شیرازہ بندی کی کوششوں میں ناکام بنانے کے لئے
مصروف عمل ہیں۔

(۲) اسلامی اوقاف (جیسا کہ مسجد شہید گنج نے ضرورت
کا احساس کرایا ہے) سے متعلق قانون اور اسلامی ثقافت۔ زبان۔
مساجد اور قانون شریعت سے متعلق مسائل پر بھی یہاں میں توجہ
کرنے کی ضرورت ہے۔

لاہور

۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء

بصیفہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

امید ہے پنڈت جواہر لعل نہرو کا وہ خطبہ جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانوینشن کے اجلاس میں فرمایا ہے، آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا اور ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق اس خطبہ میں جو مسلک کار فرما ہے اس پر آپ نے پورے طور پر غور کیا ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہے کہ ہندوستان اور اسلامی ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقیت کے پیش نظر دستور جدید ہندی مسلمانوں کو اپنی تنظیم کے لئے ایک نادر موقع بہم پہنچاتا ہے۔

اگرچہ ہم ملک میں تمام ترقی پسند پارٹیوں کے ساتھ مواصلات کے لئے تیار ہیں، تاہم ہمیں اس حقیقت کو ہرگز پس پشت نہ ڈالنا چاہئے کہ ایشیا میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقتدار کا دارومدار تمام تر ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ لہذا میری تجویز ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانوینشن کو ایک ہر زور جواب دیا جائے۔ آپکو چاہئے کہ دہلی میں جلد از جلد ایک آل انڈیا مسلم کانوینشن منعقد کریں، جس میں نئی صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے

علاوہ دوسرے مقتدر مسلم راہنماؤں کو بھی دعوت شمولیت دیجائے۔ آپ کو چاہئے کہ اس اسلامی موہم کی طرف سے پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں۔ یہ امر لاپذی ہے کہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کی دنیا کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہندوستان میں حل طلب مسئلہ صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ ہندی مسلمانوں کی اکثریت کی نگاہ میں ہندوستان میں تہذیب اسلامی کا مستقبل اگر معاشی مسئلہ سے زیادہ اہم نہیں تو اس سے کسی طرح کم اہمیت کا حامل بھی نہیں۔

اگر آپ ایسی کانوینشن منعقد کر سکیں تو ان مسلم ارکان مجالس واضح قوانین کی حیثیت کا پول بھی کھل جائے گا جنہوں نے مسلمانوں کی خواہشوں اور تمناؤں کے خلاف اپنی اپنی جداگانہ پارٹیاں قائم کر لی ہیں۔ مزید برآں اس کانوینشن سے ہندوؤں پر بھی یہ عیاں ہو جائیگا کہ کوئی تدبیر خواہ وہ کس قدر ہی عیارانہ کیوں نہ ہو ہندی مسلمانوں کو اپنی ثقافتی وحدت سے غائل نہیں کر سکتی۔ میں چند روز تک دہلی آ رہا ہوں اور اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو کروں گا۔ میرا قیام افغانی قونصل خانہ میں ہوگا، اگر آپ کو کچھ فرصت میسر آ سکے تو وہی ہمارا مقام ملاقات ہونا چاہئے۔ ازراہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائے۔

مخلص

جد اقبال

لاہور

۲۸ مئی ۱۹۳۷ء

بصیفہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

نوازش نامہ موصول ہوا ، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں ۔ یہ اطلاع کہ لیگ کے دستور و پروگرام میں جن تغیرات کی طرف میں نے آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی وہ آپ کے پیش نظر رہیں گے ، موجب مسرت و اطمینان ہوئی ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اسلامی ہند کی نزاکت حالات کا آپ کو ہورا ہورا احساس ہے ۔ لیگ کو انجام کار یہ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا کہ وہ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندہ بنی رہے یا مسلمان عوام کی نمائندگی کا حق ادا کرے جنہیں اب تک نہایت بجا طور پر لیگ میں کوئی وجہ دلکشی نظر نہیں آئی ۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو عام مسلمانوں کی بہبودی کی ضامن نہ ہو عوام کے لئے باعث کشش نہیں ہو سکتی ۔

نئے دستور کے ماتحت بڑی بڑی آسامیاں تو اعلیٰ طبقات کے بچوں کے لئے وقف ہیں اور چھوٹی چھوٹی جھوٹی وزارتوں اور رشتہ داروں کی نذر ہو جاتی ہیں ۔ دوسرے اعتبارات سے بھی ہمارے سیاسی ادارت نے شریعہ مسلمان کی اصلاح حال کی طرف قطعاً کرنی توجہ نہیں کی ۔

روٹی کا مسئلہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سو سال سے ان کی حالت مسلسل گرتی چلی جا رہی ہے ۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ ان کے

افلاس کی ذمہ داری ہندو کی ساہوکاری و سرمایہ داری پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن یہ احساس کہ ان کے افلاس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی حصہ دار ہے۔ اگرچہ ابھی قوی نہیں ہوا۔ لیکن یہ نظریہ بھی پوری قوت و شدت حاصل کر کے رہ گیا۔

جواہر لال کی منکر خدا اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے کیونکر نجات دلانی جا سکتی ہے؟ لیگ کا مستقبل اس امر پر موقوف ہے کہ وہ مسلمانوں کو افلاس سے نجات دلانے کے لئے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر لیگ کی طرف سے مسلمانوں کو افلاس کی مصیبت سے نجات دلانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تو مسلمان عوام پہلے کی طرح اب بھی لیگ سے بے تعلق ہی رہیں گے۔

خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس مسئلہ کا حل موجود ہے اور فقہ اسلامی کا مطالعہ مقتضیات حاضرہ کے پیش نظر دوسرے مسائل کا حل بھی پیش کر سکتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے۔ ایک مصیبت تو یہ ہے کہ کسی ایک آزاد اسلامی ریاست یا ایسی چند ریاستوں کی عدم موجودگی میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ اس ملک میں محال ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور میں اب بھی اسے ہی مسلمانوں کے افلاس اور ہندوستان کے امن کا بہترین حل سمجھتا ہوں اگر

ہندوستان میں اس طریقہ کار پر عملدرآمد اور اس مقصد کا حصول ناممکن ہے تو پھر صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے اور وہ خانہ جنگی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کئی سالوں سے شروع ہے ۔

مجھے قوی اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین کی سی صورت حال پیدا ہو جائے گی ۔ جواہر لال کی اشتراکیت خود ہندوؤں میں کشت و خون کا موجب ہوگی ۔ معاشری جمہوریت اور برہمنیت کے درمیان وجہ نزاع برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان وجہ نزاع ہے مختلف نہیں ہے ۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ مت کا سا ہوگا یا نہیں؟ میں اس سے متعلق تو کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا ۔ لیکن مجھے اس قدر صاف نظر آتا ہے کہ ہندو دھرم معاشری جمہوریت (سوشل ڈیموکریسی) اختیار کر لیتا ہے تو خود ہندو دھرم کا خاتمہ ہے ۔

اسلام کے لئے سوشل ڈیموکریسی کی کسی موزوں شکل میں ترویج جب اسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔ مسائل حاضرہ کا حل مسلمانوں کیلئے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ لیکن جیسا اوپر ذکر کر چکا ہوں اسلامی ہندوستان میں ان مسائل کے حل باسانی رائج کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کے ذریعہ ایک یا زائد اسلامی ریاستوں کا قیام اشد لازمی ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آن پہنچا؟ شاید جواہر لال کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ بہترین جواب ہے ۔

بہر حال میں نے اپنے خیالات آپ کی خدمت میں اس امید پر پیش کر دیئے ہیں کہ آپ ان پر اپنے خطبہ یا لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں پوری پوری توجہ مبذول کر سکیں۔

اسلامی ہندوستان کو امید ہے کہ اس نازک دور میں آپ کی فطانت و فراست ہماری موجودہ مشکلات کا کوئی حل تجویز کر سکے گی۔

مخلص

محمد اقبال

(۴)

لاہور

۲۱ جون ۱۹۳۷ء

بصیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

نوازش نامہ کل موصول ہوا ، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کی بے پناہ مصروفیت سے آگاہی رکھنے کے باوجود آپ کو اکثر لکھتے رہنے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کو اس طوفانِ ہلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشہ گوشہ سے اٹھنے والا ہے ، صرف آپ ہی کی ذات گرامی سے رہنمائی کی توقع ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہم فی الحقیقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ فوج اور پولیس موجود نہ ہو تو یہ خانہ جنگی چشمِ زدن میں عالمگیر ہو جائے۔ گذشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ سا قائم ہو چکا ہے۔ صرف شمال مغربی ہند میں ان تین ماہ میں کم از کم تین فرقہ دارانہ فسادات رونما ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے

توہین رسول کی کم از کم چار وارداتیں پیش آچکی ہیں - توہین رسول کی ان چار وارداتوں میں مجرم فی النار کر دیا گیا - سندھ میں قرآن کریم کے نذر آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں - صورت حال کا نظر غائر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں نہ معاشی بلکہ خالص سیاسی ہیں - مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں بھی ہندو اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کر دینا ہے - آئین کی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ اپنی اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کا دار و مدار تمام تر غیر مسلموں پر ہے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم وزارت نہ صرف کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکتی، بلکہ وزارت کو خود مسلمانوں سے نا انصافی برتنی پڑتی ہے - تاکہ وہ لوگ جن کی امداد پر وزارت قائم ہے خوش رہ سکیں اور دوسروں پر ظاہر کیا جاسکے کہ وزارت قطعی طور پر غیر متعصب ہے - لہذا یہ ایک عالم آشکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس آئین کو رد کرنے کے خاص وجوہ موجود ہیں - مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ دستور جدید ہندوؤں ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے - ان صوبوں میں جہاں ہندو آبادی کی اکثریت ہے حکومت میں ہندوؤں کو قطعی اکثریت حاصل ہے اور وہ مسلمانوں کو بالکل نظر انداز کر سکتے ہیں - برخلاف اس کے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا دست نگر رکھا گیا ہے - مجھے اس امر میں قطعاً ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ موجودہ دستور ہندی مسلمانوں کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے - مزید برآں یہ دستور تو اس معاشی تنگ دستی

کا جو شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے ، کوئی علاج ہی نہیں ۔
 فرقہ وارانہ فیصلہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی ہستی کو
 تسلیم تو کرتا ہے لیکن کسی قوم کی سیاسی ہستی کا ایسا
 اعتراف جو اس کی معاشی پسماندگی کا کوئی حل نہ تجویز
 کرتا ہو اور نہ کر سکے اس کے لئے بے سود ہے ۔ کانگریس کے
 صدر نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی حیثیت
 سے ہی انکار کر دیا ہے ۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت
 یعنی ہندو سبھاسھا نے جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ
 سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ
 قومیت کا وجود ہندوستان میں ناقابل قبول ہے ۔

ہندوستان میں قیام امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے
 غلبہ و تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب اس طریق پر جس کا میں
 نے اوپر ذکر کیا ہے ، مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق میں
 اسلامی اصلاحات کا نفاذ ہے ۔ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال
 کے مسلمانوں کو ہند اور بیرون ہند کی دوسری اقوام کی طرح
 حق خود اختیاری سے کیونکر محروم رکھا جا سکتا ہے ۔ میری
 ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے
 مسلمانوں کو ملی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظر انداز کر
 دینا چاہئے ۔ مسلم اکثریت و مسلم اقلیت کے صوبوں کا بہترین مفاد
 اس وقت اس طریق سے وابستہ ہے ۔ لہک کا آئندہ اجلاس کسی
 مسلم اقلیت کے صوبہ میں منعقد کرنے کے بجائے پنجاب میں
 منعقد کرنا بہتر ہوگا ۔ لاہور میں اگست تکلیف دہ ہوتا ہے ۔
 میری رائے میں آپ کو لاہور میں وسط اکتوبر میں جب موسم
 خوشگوار ہو جاتا ہے لیک کے اجلاس کے انعقاد کے امکان پر غور

کرنا چاہئے۔ پنجاب میں لگے انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور لیگ کے آئندہ اجلاس کا لاہور میں انعقاد پنجابی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لئے از حد مفید ہوگا۔

اقدریں حالات یہ بالکل عیاں ہے کہ ہندوستان کا امن و نسلی ، مذہبی اور لسانی میلانات کی بنا پر ملک کی تقسیم مکرر پر سوچا جا رہا ہے۔ اکثر برطانوی مدبر بھی اس نظریے کے قائل ہیں۔ ہندو مسلم فسادات جو اس دستور جدید کے جلو میں ہو رہی تیزی سے رونما ہو رہے ہیں امید ہے ان پر یہ حقیقت ناقابل تردید طور پر واضح کر دیں گے۔ مجھے یاد ہے انگلستان سے میری روانگی کے وقت لارڈ لودین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہندوستان کی مشکلات کا حل تو تمہاری اسکیم میں موجود ہے لیکن اس کے بارور ہونے کے لئے پچیس سال کی مدت درکار ہوگی۔ پنجاب کے بعض مسلمان تو پہلے ہی شمال مغربی ہند کی ایک مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پر غور کر رہے ہیں ، اور یہ خیال پھیلتا جا رہا ہے۔

اس امر میں میں آپ کا ہم خیال ہوں کہ ہماری قوم ابھی تک نظم و ضبط سے محروم ہے ، اور شاید ایسی کانفرنس کے انعقاد کے لئے ابھی وقت سازگار نہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے خطبہ میں کم از کم اس طریق عمل کی طرف اشارہ ضرور کر دینا چاہئے۔ جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو انجام کار مجبوراً اختیار کرنا ہی پڑے گا۔

میرے خیال میں تو دستور جدید سارے ہندوستان کو ایک ہی وفاق میں مربوط کر لینے کی تجویز کی بنا پر حد درجہ پاس انگیز ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۵)

لاہور

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

بصیفہ راز

مائی ڈیر جناح

ایبہ ہے پنجاب ہے خاصی تعداد لکھنؤ اجلاس میں شمولیت کے لئے پہنچے گی۔ یونینسٹ مسلمان بھی سر سکندر کی قیادت میں شمولیت کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان آپ سے متوقع ہیں کہ اس پر آشوب زمانے میں آپ ان کے مستقبل سے متعلق ان کی کامل اور واضح ترین راہنمائی فرمائیں گے۔ میری تجویز ہے کہ ایک کمیونل اوارڈ (Communal Award) سے متعلق اپنی پالیسی ایک مناسب قرار داد کی صورت میں واضح کر دے۔ خود پنجاب اور معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں بھی بعض گمراہ مسلمان اس فیصلہ کو اس طرح بدل دینے کے لئے تیار ہیں کہ یہ ہندوؤں کے حق میں زیادہ مفید ہو جائے اسے لوگ بخوشی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنا موجودہ اثر و اقتدار بحال رکھ سکیں گے۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ انگریز ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتا ہے اور ہندو کمیونل اوارڈ کا خاتمہ کرنے والوں کے لئے دیدہ و دل فروش راہ ہوں گے۔ اس لئے برطانوی حکومت اپنے

مسلمان ایجنٹوں کے کندھوں پر ہی اس کا جنازہ اٹھوانا چاہتی ہے ۔

لیگ کونسل کے لئے ۲۸ افراد کی ایک فہرست تیار کرونگا مسٹر غلام رسول آپ کو وہ فہرست دکھا دیں گے ۔ مجھے امید ہے یہ انتخاب پورے غور و خوض سے کیا جائیگا ۔ ہمارے آدمی لاہور سے ۳ و کو روانہ ہوں گے ۔

مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے ۔ لیگ کے مقاصد کے لئے مسلمان عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمارے لئے یہ ایک نادر موقعہ ہے ۔ مجھے امید ہے کہ لیگ اس مسئلہ پر ایک مناسب قرار داد ہی منظور نہیں کرے گی بلکہ لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں کوئی ایسی راہ عمل بھی معین کی جائیگی جس میں مسلمان عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں ۔ اس طریق سے ایک طرف تو لیگ کو ہر دلعریزی حاصل ہوگی اور دوسری طرف شاید فلسطین کے عربوں کو کچھ فائدہ پہنچ جائے ۔

ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لئے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لئے تیار ہوں ۔ ایشیا کے دروازے پر ایک چھاؤنی کا مسلط کیا جانا اسلام اور ہندوستان دونوں کے لئے پرخطر ہے ۔

مخلص

محمد انبال

لاہور

۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

بصیفہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

سر سکندر اور ان کے دوستوں سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اب میری قطعی رائے ہے کہ سر سکندر لیگ اور پارلیمنٹری بورڈ پر اپنا پورا پورا قبضہ چاہتے ہیں۔ ان کے معاہدہ میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل از سر نو عمل میں آنے کی اور یونینسٹوں کو بورڈ میں اکثریت حاصل ہوگی۔ سر سکندر کہتے ہیں کہ آپ نے بورڈ میں ان کی اکثریت تسلیم کر لی تھی۔ میں نے چند دن ہوئے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آیا آپ نے فی الواقعہ پارلیمنٹری بورڈ میں یونینسٹ اکثریت منظور کر لی تھی۔ ابھی تک جواب کا انتظار ہے، ذاتی طور پر میں سر سکندر کو وہ اکثریت دینے کا مخالف نہیں جس کے وہ طالب ہیں۔ لیکن عہدہ داران لیگ میں رد و بدل کا مطالبہ یقیناً منشاۓ معاہدہ سے تجاوز کرنا ہے بالخصوص موجودہ معتمد (جنہوں نے لیگ کی گران قدر خدمات انجام دی ہیں) کی علیحدگی کا مطالبہ معقولیت سے دور ہے۔

سر سکندر یہ بھی چاہتے ہیں کہ لیگ کی مالیات پر بھی ان ہی کا آدمی مسلط ہو۔ مجھے تو اس تمام کھیل کا مقصد لیگ پر پہلے قبضہ جمانا اور پھر اس کا جنازہ نکال دینے کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ صوبے کی رائے سے آکاہی رکھتے ہوئے میں لیگ کو سر سکندر اور ان کے دوستوں کے حوالے کر دینے کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔ اس معاہدہ نے پہلے ہی صوبہ میں

لیگ کے وٹار کو صدمہ پہنچایا ہے اور ہونینٹون کی چالیں اسے اور بھی چرکے لگائیں گی۔ انہوں نے اب تک لیگ کے مسلک پر دستخط نہیں کئے اور میں سمجھتا ہوں نہ ہی وہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لیگ کا اجلاس لاہور میں فروری کی بجائے اپریل میں منعقد ہو۔ میرے خیال میں وہ اپنی زمیندارہ لیگ کے قیام و استحکام کے لئے اس طرح سہلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً آپ کو علم ہوگا کہ لکھنؤ سے واپس یہ سر سکندر نے ایک زمیندارہ لیگ کی بنا ڈالی تھی جس کی شاخیں اب صوبہ بھر میں قائم کی جا رہی ہیں۔

ازراہ کرم مجھے مطلع فرمائیے کہ اندریں حالات ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اول تو بذریعہ تار اپنی رائے سے مطلع فرمائیے۔ وگرنہ اولین فرصت میں پوری تفصیل سے تحریر فرمائیے۔

مخلص

ہد اقبال

لسان العصر اکبر الہ آبادی کے نام

(۷)

لاہور

۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ سید صاحب - السلام علیکم
کل ظفر علی خان صاحب سے سنا تھا کہ جناب کو چوٹ آگئی، اسی وقت سے میرا دل بے قرار تھا اور عریضہ خدمت عالی میں لکھنے کو تھا کہ آج جناب کا محبت نامہ ملا۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس تکلیف کو رفع کرے

اور آپ کو دیر تک زندہ رکھے۔ تاکہ ہندوستان کے مسلمان اس قلب کی کرسی سے متاثر ہوں جو خدا نے آپ کے سینے میں رکھا ہے۔

میں آپ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے اور وہی محبت و عقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ خدا کرنے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرف نیاز حاصل ہو اور میں اپنے دل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس هجوم میں تنہا ہوں۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جاسکے۔

طعنہ زن ہے ضبط اور لذت بڑی انشا میں ہے
ہے کوئی مشکل سے مشکل راز داں کے واسطے

لارڈ لیکن کہتے ہیں ”جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے“ سو بھی حال میرا لاہور میں ہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ ماہ بعض معاملات کی وجہ سے سخت پریشانی رہی اور مجھے بعض کام اپنی فطرت اور طبیعت کے خلاف کرنے پڑے اور ان ہی میں طبع سلیم میرے لئے شکنجے کا کام دے گئی۔ کیا خوب کہہ گیا ہے عرفی،

رستم ز مدعی بقبول غلط وے
در تاہم از شکنجہ طبع سلیم خویش

نا تمام نظم کے اشعار آپ نے پسند فرمائے۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی ہے کہ آپ میرے اشعار پسند فرماتے ہیں ”غره شوال“ پر چند اشعار لکھے تھے۔ زمیندار اخبار کے عید نمبر میں شائع ہوئے۔

ان کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے چند اشعار آخر میں اسے لکھے ہیں کہ ٹری و اٹلی کی جنگ نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اگر زمیندار اخیار آپ تک نہ پہنچا ہو تو تحریر فرمائیے، بھجوا دوں گا۔

خواجہ حسن نظامی واپس تشریف لے آئے۔ مجھے بھی ان سے محبت ہے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اور مجھ کو زیارتِ روضہ رسول نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھنے کب جوان ہوتی ہے۔ شیخ عبدالقادر لائل پور میں سرکاری وکیل ہو گئے۔ اب وہ لاہور سے وہاں چلے گئے ہیں کچھ دن ہوئے یہاں آئے تھے مگر میں ان سے نہ مل سکا۔ آرٹو قائم کرنے کا خیال تھا اور اب تک ہے۔ مگر اس راہ میں مشکلات بے حد ہیں اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس مذاق کے لوگ کہاں ہیں۔ بہر حال میں ہم خیال پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں اور کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ آپ دعا کریں۔

خیریت مزاج سے مطلع کیجئے۔ مجھے اس خط کے جواب کا انتظار رہیگا۔ خدا آپ کو صحت کامل کرامت فرمائے۔
دعا گو

محمد اقبال پیرسٹر۔ لاہور

(۸)

لاہور

۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازشِ نامہ ملا۔ دونوں اشعار لاجواب ہیں:

فطرت کی زباں جس کو سمجھو

سبحان اللہ! یہ طرز اور معنی آفرینی خاص آپ کے لئے ہے
 کوئی دوسرا یہاں مجال دم زدن نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شعر :
 — جو کچھ قسمت بھی ہوتی —

کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں ، اس کا لطف کم ہونے میں نہیں آتا ۔
 کہیں موقع ہوتا ہے تو دل کا دکھڑا آپ کے پاس روتا
 ہوں ۔ یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ
 نہیں ۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکر مناصب کے سوا اور کچھ
 بھی نہیں ۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا اور اگر خدا
 تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک
 نظر آتے ہیں ۔ صوفیا کی دوکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی
 محتاج نہیں ہکتی ۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لئے جنگ
 رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے ۔ یہاں تک کہ اب برائے
 نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے
 میں بیعت نہ لیتے ہوں ، ہر دلعزیز نہیں ہو سکتے ۔ یہ روش
 گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے ۔ مجدد الف
 ثانی ، عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی
 سیرت کے احیا کی کوشش کی ۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں
 کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا ۔
 اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے ۔ میں بھلا کیا
 کر سکتا ہوں ۔ صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں
 ثبوت عمل مفقود ہے ۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان
 جو ذوق خدا داد کے ساتھ ثبوت عمل بھی رکھتا ہو ، مل جائے ۔

جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا خادم
محمد اقبال

(۹)

لاہور

۱۱ جون ۱۹۱۸ء

مخدومی! تسلیمات

کل ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ آج اور کل دو اور خط آپ کے موصول ہوئے۔ میں نے خواجہ حافظ پر کہیں یہ الزام نہیں لکھا کہ ان کے دیوان سے میکشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظ پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔ اسرار خودی میں جو کچھ لکھا گیا۔ وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی۔ جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پھول رہا ہے۔ اپنے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا، اس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔ خواجہ حافظ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا نہ ان کی شخصیت سے، نہ ان اشعار میں 'مے' سے مراد وہ 'مے' ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں۔ بلکہ اس سے وہ حالت سکر (Nacotic) مراد ہے جو حافظ کے کلام سے بحیثیت مجموعی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ حافظ ولی اور عارف تصور کئے گئے ہیں اس واسطے ان کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل نظر انداز کر دی ہے اور میرے رہنما رک تصوف اور ولایت پر حملہ کرنے کے مترادف سمجھے گئے۔

.....نے ایسا سمجھ کر اخباروں میں لکھا - اس واسطے مجھے مجبوراً تصوف پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا -

پہلے عرض کرچکا ہوں کہ کون تصوف میرے نزدیک قابل اعتراض ہے - میں نے جو کچھ لکھا ہے ، وہ نئی بات نہیں - حضرت علاؤ الدولہ سنجانی لکھ چکے ہیں حضرت جنید بغدادی لکھ چکے ہیں - میں نے تو محی الدین اور منصور حلاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سنجانی اور جنید نے ان دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں، ہاں ان کے عقاید اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے - اگر اسی کا نام مادیت ہے تو بخدائے لاہزال ، مجھ سے بڑھ کر مادہ پرست دنیا میں کوئی نہ ہو گا - معاف کیجئے گا ، مجھے آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا ہے (ممکن ہے غلطی ہو) کہ آپ نے مشہور اسرار خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظ کے متعلق لکھے گئے تھے - باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی - کاش آپ کو ان کے پڑھنے کی فرصت مل جاتی کہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے -

عجمی تصوف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو ہست کرنے والا ہے - اسلامی تصوف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے -

میرا تو عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالک اسلامیہ میں قابل اصلاح ہے (Pessimistic Literature) کبھی زندہ نہیں رہ سکا قوم کی زندگی کے لئے اس کا اور اس کے لٹریچر کا Optimistic

ہونا ضروری ہے۔ اسرار خودی میں حافظ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں۔ جن کا عنوان یہ ہے :

”در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ“

ان اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائیگا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا

ہنٹ کشوری لعل سے عرصہ ہوا ملاقات ہوئی تھی۔ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہیں۔ کعبہ و کاشی کے سوا اور کوئی مقام بھی ہو گا مگر خدا را آج کل صرف کعبہ ہی بتائیے۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت کا شہرازہ بکھر جائے گا۔ اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں (جیسا کہ بعض لوگ نادانی سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کی پوزیشن سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے) مگر اس کا دشمن یورپ کا Territorial Nationalism ہے۔ جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسایا، مصر میں مصریوں کے لئے، کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو Pan-Indian Democracy کا بے معنی خواب دکھایا۔ آپ تو گروہ ہندی پر بڑا زور دیتے ہیں بلکہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے ”مذہب کیا ہے گروہ ہندی ہے نقطہ، گو مجھے اس مصرع سے اتفاق نہیں تاہم مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مذہب کا مقصد صرف گروہ ہندی ہے اور کچھ نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا مصرع سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کے قلم و زبان سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔“ کعبہ و کاشی

کے سوا کوئی اور مقام بھی ہے۔ آپ کے نزدیک تو کعبہ کے سوا کوئی اور مقام نہ ہونا چاہئے یہی میرا بھی مذہب ہے۔
خیریت مزاج سے آگاہ کیجئے۔

مخلص

محمد اقبال - لاہور

(۱۰)

لاہور

۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء

مخدومی! نوازش نامہ کل ملا تھا۔ اس سے بیشتر ایک پوسٹ کارڈ بھی ملا تھا۔ آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں بلکہ میری یہ نصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرار خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔ میں نے کسی گذشتہ خط میں عرض کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لئے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجئے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔

آن چنان گم شو کہ پکسر سجدہ شو!

اور اسرار خودی میں کوئی تناقض نہیں۔

یہ بات تو میں نے پہلے حصہ میں اس سے بھی زیادہ واضح

طور پر بیان کی ہے۔

اند کے اندر سرائے دل نشیں
ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزین
محکم از حق شو سوئے خود کام زن
لات و عزائے ہوس را سر شکن
ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بند زن و اولاد شد

(اسرار خودی)

میں اس بخودی کا حاسی ہوں جو سچی بخودی سے پیدا ہوتی ہے یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا ، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے ۔

ہندۂ حق پیش مولا لائے

پیش بساطِ ازل از نعم ہر جاستے

دوسرے حصے میں عالمگیر کی ایک حکایت ہے ۔ اس میں یہ

شعر ہے ۔

ایں چنین دل خود نما و خود شکن

دارد اندر سینہ مومن وطن

مگر ایک اور بخودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک وہ Lyric Poetry کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے ۔

یہ اس قسم سے ہے جو الہون و شراب کا نتیجہ ہے ۔

(۲) دوسری وہ بخودی ہے جو بعض صوابہ اسلامیہ اور

تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذات انسانی کو ذات باری میں فنا

کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذات باری میں ہے ، نہ احکام

باری تعالیٰ میں ۔

پہلی قسم کی بخودی ایک حد تک تو مفید بھی ہو سکتی

ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف جڑ کاٹنے والی

ہے ۔ میں ان دو قسموں کی بخودی پر معترض ہوں اور ہی ۔

حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی

میلانات ، رجحانات و تغیرات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام

کا پابند ہو جانا ہے ۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے

انسان بالکل لا پروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار

بنائے۔ یہی اسلامی تصوف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتہ عجمی تصوف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظ ہر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیات قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں زیر نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیات دنیا بیشک لہو لہب ہے۔ میں نے بھی پہلے حصہ میں (اسرار خودی) یہی لکھا ہے۔

در قبائے خسروی درویش زی
دینہ بیدار و خدا اندیش زی

پھر دوسرے حصے میں ہے۔ جس میں حضرت عمر کا ایک قول منظوم کیا ہے :

راہ دشوار است سامان کم بگیر
در جہاں آزاد زی، آزاد میر
سبحہ اقلل من الدنیا شمار
از نعلین حراً شوی سرمایہ دار

غرض یہ ہے کہ سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے ہیں، جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے وہ رضوا بالحویۃ الدنیا میں داخل ہے۔ کوئی قیل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہئے جس کا مقصد اعلیٰ کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔ مسلمان کی تعریف پہلے حصے میں یوں کی گئی ہے۔ (اسرار خودی)

قلب را از صیفتہ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و رنگ دہ

طبع مسلم از محبت قہار است
 مسلم از عاشق نباشد کافر است
 تابع حق دیدنش ، نا دیدنش
 خوردنش ، نوشیدنش ، پوشیدنش ، خوابیدنش
 در خیالش مرضی حق گم شود
 این سخن کے باور مردم شود

زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت
 فرمائیے ، عنایت کیا رحم کیجئے اور اسرار خودی کو ایک دفعہ
 پڑھ جائیے ۔ جس طرح منصور کو شبلی کے بہتر سے زخم آیا اور
 اس کی تکلیف سے اس نے آہ و فریاد کی اسی طرح مجھ کو آپ کا
 اعتراض تکلیف دیتا ہے ۔ والسلام

مخلص

بہد اقبال

بابائے اردو مولوی عبدالحق کے نام

(۱۱)

لاہور

۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

مخدومی جناب مولانا ۔ نوازش نامہ ابھی ملا ۔ اس سے پہلے
 بھی آپ کا خط مع تجویز ملا تھا ۔ مگر میں غلات کے باعث جواب
 جلد نہ لکھ سکا ۔

پہلے سے اچھا ہوں مگر افسوس کہ ابھی سفر کے لائق
 نہیں ۔ خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ ہو ۔ رات بھر
 ریل میں سفر کرنے سے مجھے قبض ہو جاتی ہے جو سخت تکلیف
 دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی کئی دن رہتا ہے ۔ بہر حال اگر
 اردو کانفرنس کی تاریخوں تک میں سفر کے قابل ہو گیا تو انشاء اللہ

ضرور حاضر ہوں گا۔ لیکن اگر حاضر نہ بھی ہو سکا تو یہیں جائے کہ اس اہم معاملے میں کلیتاً آپ کے ساتھ ہوں۔ اگرچہ میں اردو زبان کی بحیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی عصیت ذہنی عصیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کی تجویز میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ میرے خیال میں صرف دو باتیں زیر بحث آئیں گی۔

اول یہ کہ لنڈ کہاں سے آئے گا۔ عام مسلمانوں کی حالت اقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے۔ امرا توجہ کریں تو کام بن سکتا ہے۔ مگر ایسوس کہ اکثر مسلمان امرا مقروض ہیں۔

دوم یہ کہ صدر انجمن کا مستقر کہاں ہو؟ میرے خیال میں اس کا مستقر لاہور ہونا چاہئے اور اس کے لئے ایک سے زیادہ وجوہ ہیں :

(۱) مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لئے جو لڑائیاں آئندہ لڑنا پڑیں گی ان کا میدان پنجاب ہو گا۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی۔ کیونکہ اسلامی زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آئندہ رزمیہ بھی سر زمین معلوم ہوتی ہے۔

(۲) آپ انجمن اردو سے متعلق ایک پبلشنگ ہوس قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی کامیابی بھی لاہور ہی میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایک بڑا پبلشنگ سنٹر ہے اور بہت سا طباعت کا کام

مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ انگریزی پبلشنگ کی طرف بھی یہاں کے مسلمان توجہ کر رہے ہیں۔

(۳) یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے۔ سادہ دل صحرائیوں کی طرح ان میں ہر قسم کی باتیں سننے اور ان سے متاثر ہو کر ان پر عمل کرنے کی صلاحیت اور مقامات سے بڑھ کر ہے۔ ایک معمولی جلسے کے لئے آٹھ دس ہزار مسلمان کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بلکہ بیس بیس ہزار کا مجمع بھی غیر معمولی نہیں۔ یہ بات پنجاب کے ہندوؤں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

باقی رہا آپ کے خط کا آخری فقرہ۔ سو میں اس کے لئے آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ انسان جب تک زندہ ہے افکار و ترددات لازماً حیات میں۔ ع

مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بور نہیں ہوتا

معنوی اعتبار سے تو ملت ہوئی، میں نے اسے آپ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب ظاہری اعتبار سے بھی چھوڑتا ہوں۔ کیوں کہ آپ ایک صاحب عزم آدمی ہیں اور یہ بات مجھے ملت سے معلوم ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

محمد جمیل کے قام (۱۲)

لاہور

۳ نومبر ۱۹۲۹ء

(انگریزی)

مائی ڈیر مسٹر جمیل !

ہلال احمر فنڈ کے لئے دس روپیہ کے عطیہ کا شکریہ ا میں
آپ کا عطیہ سیکرٹری صاحب کے پاس بنک میں جمع کرانے کے لئے
بھیج دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ احباب ہنگلور جن سے میں نے اس
سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے فراخ دلی سے چندہ دینگے۔
میں نے سیٹھ حاجی اسماعیل، ایڈیٹر الکلام اور عبدالغفور صاحب کو
بھی تار دیا ہے۔ ازراہ کرم ہمارے الٹک ہار کے بھائیوں کی طرف
سے جو ذمہ داری ہم پر عاید ہوئی ہے وہ ان حضرات کو یاد
دلائے۔ افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانان ہندوستان اور
وسطی ایشیا کے لئے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔ بچہ سقہ اپنے گیارہ
ساتھیوں سمیت قتل ہو چکا ہے اور نادر خان بادشاہ بتدریج استحکام
حاصل کر رہے ہیں۔

میرے خطبات اب مکمل ہو چکے ہیں اور غالباً اسی ماہ
علی گڑھ میں ان کے سنائے کے لئے جاؤں گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف
سے بھی اواخر جون ۱۹۳۰ء میں اسی سلسلہ میں حاضری کی
دعوت موصول ہوئی ہے مدراس کی طرف سے بھی دعوت نامہ موصول
ہوا ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حاضر نہ ہو سکوں گا۔

سلطان شہید کے روزنامہ کے لئے جو سلسلہ جنہائی آپ نے
شروع کی ہے، اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ اگر آپ ایک نسخہ

بھجوا سکیں تو میرے لئے یہ ایک گنج گراں بہا ہو گا۔ اس روزنامہ سے امید ہے کہ - سلطان سے متعلق مجوزہ نظم میں مجھے سلطان شہید کی صحیح صحیح حالت پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔ ازراہ کرم مطلع فرمائیے کہ وہ مالک کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کیا؟ میں بخوشی مناسب قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط نقل دے لیجئے۔

جوہدری صاحب بخیریت ہیں اور عرشام تشریف لاتے ہیں۔
مخلص

بد اقبال

صاحب زادہ آفتاب احمد خان کے نام

(۱۳)

مائی ڈیر صاحبزادہ صاحب!

میں نے علوم اسلامیہ کے متعلق آپ کے نہایت عمدہ نوٹ کا بہت دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے اس پر بہت کچھ غور کیا ہے۔ اس مضمون پر مختلف نقطہ نظر بالخصوص جدید دنیائے اسلام میں ”روح انسانیت (Humanism) کی تخلیق بلکہ بیداری کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہئے۔ بہر حال قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں میں چند منتشر خیالات جو میرے ذہن میں آئے علوم اسلامیہ کے مقاصد کے سلسلہ میں بیان کروں گا۔

(۱) بہتر و مسلمہ جامعیت کے علماء فقہا وغیرہ کو تعلیم و تربیت دینا (یہ آپ کا پہلا مقصد ہے جو آپ نے اپنے

مراسلہ کے صفحہ چار پر بیان فرمایا ہے اور اس سے مجھے کلی اتفاق ہے۔

(۲) ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے مختلف شعبوں میں تحقیقات سے اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیات دماغی کا جو تسلسل پایا جاتا ہے، اس کی از روئے نشو و نما جستجو کریں۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے کہا جاتا ہے ایسے وقت میں رونما ہوا جب مسلم حکماء کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں اور جب وہ استخراجی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے۔ دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدود ہو گئی اور یورپ نے مسلم حکماء کے غور و فکر کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔ یورپ میں جذبہ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک ان قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں۔ یہ کہنا مطلقاً مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین جذبہ انسانیت کا جو نعرہ جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ ایسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جاسکتا ہے۔ اس اہم حقیقت کا احساس نہ آج کل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں وہ ابھی تک یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی جمالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے۔ وہ ایسے بالکل غیر اسلامی تصور کرنے

ہیں مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ اثن سٹائن کے نظریہ سے کسی قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے نظریہ سے بحث و مباحثے ہوتے تھے (ابوالمعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے) تو اثن سٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ جدید استقرائی منطق سے جو یگانگی ہے وہ بہت کچھ کم ہو جائے۔ اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجوہ میں آیا جو انہوں نے ارسطو کی استخراجی منطق پر عائد کئے تھے۔ اس قسم کے عالموں کا تیار کرنا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ جدید علم کے اخذ و جذب کرنے میں صرف یہی لوگ مدد کر سکتے ہیں۔

(۲) ایسے عالموں کا تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں (یہ اصل میں آپ کا تیسرا مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ ۳ پر بیان فرمایا ہے۔ میں اس میں سے سائنس اور فلسفہ کو علیحدہ کر کے اچھے کسی قدر محدود کر دیا ہے) آپ کا مقصد نمبر ۲ بھی اسی مد میں آ جاتا ہے۔

(۳) ایسے عالموں کا پیدا کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق و تدقیق (ویسرچ) کے لئے موزوں ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہمارا قانونی لٹریچر جس کا کافی حصہ ابھی غیر مطبوعہ ہے بے انتہا ہے۔ میری رائے میں ایسے علوم اسلامیہ کی ایک علیحدہ شاخ قرار دینا چاہئے۔ (قانون سے میرا مقصد صرف اس قانون سے ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے) صرف انہیں عام اصولوں کے

تحت میں ہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کی اسکیم مرتب کرنا چاہئے۔ اب میں اس مسئلہ کے عملی رخ پر غور کرتا ہوں۔

۴۔ مسلم دینیات کا مطالعہ۔

ہمارا پہلا مقصد جس کی بابت ہم دونوں متفق ہیں موزوں صفت کے علماء پیدا کرنا ہے جو ملت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ مگر زندگی کے متعلق ملت کے زاویہ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبیعی علوم کی غیر متناہی ترقی۔ ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے، اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے چنانچہ جس قسم کا علم کلام اور علم دین ازمہ متوسط کے مسلمان کی تسکین قلب کے لئے کافی ہوتا تھا، وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔ اس سے مذہب کی روح کو صدمہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ اجتہادی کہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو فکر دینی کو از سر نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے اور بہت سے مسئلوں کی طرح اس مسئلہ میں بھی سر سید احمد خاں کی دور رس نگاہ کم و بیش پیشین گوئیانہ تھی۔ جیسا کہ آپ کو عام ہے انہوں نے اس کی بنیاد زیادہ تر ایک گزرے ہوئے شہد کی فلسفیانہ معتقدات و انکار پر رکھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ سے مسلم دینیات کے مجوزہ نصاب سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک قدیم طرز پر مسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سود ہے۔ اگر اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سوسائٹی کی قدامت پسند جماعت کی تالیف قلب مد نظر رہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق

ہے کہا جاتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو ہر سرکار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہیں لوگوں کے ہاتھ انجام پا سکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کئے جائیں ؟

میں آپ کی اس تجویز سے پورے طور پر متفق ہوں کہ دیوبند اور لکھنؤ کے بہترین مواد کو ہر سرکار لانے کی کوئی سہیل نکالی جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کے بعد کیا کریں گے ؟ کیا آپ ان کو بی ، اے اور ایم ، اے بنائیں گے جیسا کہ سر ٹائمس آرنلڈ کی تجویز ہے۔ مجھے یقین ہے جہاں تک دینیاتی افکار دماغی کے مطالعہ یا ترقی کا تعلق ہے ، وہ آپ کا مقصد پورا نہیں کر سکیں گے۔ دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو علم دینیات پر غور و فکر کرنے کا خاص مالکہ رکھتے ہوں ان کو میرے نزدیک قبل اس کے کہ وہ آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کو عبور کرنے دئے جائیں جس کو ان کی ضرورتوں کا خیال کر کے بہت مختصر کر دینا پڑے گا۔ افکار جدیدہ اور سائنس سے آشنا کر دیا جائے۔ جدید سائنس اور خیالات کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ان کو آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کے ایسے مضامین پر لیکچر سننے کو کہا جا سکتا ہے جو ان کے خاص مضامین سے متعلق ہوں۔ مثلاً اسلام کے فرقہ جات اور اسلامی اخلاقی اور فلسفہ مابعد الطبیعات۔ اس ترتیب کے بعد

انہیں مسلم دینیات ، کلام اور تفسیر پر مجتہدانہ خطبہ دینے کے لئے یونیورسٹی فیلو بنایا جائے ۔ صرف یہ لوگ یونیورسٹی میں دینیات کا ایک نیا اسکول قائم کر سکیں گے اور ہمارا مقصد نمبر (۱) پورا ہو سکے گا ۔ لہذا میری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کا قدامت پسند طبقہ مطمئن ہو جائے تو آپ قدیم طرز کی دینیات کے اسکول سے ابتدا کر سکتے ہیں ۔ جیسا کہ آپ نے اپنے مراسلہ کی دفعہ نمبر ۴ میں تجویز کیا ہے ۔ مگر آپ کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ آپ تدریجاً اس کے بجائے ان لوگوں کی جماعت کو کار فرما بنائیں جو میری تجویز کردہ اسکیم کے مطابق خود اجتہاد فکر پر قادر ہوں گے ۔

۳۔ ہمارا دوسرا مقصد :

دہو بند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو خالص سائنٹیفک تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہوں ان کو ان کے میلانات طبعی کے مطابق جدید ریاضیات ، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہئے ۔ جدید سائنس اور حکمت کی تعلیم پورا کرنے کے بعد ان کو اجازت دے دی جائے کہ وہ آرنلڈ کا کورس پورا کریں جس کو ان کی ضرورتوں کا لحاظ کر کے مختصر کر دیا جائے گا ۔ مثلاً صرف اس شخص کو آرنلڈ کورس کا نمبر ۳ ”دنیائے اسلام اور سائنس“ پر لکچر سننے کی اجازت دی جائے جو صرف طبعی سائنس پڑھا چکا ہے ۔ اس کے بعد اے آپ یونیورسٹی کا فیلو بنا سکتے ہیں ۔ تاکہ وہ اپنا پورا وقت خاص سائنس میں ریسرچ پر صرف کرے جس کا اس نے مطالعہ کیا ہے ۔

۴۔ ہمارا تیسرا مقصد

آرنلڈ کا کورس ان لوگوں کو لینے کی اجازت ہونی چاہئے جو سائنس یا فلسفہ میں خاص دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مسلم تمدن

اور تہذیب کے اصولوں کی عام تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اسے صرف لکھنؤ اور دیوبند کے لوگوں تک محدود نہیں کرنا چاہتے۔ آپ کی اپنی یونیورسٹی کے ایسے لوگ جو عربی اچھی طرح جانتے ہیں اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر اس کورس میں مسلم آرٹ اور فن تعمیر بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔

۵۔ مسلم قانون اور تاریخ قانون

ہمیں دیوبند اور لکھنؤ سے ایسے ذہین اور طباع لوگ منتخب کرنے چاہئیں جو قانون کا خاص ذوق رکھتے ہوں۔ چونکہ قانون بھدی سر تا سر تعمیری تشکیل کا محتاج ہے ہم کو چاہئے کہ انہیں اصول فقہ و قانون سازی کے اصولوں کی تعلیم میں اور شاید جدید اقتصادیات اور اجتماعیات کی جامع تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو ایل ایل بی بنائیں اور پھر آرنلڈ کا کورس پڑھنے کی اجازت دیں مگر ان کے لئے بھی کورس میں تخفیف کرنی پڑے گی مثلاً ان سے کہا جائے کہ ”سیاسی نظریہ اسلامیہ اور اسلامی اصول فقہ کا ارتقاء“ وغیرہ مضامین کے لکچروں میں شریک ہوں۔ بعض کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے دیا جائے۔ دوسروں کو یونیورسٹی کی فیلوشپ اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ اپنے آپ کو قانونی ریسرچ کے لئے وقف کر دیں۔ اس ملک میں قانون بھدی جس طریقہ سے عمل میں لایا جاتا ہے وہ بغایت قاصر انگیز ہے۔ اور بعض دشواریاں ایسی ہیں جو صرف (مجلس قانون سازی کے) قیام سے دور ہو سکتی ہیں۔ مسلمان قانون دان جن کا پیشہ وکالت ہو اور جو قانون بھدی کے اصولوں پر پورے طور پر حاوی ہوں، وہ عدالت اور کونسل دونوں میں بے حد مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

۶۔ مختصراً میری تجاویز حسب ذیل ہیں

جو نصاب سرٹاسی آرٹلڈ نے تجویز کیا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں مگر پورا کورس صرف ان طالب علموں کو لینے کی اجازت ہونی چاہئے جو قانونی دینیات اور سائنس کے لئے کوئی خاص ذوق نہ رکھتے ہوں۔ جہاں تک دینیات کی تعلیم کا تعلق ہے میں آپ کی تجویز (آپ کے خط کی دفعہ ۴) کو تسلیم کرتا ہوں مگر اسے صرف عارضی اور امتحانی حیثیت دینا چاہتا ہوں اس کی جگہ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے لئے اور ان کے لئے جو قانون اور خاص علوم کا مطالعہ کریں گے، آرٹلڈ کا کورس ان کی ضروریات کے لحاظ سے مختصر کرنا پڑے گا۔ یہ چنانچہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو اسلامی حکمت، ادبیات، آرٹ، تاریخ نیز دینیات کا نصاب اختیار کریں گے، جرمن اور فرنچ زبانوں کا حسب ضرورت جاننا از بس ضروری ہے۔

مکرر۔۔۔ منسلکہ خط ٹائپ کیا جا چکا تھا کہ میں پروفیسر محمد شفیع سے ملا جن کو آپ نے کہا تھا کہ مجھ سے علوم اسلامیہ کے متعلق تبادلہ خیال کریں۔ ان سے گفت و شنید کا ماحصل یہ ہے :-

(۱) پروفیسر محمد شفیع میرے خیال میں دینیات کی نسبت زیادہ حاسی نہیں ہیں۔

(۲) ان کا خیال ہے کہ اسلامی حکمت وغیرہ کی تعلیم کے لئے زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجویٹوں میں سے انتخاب کرنا چاہئے۔ معمولی یونیورسٹی تعلیم کے بعد وہ ان لوگوں کو عربی زبان و ادب کی تعلیم دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہر دو امور میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا میری رائے میں جدید اسلامی ملتوں کے لئے جدید دینیاتی افکار کی توسیع اور ترویج ضروری ہے۔ قدیم اور جدید اصولات تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیا نے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہو گئی ہے۔ ”یہ روح انسانیت کی تحریک، افغانستان جیسے ملک پر بھی اثر ڈال رہی ہے۔ آپ نے امیر افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہوگی۔ جس میں انہوں نے علما کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید دنیا نے اسلام کی مختلف تحریکیں اسی نتیجہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان حالات کے ماتحت مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دلیری سے اس وادی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اس میں شک نہیں محتاط رہنا لازمی ہو گا اور فکر و حکمت کی اصلاح اس طور پر عمل میں لانی ہوگی کہ معاشرتی امن و سکون میں خلل نہ آنے پائے۔“

رہا پروفیسر شفیع کا دوسرا خیال، اسکے سلسلہ میں میری رائے ہے کہ دہوبند اور ندوہ کے لوگوں کی عربی علمیت ہماری دوسری یونیورسٹیوں کے گریجویٹ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر پروفیسر شفیع کا خیال ہے کہ قدیم طرز تعلیم کی وجہ سے جو دہوبند اور ندوہ میں جاری ہے ان کے طالب علموں کا ذہنی نصب العین نہایت تنگ ہو جاتا ہے۔ ان کو یہ تسلیم ہے کہ عربی زبان کی قابلیت ان کی بہتر ہوتی ہے۔ میری رائے میں جو لوگ غیر معمولی دل و دماغ کے ہوتے ہیں ان کے لئے طریقہ تعلیم کی نوعیت کچھ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا پیش نہاد کالی (لجکیلا) ہوتا ہے اور ان میں وسعت پذیر ہونے کی کافی صلاحیت ہوتی ہے۔ قدیم اور جدید طرز تعلیم کے محض بہترین ناقد اسی قدیم طریقہ

تعلیم کی پیداوار ہوئے ہیں۔ مزید برآں ندوہ کے بعض افراد ایسے ہیں جو پروفیسر شفیع کے عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں۔

میں یہاں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ندوہ اور دیوبند کے لوگوں کو انٹرمیڈیٹ کے معیار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کرنے پر مجبور کئے جائیں۔ یہاں وہ سوائے انگریزی کے کوئی دوسری زبان اختیار نہ کر سکیں گے۔ دوسرے مضامین میں وہ حسب ذیل مضامین سے انتخاب کر سکیں گے :-

(الف) علوم طبیعی -

(ب) ریاضیات -

(ج) فلسفہ -

(د) اقتصادیات -

چونکہ ان کو انگریزی کی تعلیم محض کام چلانے کے مطابق حاصل کرنی ہوگی میں یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات ایم، اے اور بی، اے سے انگریزی کو بالکل حذف کر دینا چاہتا ہوں۔ ان امتحانات میں ان کو صرف سائنس اور فلسفہ کے مضامین لینے کی ضرورت ہوگی۔ ابھی میں اس امر کے متعلق توجہ نہیں کر سکا ہوں کہ آیا ان کو بی، اے اور ایم، اے کے امتحانات پاس کرنا ضروری ہوں گے۔ اس امر کے متعلق دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اگر یہ طے ہو کہ ان کو یونیورسٹی کے امتحانات ہی اے یا ایم اے پاس کرنا نہ پڑیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کو بمقابلہ دیگر طلباء کے جن کو امتحان پاس کرنا ہے زیادہ وسیع پیمانہ پر مطالعہ کا موقع ملے گا۔ مگر اس حالت میں ان لوگوں کی علمی کارکردگی پر یونیورسٹی کو خاص طور پر نگران رہنا پڑے گا۔

نوٹ - اصل خط ایک نوٹ کی صورت میں انگریزی میں ہے
وہ نہیں مل سکا - مندرجہ بالا اردو ترجمہ 'سہیل' سے
قل کیا گیا ہے - (مرتب)

قاضی ذہیر احمد کے نام
(۱۴)

لاہور

۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

جناب من! ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے - وہ
خود علیل ہیں - اس واسطے مجھ سے آپ کے سوالات کا مندرجہ
ذیل جواب لکھوایا ہے :-

۱) میری تحریروں میں 'خودی' کا لفظ دو معنوں میں مستعمل
ہوا ہے اخلاقی اور ما بعد الطبیعی ہر دو معنوں میں لفظ مذکور
کی تشریح واضح طور پر کر دی گئی ہے - جس میں فارسی جاننے
والے کو کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی - 'اسرار خودی'،
اور 'رموز بہخودی' دونوں کا موضوع یہی مسئلہ خودی ہے - ان
کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائیگا - اگر ان دونوں
میں یا کسی اور کتاب میں آپ کو کوئی ایسا شعر ملے جس میں
خودی کا مفہوم تکبر یا نخوت لیا گیا ہو تو اس سے مجھے آگا
کیجئے گا -

اس کے علاوہ مذکورہ بالا دونوں کتابیں انیس سو چودہ اور
۱۹۱۸ء میں شائع ہوئیں - اس وقت سے بے کر اس وقت تک
سینکڑوں مضمون ان کے مطالب کی تشریح میں لکھے گئے ہیں -
باوجود ان کے اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو اس کا کیا علاج
ہو سکتا ہے - اس زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ سچائی کی دو

نسمیں قرار دی جائیں۔ ایک عوام کے لئے ایک خواص کے لئے۔ اور جو صداقت خواص کے لئے ہو اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے۔ لیکن میرے حالات کے لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں نے مسئلہ خودی کے صرف اس پہلو کو نمایاں کیا ہے جس کا جاننا اس زمانے کے ہندی مسلمانوں کے لئے میرے خیال میں ضروری ہے اور جس کو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ خودی کے متعلق تصوف کے جو دقیق مسائل ہیں ان سے میں نے اعراض کیا ہے۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب بہت طویل ہے مگر انسوس کہہ طویل خط لکھنے کی نہ ہمت ہے نہ خواہش۔ مختصراً یہ عرض ہے عصیت اور چیز ہے اور تعصب اور چیز ہے۔ عصیت کی جڑ حیاتی (Biological) ہے اور تعصب کی نفسیاتی (Psychological)۔ تعصب ایک بیماری ہے جس کا علاج اطباء روحانی اور تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ عصیت زندگی کا ایک خاصہ ہے۔ جس کی پرورش اور تربیت ضروری ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی عصیت دونوں کے حدود مقرر ہیں۔ انہی کا نام شریعت ہے۔ میرے عقیدہ کی رو سے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ان حدود کے اندر رہنا باعث فلاح ہے اور ان سے تجاوز کرنا بربادی۔ تصادم جس کا آپ نے ذکر کیا ہے صرف اسی صورت میں پیدا ہوا ہے جبکہ ان حدود سے تجاوز کیا جائے یا اپنی عصیت کو چھوڑ کر کوئی دوسری عصیت مثلاً نسلی عصیت اختیار کر لی جائے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کفار کے ساتھ ہر قسم کا میل ملاپ حرام ہے تو وہ حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے اور اس کے لئے تبلیغ دین میں دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی قوم اسلامی عصیت

کو چھوڑ کر نسلی عصبیت کو بطور ایک اصول تنظیم کے اختیار کرے مثلاً ترکوں پر یہ خیال غالب آ رہا ہے تو اس قوم کے لئے تبلیغ بے معنی ہو جاتی ہے اور اس کو یوں بھی تبلیغ میں دلچسپی نہ رہے گی۔

والسلام

محمد شفیع ایم۔ اے

راغب احسن صاحب کے فام

(۱۵)

۲۳ اپریل ۱۸۳۱ء کو جناب راغب احسن صاحب ایم۔ اے نے جمعیتہ الشبان المسلمین کلکتہ کی بنیاد رکھی اور اس فکر اسلامیت کا میثاق شائع کیا اور حکیم الاسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی خدمت میں میں ارسال کیا۔ علامہ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

لاہور

۲۸ مئی ۱۹۳۱ء

جناب راغب صاحب !

السلام علیکم۔ آپ کا خط مع میثاق ابھی ملا ہے۔ آپ کی تحریک مبارک ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ عالمگیر ہو جائے۔ انگریزی ترجمے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت تک انتظار کیجئے جبکہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ فی الحال امن کا ترجمہ جدید فارسی عربی، ترکی اور پشتو میں کرائیے اور ممکن ہو تو اہل زبان سے ہر ایک جزو کی صورت میں ممالک اسلامیہ میں اس میثاق کے قواعد

و مقاصد کو شائع کرائیے تاکہ ان ممالک میں اس کی تخریب ریزی ہو جائے۔ غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہوگی یا ممکن ہے ان ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرے۔

مدت ہوئی میں نے خواب دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑوں سے مراد روح اسلامیت ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔ ابھی اور بھی اسور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہوگا اور ان کو اپنی تحریک اور مقاصد کا جزو بنانا ہوگا۔ مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا۔

قومی سرمائے کی سخت ضرورت ہے۔ انسوس مسلمان ابراہ پر حب مال غالب ہے۔

والسلام

مخلص

بہد اقبال

خالد خلیل کے نام

(۱۶)

(انگریزی)

مائی ڈیر خالد خلیل !

میں آپ کو یہ خط سید سجاد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہوں۔ جنہوں نے کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط بہان اخبارات میں شائع کرایا اور خصوصاً مجھ سے ایسی تجاویز طلب کیں جو آپ کے معلمانہ مساعی و مشاغل میں

معین ہو سکیں۔ میرے نزدیک قسطنطنیہ یونیورسٹی کے ادارہ دینیات نے یہ دانشمندانہ کام کیا ہے۔ اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اعلیٰ ایسے اکتشافات بروئے کار آئیں گے جن سے دنیائے اسلام کی بابت ترکوں کا دائرہ نظر وسیع تر ہو جائے گا اور اس طرح ممکن ہے کہ نوغیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین محکم تر ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی تحقیقات سے انسانی علوم کے سرمایہ میں اضافہ ہوگا اور ممکن ہے نسلی خصوصیتوں کی تہ میں وحدت روح کے ایسے سامان دریافت ہو سکیں جن کا اندازہ سطحی مشاہدہ سے ہشکل لگایا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو سکے کہ ایشیا کی سیرت کی تشکیل میں جس کا راز اب تک معلوم نہیں کیا جاسکا ہے، سہتم بالشان تاتاری نسل کی بعض اہم تر شاخیں کار فرما رہی ہوں۔ جو کام آپ کے پیش نظر ہے اس کے امکانات بے پایاں ہیں اور مجھے یقین ہے آپ اپنے خطبات علمی سے انسانیت، اسلام اور اپنے ملک و ملت کی زبردست خدمت انجام دیں گے۔ اور کم از کم دس سال کی مستقل سعی و محنت کے بعد آپ ملل اسلام اور ان لوگوں کے لئے جو بطریق مختلفہ ان ملل سے دلچسپی رکھتے ہیں، ایک کاپتا جدید نقطہ نظر مہیا کر سکیں گے۔

(۱) میں پہلے ایک عام تجویز پیش کروں گا۔ آپ کو ادارہ دینیات کو مشورہ دینا چاہئے کہ جتنی کتابیں تاریخی یا اور قسم کی یورپین اور اسلامی زبانوں میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں، وہ ان کو فراہم کرے۔ یورپین کتابوں میں سے اکثر بلاشبہ خاص الغراض کو مدنظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں۔ (مثلاً تبلیغی، تجارتی، سیاسی وغیرہ)

تاہم ان کتابوں میں کہیں کہیں آپ کو اپنے مضمون سے متعلق نہایت مفید معلومات ملیں گی۔ مثلاً مارشل کی 'اسلام چین میں' ایک مشنری نے مشنری اغراض کے لئے لکھی ہے۔ بایں ہمہ اس کتاب کے بعض حصص کے مطالعہ سے چینی مسلمانوں کے موجودہ نصب العین ان کی تحریکات اور ان کی آرزوں کا پتہ لگتا ہے۔ مصنف نے ان کی اصلیت کے متنازع فیہ مسئلہ، ان کی موجودہ آبادی ان کے معاہد اور ان کے ادب کی نوعیت سے بھی بحث کی ہے۔ ایک دوسری مثال سٹور ڈرڈ کی تصنیف 'جدید دنیائے اسلام' ہے۔ یہ ان کتابوں میں سے ہے جو جنگ عظیم کے بعد ضبط تحریر میں آئی ہیں اور اس مصنف کا مقصد (جو اہنگو سیکسن نسل کی برتری کا قائل معلوم ہوتا ہے) محض ایک طرح کی سیاسی اشتہار بازی ہے۔ تاہم یہ ایک مفید کتاب یورپین زبانوں میں لکھی ہوئی ان کتابوں کے بے شمار حوالے دیتی ہے جو اسلام اور ملل اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں ہیں جن کو سیاحوں یا حکومتہائے یورپ کے ان سیاسی نمائندوں نے فرداً فرداً بعض اسلامی ممالک پر لکھا ہے۔ جہاں وہ متعین تھے۔ مثلاً برٹن اور فلبی (عرب) گوینو (فارسی) اور ویمری (وسط ایشیا)۔ یہ وہی ویمری ہے جس نے مرحوم سلطان عبدالحمید کو بتایا تھا کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے قبل ترک اپنے ایک مخصوص رسم الخط کے مالک تھے۔

یہ سب کتابیں جمع کرنی چاہئیں اور اپنے خطبات کی ترتیب و تیاری میں آپ کو ان سے مدد لینی چاہئے۔ میسرز لوژک اینڈ کمپنی برٹش میوزیم لندن سے مراسلت کیجئے۔ ان کی فہرست کتب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یورپین مستشرقین نے اسلامی تمدن پر کتنا زبردست ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا لائبرگ

(جرمنی) کے پروفیسر ڈاکٹر فشر سے مراسلت کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے، وہ آپ کے مضمون کے متعلق قیمتی مشورے دے سکیں گے۔ اگر آپ خود ان سے واقف نہیں تو خط میں میرا حوالہ دے دیجئے گا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر زویمر کا نام بھی لوٹتا جو قاہرہ میں ایک امریکن مشنری ہیں۔ وہ اسلام کی مخالفت میں ایک رسالہ 'مسلم ورلڈ' کی ادارت بھی کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے متعدد کتابوں اور مضامین کی صورت میں ملل اسلامی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ گزشتہ سال وہ لاہور آئے تھے اور انہوں نے جرمن زبان میں مجھے ایک کتاب دکھائی تھی۔ جس میں اسلام اور ملل اسلامی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے عنوانات درج تھے۔ میں اس کے مصنف کا نام بھول گیا ہوں۔ مگر یہ آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر زویمر کو لکھیں تو وہ آپ کو بتا دیں گے۔ یہ کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور اس سے اغلباً آپ کو ایسی کتابوں کے نام ملیں گے جو آپ کے مضمون سے متعلق ہیں۔ پروفیسر ہاروٹز (لرینکنفورٹ جرمنی) سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) تصریحاً میں مشورہ دوں گا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مستقل طور پر پیش نظر رہے۔ اس میں آپ کو اسلامی ممالک مثلاً افغانستان، بلوچستان، کشمیر وغیرہ پر ان کی نسلی اور نسبی خصوصیات پر مضمون ملیں گے۔ فارس کے متعلق میں

Memoir Sur l Ethnographic de la perse
Nicololas de Khanikof

کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔ یہ کسی قدر پرانی کتاب ہے۔ مگر

اس سے آپ کو اپنے کام کی نوعیت اور ترتیب کا ایک عام اندازہ ہو جائے گا ۔

(۴) جہاں تک آپ کے خطبات کی ترتیب کا تعلق ہے ۔
میں حسب ذیل مشورے دینا چاہتا ہوں ۔ شروع میں دو ایک
ابتدائی خطبات ہوں ۔ جن میں حسب ذیل امور پر بحث ہو :-

(الف) علم وظائف الاعضا کے نقطہ نظر سے نسل کی
حیثیت ۔

(ب) وہ اسباب جن سے نسلوں کی تفریق پیدا ہوئی ۔

(ج) کیا مذہب ایک نسل آفریں عنصر ہے ؟ بذاتہ میں
محسوس کرتا ہوں کہ تفریق لسانی کے باوجود
کیا عالم اسلام کی ادبیات ایک مشترک پیش تہاد
کی حامل ہیں ؟ بحیثیت مجموعی میرا خیال ہے کہ
ایسا ہے ۔

(د) اسلامی نسلوں کا ایک سرسری جائزہ ۔

۱ ۔ ساسی

(الف) عرب ۔

(ب) افغانی اور کشمیری ۔ (کیا یہ عبرانی ہیں؟)

۲ ۔ آریائی

(الف) ایرانی ۔

(ب) ہندی مسلمان مخلوط النسل ہیں ۔ آریائی عنصر
غالب ہے ۔ جاٹ اور راجپوت جیسا کہ بعض مصنفین
کا خیال ہے شاید تاتاری ہیں ۔

۳۔ قاتاری

(الف) وسط ایشیا کے قاتاری ۔

(ب) منگولین (کاشغری اور تبتی) ۔

(ج) چینی مسلمان ۔

(د) عثمانی ترک ۔

۴۔ حبشی اور بربری

۵۔ علم الانساب کے اغراض و مقاصد

(۸) سیری رائے ھے کہ مثال کے طور پر افغانوں پر خطبات

کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے ۔

خطبہ اول :-

افغان ، افغانستان میں نسلوں کا غلط ملط ، فارسی بولنے والے

افغان اور پشتو بولنے والے افغان ، کیا افغان اور پشہان میں کوئی

چیز ماہہ الامتیاز ھے؟ کیا افغانی عبرانی ھیں ؟ اپنی اصلیت کے

متعلق ان کی اپنی روایات ۔ کیا پشتو زبان میں عبرانی الفاظ ملتے

ھیں؟ کیا وہ ان یہودیوں کے خلاف ھیں جن کو ایرانی کسریٰ

نے اسیرین کی غلامی سے نجات دلائی تھی؟ جدید افغانستان کے

بڑے بڑے قبائل ، ان کی تخریبی آبادی ۔

خطبہ دوم :-

افغانوں کے اسلام لانے کے زمانہ سے ان کی سیاسی تاریخ پر

سرمدی تبصرہ ۔

خطبہ سوم :-

افغانوں کو متحد کرنے کی جدوجہد ۔

(الف) مذہبی ، پر روشن اور ان کے اخلاق ۔

(ب) سیاسی ، مشہور افغان شیر شاہ سوری جس نے افغانان
ہند کو متحد اور عارضی طور پر حکومت مغلیہ کو
برطرف کر دیا تھا ۔ اس کی تگ و دو کا صرف
ہندوستان تک محدود ہونا ۔

(ج) خوشحال خاں کھٹک ، سرحدی افغانوں کا زبردست
سباہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف
افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا ۔ اس کا خیال
تھا کہ افغان عبرانی النسل تھے اس نے آخر شہنشاہ
اورنگ زیب سے شکست کھائی ۔ اور کسی ہندی
قلعہ میں قید کر دیا ۔ افغانوں کا شاید اولین قومی
شاعر تھا ۔

(د) احمد شاہ ابدالی ۔

(۵) مرحوم امیر عبدالرحمن ، موجودہ امیر اور افغانوں میں
قومی تشخیص پیدا کرنے کی جدوجہد ۔

خطبہ چہارم :-

موجودہ افغانی تمدن ۔ ان کی قدیم اور جدید صنعت و میناعت
ان کی ادبیات ان کی آرژنوں اور حوصلہ مندہوں کی ترجمان کی
حیثیت ہے ۔

خطبہ پنجم :-

افغانی نسل کا مستقبل ۔

(۵) آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔
گو اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے ۔ ادارہ دینیات کو
چاہئے کہ دینیات کی ایک پروفیسر شپ قائم کرے ۔ جس پر کسی

ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو۔ تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکار جدید کا ہمدوش بنا سکے۔ قدم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و بود بکھر چکے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اسی کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہئے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل و الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سر نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے۔ اس شعبہ میں کہوں بے حس و حرکت رہے۔ ادارہ دینیات کو ایک حد تک جدید علم کلام کی طرح ڈالنی چاہئے اور ترکی کی نوغیز نسل کو یورپ کی لا مذہبیت سے محفوظ و مصئون کر لینا چاہئے۔ مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیات ملی کے مختلف پہلوؤں کے لئے یش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹراٹ لا

لاہور

(اصل انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ یہ ترجمہ سہیل علی گڑھ

سے ماخوذ ہے)۔

مس فارقو ہرسن کے نام (۱۷) (انگریزی)

لاہور

۲۶ مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مس فارقو ہرسن ا

عنايت نامہ کے لئے سراہا سپاس ہوں۔ جواب فوراً دے رہا ہوں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ آئندہ ہفتہ بعض اہم مصروفیات کی وجہ سے مجھے خط و کتابت کی فرصت میسر نہ آ سکے گی۔ گذشتہ نومبر ہی لندن میں ہم میں سے بعض کو کابینہ کے اندرونی اختلافات کا کچھ اندازہ سا ہو رہا تھا۔ تاہم ہمیں انتظار کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ پردہ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ذاتی طور میں ہندوستان کے مستقبل سے نہایت مایوس ہو رہا ہوں۔ ہمیشہ کے فسادات نے جو ابھی تک فرو نہیں ہوئے، مجھے بے حد پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا آغاز ایک خونریزی کی صورت اختیار کرے گا اور یہ بد امنی ایسے نتائج پیدا کرے گی جو بے حد ناگوار ہوں گے۔ بعض لوگوں کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں اس بے چہنی کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کی سویت استوار ہو جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہترین برطانوی واقفکار کو بھی اس امر کا قطعاً اندازہ نہیں کہ اس بظاہر پرسکون سمندر کی گہرائیوں میں کیسے کیسے طوفان بیتاب ہیں۔ وہ ہندوستانی جو اعلیٰ مناصب پر فائز ہو کر برطانوی پالیسی کو قریب سے دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہاں روزگار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں کبھی کبھار چالاک و

ہوشیار لوگ بھی نظر آجاتے ہیں۔ لیکن یہ طبقہ یکسر محروم بصیرت ہے۔ دنیا یہ امید قائم ہے۔ خدا کرے بہتر حالات پیدا ہوں۔

میں یورپ، شمالی افریقہ، ترکی اور ہسپانیہ کی سیاحت کا قصد رکھتا ہوں۔ دو ایک ماہ میں قطعی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔

جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے، میں ایک اپیل شائع کرنے پر بخوشی آمادہ ہوں۔ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ ہزہائیس آغاخان کی اعانت حاصل کریں۔ ایسی اپیل میں ان کی شمولیت نہایت موثر ثابت ہوگی، کیا ہزہائیس آغاخان اپنے طور پر نظام کو نہیں لکھ سکتے؟ اپیل پر ان کے دستخط لازمی ہیں اور اپیل مصر و فلسطین کے زعمائے فکر و عمل کے مشورے سے مرتب ہونی چاہئے۔ میں نے ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر سے اس تحریک کی قانید میں براہیگنڈا شروع کرنے کو کہا ہے۔ امید ہے، اس کے اخبار کے چند پرچے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہونگے۔ میرے خطبہ کے نسخے آئندہ ڈاک سے ارسال خدمت ہونگے۔ اور امید ہے اس خط کے ساتھ ہی مل جائیگے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک نسخہ پہلے بھی ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ (ماہانے خلافت) شوکت علی نے ایک نوجوان انگریز لڑکی سے شادی کرلی ہے اور اب امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہندو اخبارات میں اس شادی پر خوب خوب تبصرے ہوئے ہیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مسلمانوں کی اعانت کے سلسلہ میں آپ کی کوششیں ہماری دلی احسان مندی کی حقدار ہیں۔

نیازالدین خان کے نام (۱۸)

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔ نبی کریم کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئے۔ تاکہ قلب بھدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبت بھدیہ کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آئے ہوں۔ خلوص دل کے ساتھ محض قرات کافی ہے میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اس طرح مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہنا ہوں امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولانا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔ کمبوٹر۔ وجود ہیں مگر مشکلوں سے بچے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچوں کی پرورش کی ہے۔

مخلص بد اقبال

لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۴۳ء

(منقول از آفاق)

(۱۸ الف)

عصیان ماورحمت پروردگار ما

این رانہائے است نہ آن رانہائے

مخدومی ! السلام علیکم۔ والا نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے

پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔

سبحان اللہ ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا

چاہئے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر

میں اس ہائے کا شعر کم نکلیے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے مگر اس انداز سے کہ موجد کی روح فدا ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک..... انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلاسی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کمال شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے۔

”تمہید نیم خند تو سرگ ولاتھے“

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا۔ اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے۔ البتہ پہلے مصرعے میں جو لفظ ”آن“ ہے اس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہئے (عنوان آن نگاہ) یہ مشورہ مولانا کی خدمت میں پیش کیجئے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گراسی صاحب اپنے شعر کا..... اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔ امید ہے ان کا رویہ حیدر آباد سے آگیا ہوگا۔ لیکن اگر پریشانی ان سے ایسے اشعار لکھواتی رہی تو اہل ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجی جائے کہ ان کا منصب بند کر دیا جائے۔

مخلص

پہد اقبال

۱۳- اپریل ۱۹۱۹ء

(منقول از آفاق)

مولوی محمد صالح صاحب کے نام (۱۹)

لاہور

۳۰ - مئی ۱۹۳۰ء

جناب من ! السلام علیکم - آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لئے سراپا احساس ہوں - مجھ کو آپ کے خط نے بہت متاثر کیا مجھ کو یہ خیال ہمیشہ تکلیف روحانی دیتا ہے کہ آنے والی مسلمان نسل کے قلوب ان واردات سے یکسر خالی ہیں جن پر مورے انکار کی اساس ہے - لیکن آپ کے خط سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوئی - ان اشعار کی دقت زبان کی وجہ سے نہیں میں تو اتنی فارسی ہی نہیں جانتا کہ مشکل زبان لکھ سکوں - دقت جو کچھ بھی ہے ، واردات و کیفیات کے فقدان کی وجہ سے ہے اگر کیفیات کا احساس ہو تو مشکل زبان بھی سہل ہو جاتی ہے - بہر حال آپ کی - کوشش ایک مبارک فال ہے - لیکن یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں - جن میں سے ایک شعر بھی ہے : اور شعر کا تخلیقی یا ابقاطی اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صورت اور طرز ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے - اس واسطے ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو مترجم کے زیر نظر ہوتا ہے - بہر حال اس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات و خیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے جن کے قلوب میں آپ پیام کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں - یہ بات پیام کے مطالعہ سے بھی زیادہ ضروری ہے -

اس کے علاوہ یہ بھی گر کی بات ہے کہ مجھ سے مشورہ نہ کیجئے جس شعر کا جو اثر آپ کے دل پر ہوتا ہے ، اسی کو

صاف و واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کرنا چاہئے ۔ مصنف کا مفہوم معلوم کرنا بالکل غیر ضروری بلکہ مضر ہے ۔ ہاں ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تشریح آپ کریں ، اس کی قائلہ شعر کی زبان سے ہونی چاہئے ۔ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے بلکہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے اس اختلاف کی وجہ قلوب انسانی کی اصلی فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے ۔ اگر کسی شعر سے مختلف اثرات مختلف قلوب پر پیدا ہوں تو یہ بات اسی شعر کی قوت اور زندگی کی دلیل ہے ۔ زندگی کی اصل حقیقت تنوع اور کونا کونی ہے ۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۰)

لاہور

۲۲ اپریل ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب ۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے ۔ الحمد للہ کہ خبریت ہے ۔ اس گروہ کے جمود کا مجھے بھی احساس ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اس گروہ میں سے نوجوانوں کو انتخاب کیا ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اگر ان کو کسی مرکزی مقام پر جمع کیا جائے تو میں شاید ان کو یقین دلا سکوں کہ نظر یہ حالات آئندہ ان کا اور ان کے خانوادوں کا احترام و اقتدار بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ اس نازک زمانے میں اسلام کی حفاظت کریں ۔ فی الحال تجویز یہ ہے کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے کہ بغیر اس کے اسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی تکمیل و اشاعت ناممکن ہے ۔ مسلمان

اخباروں کو قوی کیا جائے نئے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں اور دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے قومی مساکن بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر وقت ہر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائیگا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے۔ آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے کام چھوڑنے پڑیں تو انشاء اللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصد جلیل کے لئے وقف کر دوں گا۔

آپ خواجہ صاحب کے دل میں ٹرپ پیدا کریں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے دیگر احباب میں بھی یہی تحریک کریں ورنہ ہم سب لوگ قیامت کے روز خدا اور رسول کے سامنے جاویدہ ہونگے۔ زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ اس کام (میں) ذرا سا توقف بھی نہ ہونا چاہئے۔

کتاب جاوید نامہ جو میں لکھ رہا تھا، ختم ہو گئی ہے۔ آچکل میں کاتب کے حوالے کر دی جائیگی۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ جو میں نے انگریزی زبان میں لکھی تھی اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ عنقریب شائع ہو جائیگا۔ والسلام
مخلص محمد اقبال

سراج الدین پال کے نام

(۲۱)

لاہور

۱۰۔ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ - اسلام علیکم

آپ کا خط مجھے ملی گیا۔ جس کے لئے میں آپ کا معنون ہوں۔ آپ کے مضامین نہایت اچھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق اسلامیہ کی سمجھ عطا کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان مردہ ہیں۔ انحطاط ملی نے ان کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے، جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مری تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے، مگر ہمیں اپنے ادائیے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ میں مثنوی ”اسرار خودی“ کا دوسرا حصہ لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ اس حصہ میں بعض باتوں پر مزید روشنی پڑے گی۔

حافظ پر ایک طویل مضمون شائع ہونے کا مجھے بھی احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو باحسن وجوہ اتمام کر سکتے ہیں۔ آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان عقلی و اخلاقی ایسا مضمون لکھنے کے لئے ضروری ہے، وہ سب آپ میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت subtle طریقہ تنسیخ کا ہے۔ اور یہ طریقہ وہی قویں اختیار یا ایجاد کر سکتی ہیں، جن کی فطرت کو سفندی ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعرا ہیں، جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشو و نما نہ ہونے دیا، تاہم وقت ہا کر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا، یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ہے، تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لئے ضروری تصور کرتا ہے، تو شعرائے عجم اس شعار اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً

غازی زبے شہادت اندر نگ و ہوست

غافل کہ شہید عشق فاضل ترازوست

در روز قیامت این باو کے ماند

این کشتہ دشمن است و آن کشتہ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابل تعریف مگر انصاف سے دیکھئے تو جہاد اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوب صورت طریق اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے، اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے آب حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔

اس نکتہ خیال سے نہ صرف حافظ بلکہ تمام شعرائے ایران پر نگاہ ڈالنی چاہئے۔ اگر آپ حافظ پر لکھیں تو اس نکتہ خیال کو ملحوظ رکھیں۔ جب آپ اس نگاہ سے شعرائے معروف پر غور کریں گے تو آپ کو عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ یہ طویل خط میں نے صرف اس واسطے لکھا ہے کہ فارسی شعر کے مطالعے میں آپ کا دماغ ایک خاص رستے پر پڑ جائے۔ انشا اللہ ”اسرار خودی“ کے دوسرے حصے میں بتاؤں گا کہ شعر کا نصب العین کیا ہونا چاہئے؟

ایک اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں، جو ”وکیل“ میں شائع ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت پیدا کر دے، جو بقول آپ کے اسلام کے نادان دوعتوں کی پیدا کی ہوئی آمیزشوں کے خلاف جہاد کرے۔

والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور

۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی! السلام علیکم

صیام کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق ، بلکہ آپ کے مضمون کا آخری فقرہ میں نے سب سے پہلے پڑھا ، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ باب افعال کا ایک خاصہ سلب مآخذ ہے ، یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں ۔ مطبقوں میں تمام بوڑھے ، فطری کمزور اور حائضہ عورتیں شامل ہیں ۔ ہندی مسلمانوں کی بڑی بد بختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے ۔ اور قرآن کی تفسیر میں محاورہ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکل کے وہ معنی لئے جاتے ہیں ، جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں ۔ کل میں ایک صوفی مفسر قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا ، لکھتے ہیں ”الخلق والارض السموات فی ستۃ ایام“ میں ایام سے مراد تنزلات ہیں ، یعنی فی ستۃ تنزلات ہیں ۔ کم بخت کو یہ معلوم نہیں کہ عربی زبان میں ”یوم“ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کہ تغلیبی بالتنزلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے مخالف ہے ۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے ہردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں ۔ کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں ۔

کلارک کے ترجمہ حافظ کے لئے جو آپ نے تھیکر کو لکھا ہے ، ٹھیک نہیں کیا ، بہت بڑی کتاب ہے ۔ اس کی قیمت بہت زیادہ ہو گی ۔ اگر خریداری کے لئے لکھا ہے ، تو فرمائش منسوخ کر دیجئے ۔ یہاں اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے ۔ آپ وہاں سے دیکھ سکتے ہیں ۔ پروفیسر براؤن کی کتاب بھی یہاں موجود ہے ۔ انسانی کلوینڈیا آف اسلام جو یورپ میں باقسط شائع ہو رہی ہے اس میں بھی حافظ پر آرٹیکل ہوگا ، وہ بھی آپ کو یہاں مل جائے گی ۔

ایک مشکل یہ ہے کہ حافظ کی صحیح غزلوں کا پتہ نہیں چلتا ۔ بعض پرانے نسخوں میں بعض ایسی غزلیں ہیں کہ وہی غزلیں خواجو کرمانی کے دیوان میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ خواجو کرمانی وہ شخص ہے جس کے تتبع کا خود حافظ کو اعتراف ہے ۔ لائی ہزگ (جرمنی) میں جو ایڈیشن شائع ہوئی تھی ۔ وہ غالباً سودی (ترک شارح حافظ) کے ایڈیشن پر مبنی ہے ۔ اس کا مقصد زیادہ تر تشریح ہے ۔ سودی کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے مگر جرمن میں ہے ۔ اگر کتاب مل گئی تو میں آپ کو اس کے سمجھنے میں مدد دے سکوں گا ۔ براؤن کی ”ادبیات ایران“ میں بھی حافظ پر کچھ ہوگا ۔ یہ کتاب بھی جرمن میں ہے اور اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے ۔ جب آپ مضمون لکھیں گے تو میں اس کا وہ حصہ آپ کے لئے ترجمہ کر دوں گا ۔ علامہ مجلسی کی ”مجالس المومنین“ بھی ملاحظہ کر لیجئے ۔ اس میں حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ مرزا محمد دارابی کی کتاب تلاش کر رہا ہوں مل گئی تو آپ کو بھی دکھاؤں گا ۔

مولانا جاسی کی ”نفعات الانس“ بھی ملاحظہ کیجئے اور غور سے دیکھئے کہ مولانا نے کس قدر احتیاط سے حافظ کے متعلق لکھا ہے۔ بڑھنے پر آپ کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ خواجہ حافظ کے متعلق ایک معاصرانہ شہادت ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف میں پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب کمیاب ہے، مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کئے اور شاہ جہانگیر اشرف کی وفات کے کس قدر عرصہ بعد؟ شاہ جہانگیر اشرف، حافظ کے ہم عصر تھے اور ”جامع ملفوظات“، لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر اشرف حافظ کو ولی کامل تصور کرتے تھے اور وہ حافظ سے ہم صحبت رہے ہیں۔ اس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں۔

مولانا اسلم جیراجپوری نے ایک کتاب ”حیات حافظ“ نام لکھی ہے۔ آسانی سے مل جائے گی۔ اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے اور نہیں تو مآخذ معلوم ہو جائیں گے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھئے۔ مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے تھے؟ مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی؟ پھر ان سب باتوں کی روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجئے۔ تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے، جس نے لمعات میں فصوص الحکم بھی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے۔ (جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں۔ اس پر میں انشاء اللہ مفصل لکھوں گا) اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اسے صوفی سمجھا جائے) یہ حیرت

کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ نائاری بورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی، تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے، ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترک دنیا موجب تسکین— اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو ان کو تنازع البقا میں ہو چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے کہ ان کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔

والسلام

آپ کا مخلص
جد اقبال

حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے نام

(۲۳)

لاہور

۱۷ مئی ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا تبصرہ اسرار خودی پر ”الناظر“ میں دیکھا ہے جس کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔

”دید مت مرادے ذوی قحط الرجال“

خواجہ حافظ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کا مقصد محض ایک لٹریٹری اصول کی تشریح اور توضیح تھا خواجہ کی پرائیویٹ شخصیت یا ان کے معتقدات سے سروکار نہ تھا مگر عوام اس بارے میں

امتیاز کو سمجھ نہ سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر بڑی بے دے ہوئی۔ اگر لٹریری اصول یہ ہو کہ حسن حسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید ہوں خواہ مضر تو خواجہ دنیا کے بہترین شعرا میں سے ہیں بہر حال میں نے وہ اشعار حذف کر دیئے ہیں اور ان کی جگہ اسی لٹریری اصول کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے جس کو میں صحیح سمجھتا ہوں۔ عرفی کے اشارے سے محض اس کے بعض اشعار کی طرف تلمیح مقصود تھی، مثلاً :

گرفتہ آنکہ بہشتم دھند ہے طاعت

قبول کردن صدقہ نہ شرط انصاف است

لیکن اس مقابلے سے میں خود مطمئن نہ تھا اور یہ ایک مزید وجہ ان اشعار کو حذف کر دینے کی تھی۔ دیباچہ بہت مختصر تھا اور اپنے اختصار کی وجہ سے غلط فہمی کا باعث تھا۔ جیسا کہ مجھے بعض احباب کے خطوط سے اور دیگر تحریروں سے معلوم ہوا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ کیمریج کے پروفیسر نکلسن بھی اس خیال میں آپ کے ہمنا ہیں کہ دیباچہ دوسری ایڈیشن سے حذف نہ کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کراہا ہے۔ شاید انگریزی ایڈیشن کے ساتھ شائع کریں۔

پیر زادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہاں جب تصوف فلسفہ ہننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے

نو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ میں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ سالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔ پروفیسر نکلسن ”اسلامی شاعری اور تصوف“ کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں جو عنقریب شائع ہوگی۔ ممکن ہے یہ کتاب ایک حد تک وہی کام کر دے جو میں کرنا چاہتا تھا۔ منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابن حزم کی ”فہرست“ میں ہے فرانس میں شائع ہو گیا ہے مولف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے گزرا ہو گا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصور کے متعلق لکھا ہے اس کی اس رسالے سے پوری تائید ہوتی ہے لطف یہ ہے کہ غیر صوفیا قریباً سب کے سب منصور سے بیزار تھے۔ معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہو گئے۔ مذہب آفتاب پرستی کے متعلق جو تحقیقات حال میں ہو رہی ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ عجمی تصوف کے پوشیدہ مراسم کی اصلیت بہت جلد دنیا کو معلوم ہو جائے گی۔

مجھے امید ہے کہ اس طویل خط کے لئے آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ آپ کے تبصرہ سے مجھے بڑی تسکین قلب ہوئی، امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

سید سلیمان فدوی کے نام (۲۴)

لاہور

۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء

مخدومی ، السلام علیکم

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے ، اس بحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گذری ہے ، مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے ، اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا ، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا ۔ میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا ، مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا ، آپ کو یاد ہو گا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا ۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آ رہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی ۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں ۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لئے کیا کیا نتائج پیدا کئے ۔ ہندوستان کی جمیعۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے ۔ آپ چونکہ اس جمیعت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے ۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا تاریخ

التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو، میں نے سنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا اور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ترکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ مصر میں یہ تحریک جاری ہے اور عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اسکا ظہور ہوگا۔ ایران کو بائیت سے اندیشہ ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اسماعیلی تحریک کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے۔ ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے۔ ”صوت الحی“، شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک رستہ پر لگائے، غرضکہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو رہنمائی کی سخت ضرورت ہے، اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے، ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لئے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

دیکر اس دریافت طلب یہ ہے کہ آیۃ توریث میں حصص بھی ازلی ابدی ہیں یا قاعدۃ توریث میں جو اصول مضمور ہے صرف وہی ناقابل تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے آیۃ وصیت پر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے، اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیں۔ اس احسان کے لئے ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔ بعض خیالات زمانۃ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں۔ ان کے ادا کرنے کے لئے قدیم فارسی اسلوب بیان سے مدد نہیں ملتی، بعض تاثرات کے اظہار کے لئے الفاظ عالمہ نہیں آئے،

اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے، جو ضرور ہے کہ اہل زبان کو ناگوار ہو کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اسقدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لئے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۴۵)

لاہور

۷ اپریل ۱۹۲۶ء

مخدوس، السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں، اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے۔ اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا۔ عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اس ضمن میں چونکہ شریعت احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ زمانہ حال کے جو رم ہروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ

فائدہ انداز میں ، اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے ۔ یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا ۔ مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا ۔ اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے قاعدہ میراث کے حصص کے متعلق میں نے مضمون اجتہاد میں بھی طریق اختیار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصہ ملنا عین انصاف ہے ۔ مساوی حصہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا ہے ، بحث کا محرک ترکی شاعر ضیاء کی بعض تحریریں تھیں جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے ، میں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ میں حصص میں ترمیم چاہتا ہوں ، بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت و ابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے ۔ میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں 'قدیم' ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ 'جدید' بلکہ میرا ذاتی میلان 'قدیم' کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیمیافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں ۔ اس بے خبری سے آپکی اصطلاح میں یورپ کے 'معنوی استیلا' کا اندیشہ ہے ، جس کا سدباب ضروری ہے ، میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں ۔ کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں 'ندوہ' علی گڑھ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو ، آپ کے خط کے آخری حصے سے ایک اور -وال میرے دل

میں پیدا ہوا ہے ، اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر کردہ حد (مثلاً سرفہ کی حد) کو ترک کر دے اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے اور اس اختیار کی بنا کون سی آیت قرآنی ہے ؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس قائم کی ہے ۔ اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا ۔ میں اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں ، زمانہ حال کی زبان سے ہوں کہہ رہے کہ آیا اسلامی کانسیٹیوٹن ان کو ایسا اختیار دیتی تھی ؟ ’امام ، ایک شخص واحد ہے یا جماعت بھی ’امام ، کے قائم مقام ہو سکتی ہے ، ہر اسلامی ملک کے لئے اپنا امام ہو ، یا تمام اسلامی دنیا کے لئے ایک واحد امام ہو ۔ مؤخر الذکر صورت موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر برپا کر آ سکتی ہے ؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالئے ، لقب امام سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے ، بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے ۔

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہیں ہے ۔ میں نے یہ مضمون ان طلباء کے لئے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے اس واسطے مختصر لکھا مفصل لکھنے کے لئے نہ وقت تھا نہ ضرورت ، غالباً اسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریہ اضافہ سے آشنا نہیں ہے ، بہر حال میں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ معارف کے لئے کریں ، وہ ترجمہ کریں گے پھر میں اسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کرونگا ۔ جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا ، قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا ، مگر وہ بھی غلط تھا ۔ امید کہ مزاج

بغیر ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لئے از بس ضروری ہے۔

مخلص
محمد اقبال

(۲۶)

لاہور

۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

مخدوم و مکرم ، السلام علیکم

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا ، غالباً آپ کی عدم الفرستی جواب سے مانع رہی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

کل میں آپ کے پرانے خطوط پڑا رہا تھا ، جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے ان اجازتوں کو منسوخ کر دے عارضی طور پر ، یا مستقل طور پر ، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے ، اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے۔ حافظی سے لکھ رہا ہوں کیا یہ بات صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا ؟ سہرانی کر کے اس کتاب کا پتہ درج کر دیجئے جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔

۲۔ کہا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاح موقت) حضرت عمر سے

پہلے مسلمانوں میں مروج تھا ، اور حضرت عمر نے اسے منسوخ کر دیا نیز زمانہ حال کا گوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے ؟

سفر نامہ کابل بہت دلچسپ ہے ممکن ہے آپ کو وہاں ایک
دلچسپ پھر جانا پڑے ۔
امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہے ۔

والسلام

مخلص

ہد اقبال

مولوی ظفر احمد صاحب صدیقی کے نام
(۲۷)

لاہور

۱۲ دسمبر

(۱) جناب من معترض ۔۔۔ قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ
ہے ، علیٰ هذا التباس ، اسلامی تصوف میں مسئلہ خودی کی تاریخ
اور نیز میری تحریروں سے ناواقف محض ہے ۔ موخرالذکر صورت
میں میں اسے معذور جانتا ہوں ۔ آخر اس غلامی کے زمانہ میں
مسلمانوں کے پاس کونسا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنی آئندہ نسلوں
کو اسلامی تصورات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کر سکیں
غلام قوم مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی
ہے ۔ اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر
ایسی تعلیم سے بیزار کی بجائے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت
نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو ۔

(۲) اعتراض کا جواب آسان ہے ۔ دین اسلام جو ہر مسلمان
کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے نفس انسانی اور اس کی
مرکزی قوتوں کو قوتا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لئے حدود
معین کرتا ہے ۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاح اسلام

میں شریعت یا قانون الہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ
 ہنٹر کی قانون الہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔
 مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لئے ہمال
 کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو
 محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی
 قانون کی پابند نہیں، دوسری صورت میں قانون الہی اور اخلاق
 کی پابند ہے۔ بہر حال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے
 اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت
 ہے۔ جب احکام الہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں
 کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف
 رضا الہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو
 بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا
 رکھا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلہ
 فنا کی تفسیر فلسفہ ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت علی اعتبار سے ناکارہ محض ہے
 میرے عقیدہ کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک
 تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف
 ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

(م) معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دور ترقی میں جنگ
 کا حامی ہے غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی
 مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوئے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا
 ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں
 ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت
 میں جب کہ مسلمانوں پر ظام کیا جائے اور ان کو گھروں سے

نکالا جائے مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم) دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹:۹۴ میں بیان ہوئی ہے۔ ان آیات کو غور سے پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو سمبول ہور جمعیت اقوام کے اجلاس میں Collective Security کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول کسی سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گذشتہ زمانہ کے مسلمان مدیرین اور سیاستین قرآن پر تدبیر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیت اقوام کو بنے ہوئے آج صدیاں گزر گئی ہوتیں جمعیت اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الہی کی پابند نہ ہو امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔ علی هذا القیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔

(۳) شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں۔ اس جانور

میں اسلامی فتر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں۔

(۱) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا

ہوا شکار نہیں کھاتا۔

(۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔

(۳) بلند پرواز ہے۔

(۴) خلوت پسند ہے۔

(۵) تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ میں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں۔

جد اقبال

مولوی عبدالماجد درہا بادی کے نام

(۲۸)

لاہور

۵ جنوری ۱۹۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کل موصول ہوا جس کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ میں ابھی ایک ہفتہ کے لئے علی گڑھ گیا تھا۔ وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز معلوم ہوتا ہے۔ سید راس مسعود بہت مستعد آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان کی مساعی سے یونیورسٹی کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی ہوگی آپ بھی کبھی کبھی وہاں جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں۔ مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر موثر ہو۔ بانک درا کی تیسری ایڈیشن جس کی تعداد دس ہزار ہوگی چھپ رہی ہے۔ غالباً دو ماہ تک تیار ہو جائے گی۔

لاہور کانگریس نے آزادی کامل کا اعلان کر دیا ہے جماعتی اختلافات کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ دیکھئے ہندوؤں کا لبرل

گروہ ان اختلافات کا کیا فیصلہ کرتا ہے ۔ مسلمانوں میں آزادی کے لئے ایک ولولہ موجود ہے مگر :

مشکل این نیست کہ بزم از سر ہنگامہ گذشت

مشکل این است کہ بے فکل و تدبیر اندہمہ

مغلض

محمد اقبال

غلام السیدین کے نام

(۲۹)

لاہور

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

ڈیر سیدین صاحب

آپ کا خط مل گیا ہے ، الحمد للہ خیریت ہے ، میرا خیال تھا

کہ آپ کی کتاب شائع ہو گئی ہوگی ۔ بہر حال جب شائع ہو جائے

تو اس کی ایک کاپی بھیج دیجئے گا

اب تو سردی کا موسم آ گیا ہے ، ضرور کبھی لاہور آئیے گا ،

میں ابھی تک سفر کرنے سے ڈرتا ہوں ۔ ممکن ہے ایک ماہ کے بعد

اس قابل ہو سکوں ۔

سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیت کے مذہب کے مخالف

ہیں ۔ اور اس کو ایون تصور کرتے ہیں ۔ لفظ ایون اس ضمن

میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا ۔ میں مسلمان

ہوں اور انشا اللہ مسلمان بروں گا ۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی

مادی تعبیر سراسر غلط ہے ۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت

کے قرآنی مفہوم کا ، جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جایجا

کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی جو روحانیت میرے نزدیک مغضب ہے یعنی ایوینی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے ۔ باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے ، جس سے مسلمان سوشلسٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے ۔
والسلام

بہد افہال

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے نام
(۳۰)

لاہور

۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ذیر شیخ عبداللہ صاحب ، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے ۔ مسلم کانفرنس کشمیر کے اخبار کو بڑھ کر بہت خوشی ہوئی ، مجھے یقین ہے کہ بزرگان کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سلجھا سکیں گے ۔ اس بات کے لئے میں ہر لحظہ دست بدعا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو ہار آور کرے گا ۔ لیکن جو مختلف جماعتیں سنا ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہوگا ۔ ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے ۔ ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اس وجہ سے بکڑے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اس کے افراد اور بالخصوص علما اوروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنے رہے ۔

ہذا کہ اس وقت ہیں ۔ ہمارا حال دعا ہے کہ آپ کے ملک کو یہ
تجربہ نہ ہو ۔

افسوس ہے کہ میں اور مشاغل کی وجہ سے کانفرنس میں
شریک نہ ہو سکوں گا ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔
بہد اقبال ، لاہور